احوال و آثار

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ

"دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین گنج شکر" کا اُردو ترجمہ

مصنف:

خلیق احمد نظامی

مترجم:

قاضی محمد حفیظ اللہ

مدیر:

محمد ارشد قریشی

84

المعارف

المعارف گنج بخش روڈ لاہور

ناشر : ـــــ المعارف گنج بخش روڈ لاہور

طابع : ـــــ مکتبہ جدید پریس لاہور

سالِ اشاعت : ـــــ ۱۹۸۳ء / ۱۴۰۳ھ

تعداد : ـــــ ایک ہزار

◎

بسعی و اہتمام

نجیب احمد قریشی
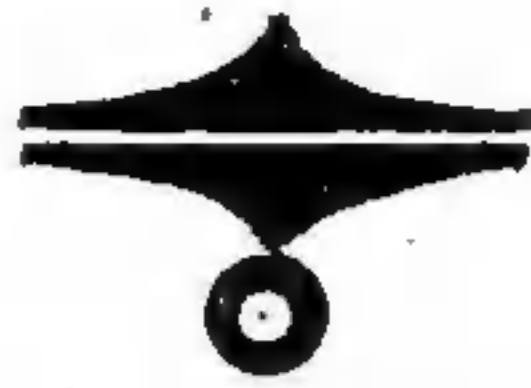
مرشدِ عالی مقام

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شمس الفقراء بدر الفضلاء جامع منقول و معقول حضرت

خواجہ الحاج میاں علی محمد خاں صاحب چشتی نظامی فخری

مرحوم و مغفور کے نام

جن کی نظرِ کیمیا اثر نے ایک عاجز و عاصی کو نئی زندگی عطا کی!

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مترجم

اگرچہ محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء میں سندھ اور ملتان فتح کر لیا تھا لیکن اس فتح کے اثرات کچھ زیادہ گہرے اور دُور رس ثابت نہ ہوئے۔

برِّصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آبیاری عرب غازیوں کا مقدّر نہ تھی۔ دُوسری بار اسلام تُرک فاتحین کی یلغار کے جلو میں درّۂ خیبر و بولان کے راستہ برِّصغیر پاک و ہند میں وارد ہُوا مگر ان فاتحین کا مطمحِ نظر جہاد برائے مالِ غنیمت و کشور کشائی تھا لہٰذا ان کی تُرک تازیاں بھی آریا ورت میں اسلام کی اشاعت کے لئے کچھ زیادہ ممد و معاون ثابت نہ ہوئیں۔ بے شک اُن کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور مجمعوں کے مجرموں کو رُوپوش کر دیا لیکن تنہائیوں اور خلوت خانوں کے رُوپوش مجرموں کو وہ باز نہ رکھ سکے اُنہوں نے بازاروں اور راستوں میں تو امن قائم کر دیا لیکن دلوں کی بستی میں وہ امن قائم نہ کر سکے۔ اُنہوں نے مُلک کا نظم و نسق درست کیا لیکن رُوحوں کی مملکت کا نظم و نسق اُن سے درُست نہ ہو سکا بلکہ ہر قسم کی رُوحانی بربادی انہی کے درباروں سے نکل کر ہر جگہ پھیلی[1]

علمائے ظاہر مطلق العنان سلطان کی خوشنودی حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے رہتے یا پھر سیاسی سازشوں میں مختلف اُمرا کی پُشت پناہی کرتے۔ اِسلام کی اشاعت

---

[1] خطباتِ مدراس : سید سلیمان ندوی

سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔

جو کام غازیانِ اسلام کی شمشیرِ آبدار اور علمائے ظاہر کی علمیت و فقاہت نہ کر سکی اُس کا بیڑا بالآخر مسلم صوفیائے کرام نے اُٹھایا اور حق تو یہ ہے کہ حق ادا کر دیا۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ ہیں:

"اہلِ تصوّف خصوصاً برّصغیر پاک و ہند کے صوفیائے عظام نے اسلام کو وہ رونق بخشی اور بجائے تیغ و تلوار کے محض حسنِ عمل اور اخلاقِ محمدیؐ کے ذریعے اس کی وہ اشاعت کی کہ برّصغیر پاک و ہند کے سات کروڑ مسلمانوں میں سے چھ کروڑ یقیناً انہی بزرگوں کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہیں۔"[1]

برّصغیر پاک و ہند میں ابھی اسلامی حکومت کے پاؤں جمنے بھی نہ پائے تھے کہ مسلم صوفیائے کرام آگے بڑھے اور تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ خواجہ معین الدین حسنؒ اُس وقت اجمیر میں رونق افروز ہوئے جب اجمیر ابھی رائے پتھورا کی راج دھانی تھا۔ جیسے جیسے سلطنت غزنوی (پشاور) لاہور اور پھر دہلی تک پھیلتی گئی مختلف مقامات پر مسلمانوں کی بستیاں آباد ہونا شروع ہو گئیں۔

برّصغیر پاک و ہند میں مسلمان صوفیائے کرام کا جن حالات سے سابقہ پڑا، ان میں ایک طرف ہندو تھے جو صرف بُت پرست ہی نہ تھے بلکہ ان کے پاس علومِ تصوّف اور فلسفہ کے مختلف مکاتبِ فکر بھی تھے جو اپنی لطافت اور عمق کے لحاظ سے یگانۂ روزگار تھے۔[2] اِس کے علاوہ ذات پات کی تقسیم ان کی معاشرتی زندگی کی رُوح رواں تھی۔ کسی غیر ہندو کی بات سُننا تو کجا انہیں غیر ذات کے ہندو کے پاس تک پھٹکنا گوارا نہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

---

[1] نقشِ اقبالؒ : سیّد عبدالواحد مُعینی

[2] معراجِ انسانیت : غلام احمد پرویز

محمود غزنوی کی یلغاروں کے لگائے ہوئے چرکوں کو وہ ابھی بھولے نہ تھے اور مسلمانوں کے بارے میں اُن کے جذبات انتہائی نفرت اور دشمنی کے تھے[1]

دوسری طرف مسلم حکومت ممد و معاون ہونے کی بجائے اُلٹا اُن کے کام میں روڑے اٹکاتی۔ ان کی پاکیزہ سیرتوں پر عوام الناس کا فریفتہ ہو جانا ایک فطری امر تھا اور اس فریفتگی میں مطلق العنان بادشاہ کو اپنی سلطنت کے لیے خطرہ نظر آتا۔ لہٰذا ان لوگوں کو حکومت سے دامن بچا کر اپنا کام کرنا پڑتا۔

تیسری جانب علمائے ظاہر تھے جن کو ان اولیائے کرام کی ہر دلعزیزی ایک آنکھ نہ بھاتی اور ان کی یہی کوشش ہوتی کہ کسی نہ کسی طرح ان کو لوگوں کی نگاہوں میں گرا دیا جائے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ[2] نے جب شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ پر زنا کا الزام لگایا یا پاک پتن شریف کے قاضی[3] نے حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کے سماع کے خلاف علمائے ملتان سے فتویٰ مانگا تو یہی ذہنیت اس کے پیچھے کام کر رہی تھی۔

ایسے حالات میں ہندوؤں میں اشاعتِ اسلام کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ اِن سب مشکلات کے باوجود ان صوفیائے عظام نے اپنے آپ کو کتاب و سُنّت کی پیروی اور خُلقِ محمدیؐ سے لیس کر کے اپنا کام شروع کر دیا اور وہ کر دکھایا جو تبلیغِ اسلام کا سب سے درخشاں باب ہے۔

---

[1] اِس نفرت اور دشمنی کے جذبات عہدِ حاضر تک قائم ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ پر اندرا گاندھی نے کہا "ہم نے ہزار سالہ بدلہ لے لیا ہے۔" ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کی نسل کشی کی باقاعدہ مہم جاری ہے جس میں راشٹریہ سیوک سنگھ کے غنڈوں کے ہاتھوں لاکھوں بے گناہ مسلمان شہید ہو چکے ہیں (مترجم)

[2] فوائد الفواد: ترجمہ، پروفیسر محمد سرور۔

[3] ایضاً۔

خلیق احمد نظامی بھارت کے باسی ہیں انہوں نے کتاب زیرِ نظر میں بابا فرید صاحبؒ کی تصویر کچھ اس طرح کھینچی ہے گویا کہ بابا صاحب بھی بھگتی تحریک کے بابا گرونانک اور بھگت کبیر کی طرح کے ایک بھگت تھے۔ اُنہوں نے بابا صاحب کے اِسلامی کردار کو نمایاں کرنے کی کوشش غالباً اس لئے نہیں کی کہ انہیں بھارت ورش میں رہنا ہے اور وہ صرف اسی طرح رہ سکتے ہیں کہ مسلمان اکابر کو اس رنگ میں پیش کیا جائے جو ہندوؤں کے لئے بارِ خاطر نہ ہو تاہم انہوں نے بابا صاحب کی زندگی کے بارے میں قیمتی مواد یکجا کر دیا ہے اور اس کے لئے وہ قابلِ تحسین ہیں۔

بابا صاحب کی زندگی کا نقطۂ ماسکہ وہ للّٰہیت تھی جو ان کے ہر قول و فعل میں رُوحِ رواں بن کر جاری و ساری تھی اور جب وہ بارگاہِ ربُّ العزت میں التجا کرتے ؎

مقصودِ من بندہ ز کونین توئی

از بہرِ تو میرم ز برائے تو زیم

تو یہ کوئی شاعری یا لفّاظی نہ تھی بلکہ ان کا رونگٹا رونگٹا پکار اُٹھتا:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ (الانعام: ۱۶۲)

اس وقت منگولوں کی یورش نے اسلامی عجمی دُنیا میں قیامتِ صُغریٰ بپا کر رکھی تھی اور پناہ گزینوں کا ایک مُسلسل سیلاب برِّصغیر پاک و ہند میں پناہ لینے کے لئے اُمڈا چلا آ رہا تھا۔ بابا صاحبؒ کو کسی کا بھی دُکھ درد برداشت نہ ہوتا اور ہر مغموم و رنجور کے لئے ان کا دل پگھل جاتا۔ ان کی زندگی اس لحاظ سے عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ کی آئینہ دار تھی اور جب آپ فرماتے کہ اپنے دُشمن کو بھی راضی کرو تو اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہوتا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ

وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۴)

باباصاحب نے ساری عمر مفلسی اور تنگدستی میں کاٹ دی۔ زندگی کے آخری ایّام میں باباصاحب بہت زیادہ تنگدست ہوگئے۔ جناب خلیق احمد نظامی صاحب کو اس بات پر حیرت ہے کہ جب باباصاحب کی شہرت انتہائے کمال کو پہنچی ہوئی تھی تو فتوح کا آنا کیسے بند ہوگیا۔ بات دراصل یہ نہ تھی کہ فتوح کم ہوگئی تھیں یا ان کا آنا بند ہوگیا تھا بلکہ یہ تنگدستی باباصاحب کی اپنی عائد کردہ تھی جو:

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

کے پیکرِ بے مثال تھے۔ کیا یہی حالت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر کی نہ تھی جب کہ آپ پورے عرب کے تاجدار تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"حضور اقدس کے گھر والوں نے مسلسل دو رات پیٹ بھر کر جو کی روٹی نہیں کھائی اور اسی حالت میں حضور دُنیا سے تشریف لے گئے"[1]

شریعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت باباصاحب مرض الموت میں مبتلا ہوتے تو آپ پیٹ کی تکلیف کے باعث روزے نہیں رکھ سکتے تھے۔ ایک روز شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو، جو کہ روزے سے تھے آپ نے ایک نوالہ عطا کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے دل میں سوچا کہ یہ نعمت کب کب نصیب ہوتی ہے اس وقت اس مبارک لقمہ سے روزہ افطار کرلوں بعد میں کفارہ کے ساٹھ روزے رکھ لوں گا۔ روشن ضمیر مرشد نے عقیدتمند مرید کے خیالات پڑھ لئے اور فرمایا:

---

[1] وسائل الوصول الی شمائل الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: شیخ یوسف نبہانیؒ (مترجم)

"نظام الدین! میں علالت کی وجہ سے معذور ہوں اس لئے روزے نہیں رکھ سکتا مگر تمہارے پاس روزہ توڑنے کا کوئی شرعی جواز نہیں۔"[1]

بابا صاحب کے جماعت خانے کے باسیوں پر اصحابِ صفہ کے جانشین ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ ہمیں جماعت خانے میں اصحابِ صفہ کا پورا پورا نقشہ نظر آتا ہے۔ اگرچہ اصحابِ صفہ اس قدر نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر ٹخنوں تک چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تاہم یہ لوگ ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھ رہتے تھے بلکہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چن لاتے اور اُن کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے تھے اور آدھا اخوانِ طریقت میں تقسیم ہوتا تھا۔[2] بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جماعت خانے کے باسیوں نے بھی اپنے درمیان متفرق کام بانٹ رکھے تھے۔ کوئی جنگل سے لکڑیاں لاتا، کوئی پانی بھرتا، کوئی جنگل سے ڈیلے لاتا اور کوئی کھانا تیار کرتا۔ سب ایک کمرے میں پھٹے پرانے کپڑوں میں گزر بسر کرتے۔ زمین پر سوتے اور مطالعہ کرتے بعض اوقات کئی کئی روز کا فاقہ آجاتا۔ اگر صفہ سے حضرت ابوہریرہ، حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم اجمعین دین میں گہری بصیرت حاصل کر کے خدمتِ دین کے لئے نکلے تو بابا صاحب کے جماعت خانے نے شیخ نظام الدین اولیاء، مولانا بدرالدین اسحٰق، اور شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہم پیدا کئے جو کتاب و سنت کی پیروی اور خدمتِ دین میں یکتائے روزگار تھے۔

بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نسباً فاروقی تھے[3] جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اشاعت

---

[1] فوائد الفواد۔ مترجمہ: پروفیسر محمد سرور۔

[2] سیرت النبی، ج: سوم: سید سلیمان ندوی۔

[3] رحمۃ للعالمین: قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔

اسلام کے لئے کام کیا اسی طرح بابا فرید صاحب رحمۃ اللہ نے سلسلۂ چشتیہ کی ترویج و اشاعت کے لئے برّصغیر پاک و ہند میں کام کیا۔ بیجا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ بابا صاحب سلسلۂ چشتیہ کے عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔

کتاب کے ترجمہ کے متعلق صرف اتنا عرض ہے کہ اصل کتاب میں جہاں جہاں لفظ ہندوستان آیا ہے وہاں ہندوستان کی بجائے برّصغیر پاک و ہند لکھا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کہیں ہندوستان سے موجودہ بھارت ہی نہ سمجھ لیں۔

آخر میں مجھے اپنے محترم دوست جناب مشتاق احمد بھٹی ایم۔اے۔ایم۔او۔ایل کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے میرے ساتھ مل کر پوری کتاب کے ترجمے پر نظرِ ثانی کی اور نیز اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

قاضی محمد حفیظ اللہ

پیش لفظ

کوئی سو برس کا عرصہ ہوا جب علماء کو اس بات کا احساس ہوا کہ تاریخِ اسلام کی تعبیر ہمعصر علمِ تاریخ کے پسِ منظر میں کی جانی چاہیئے۔ اس کے بعد جو پیش رفت مختلف سمتوں میں ہوئی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ہر پیش رفت سے ایک بات واضح تر ہوتی چلی گئی کہ ابھی کتنا زیادہ کام باقی پڑا ہے۔ سب سے اوّل اور سب سے اہم ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کام کا بیرونی خاکہ تیار کر لیا جائے تاکہ زمان و مکان کے پسِ منظر میں مسلم قوم کی تاریخی نشوونما کا سراغ لگایا جا سکے۔ اس میدان میں ابھی بہت سا مفصّل کام باقی ہے تاہم اس کا خاکہ واضح طور پر کھینچا جا چکا ہے۔ اس سے اگلا اور زیادہ مشکل مسئلہ اس تاریخ کا تفصیلی مطالعہ ہے تاکہ اس کی معاشرتی تنظیموں کو ظاہر کیا جا سکے۔ اس کے اداروں کی کارکردگی دکھائی جا سکے۔ اس کے اجزائے ترکیبی کا باہمی ربط سمجھا جا سکے اور طبقات و افراد کے متواتر مادّی اور اخلاقی آزمائشوں میں ردِ عمل کی قدر و قیمت کو جانچا جا سکے۔ اس چھان بین کی وسعت اور پیچیدگی کی تشریح کی کوئی زیادہ ضرورت نہیں اور مسلم تاریخ کے طالب علم کو ابھی کئی برس انتظار کرنا ہوگا۔ پیشتر اس کے کہ وہ کوئی مکمّل اور واضح تصویر دیکھ سکے یا دیکھنے کی امّید کر سکے، فوری طور پر جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ شہری اور دیہاتی زندگی کے معاشرتی اور اقتصادی پہلوؤں سے متعلّق نئی رخوں اور مسائل کا خصوصی مطالعہ کیا جائے جو مختلف گروہوں کے رویوں اور سرگرمیوں [illegible] رہے اور ساتھ ہی ساتھ ہر قسم کے دستاویزی مواد کی بھی تلاش و جستجو جاری رہے جو بچ گیا ہو۔

ان مسائل میں سے نمایاں ترین مسئلہ، جس کا بارہویں صدی عیسوی سے ہر خطّہ کی مسلم

قوم سے تعلق ہے وہ صوفی شیوخ اور سلسلوں کی سرگرمی اور اس کے مسلم قوم پر اثرات ہیں۔ یہ تحریک تصوف ہی تھی جسے مسلم قوم دن بدن زیادہ سے زیادہ اپنے خون سے سینچتی رہی، جب تک اِس تحریک اور اس کے وجوہات و اثرات کا صبر و سکون اور عالمانہ دیانت سے مطالعہ نہیں کیا جائے گا، اسلام کے شایانِ شان تاریخ کا لکھنا ممکن نہ ہوگا۔ اور برِّصغیر پاک و ہند کے علاوہ کوئی ایسا خطہ نہیں جہاں اس مطالعہ کی بنیادی یا فوری ضرورت زیادہ ہو۔ اِسلام برِّصغیر میں فاتح افواج کے جلو میں آیا اور یہاں اس کا سابقہ ایک ایسی تہذیب و تمدن سے پڑا جس سے اس کی ابتدائی صدیوں میں کوئی واسطہ نہیں پڑا تھا اور دونوں میں سوائے تصوف کے کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ یہاں مسلم قوم کی زندگی میں تصوف کی اہمیت غیر مسلم ماحول کے پسِ منظر میں دوگنی ہوگئی۔ کسی اور جگہ اسلام کے مطالعہ کے لئے تحریکات تصوف کے معنی، وجوہات اور اثرات کی سمجھ بوجھ کی اتنی ضرورت نہیں جتنی برِّصغیر پاک و ہند میں اسلام کو سمجھنے کے لئے ہے۔

برِّصغیر پاک و ہند کے مسلم علماء کی ایک چھوٹی سی جماعت نے اس معاملہ میں جو تحقیق شروع کی ہے اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں اور یہ تحقیق علمی اور برمحل بھی ہے۔ اس عالمانہ مہم میں مسٹر خلیق احمد نظامی کی یہ کتاب ایک منتخب مقام رکھتی ہے۔

بابا فرید رحمۃ اللہ کی شخصیت برِّصغیر پاک و ہند میں تحریکِ تصوف کے نشو و نما کا نقطۂ آغاز ہے۔ پیشتر اس کے کہ برِّصغیر پاک و ہند میں تحریکِ تصوف کا تاریخی یا دینیاتی مطالعہ کیا جاسکے، اوّلین ضرورت یہ ہے کہ بابا فرید صاحب رحمۃ اللہ ایسی شخصیات کو اُن کے اپنے ماحول میں رکھ کر اُن کے ہمعصروں کی نگاہوں سے انہیں دیکھا جائے۔ یہی بات ہے جو نظامی صاحب نے بابا فرید رحمۃ اللہ کے بارے میں نہایت دانشمندی اور اعلیٰ تاریخی شعور کے ساتھ کی ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیق

دوران نہ مختصر مواد پر قبل از وقت کوئی رائے قائم کی ہے اور نہ بابا صاحب کے بعد کی صدیوں کی گمراہ کن آراء و نظریات کو ہی قبول کیا ہے۔

ایچ۔ اے۔ آر۔ گب
سینٹ جان کالج، آکسفورڈ
۲۸ راپریل ــــــ ۱۹۵۵ء

دیباچہ

"دُنیا میں صرف ایک ہی عظیم مُعاشرہ ہے: زندہ شرفا اور مرحوم شرفا۔"

قرونِ وُسطیٰ کی تاریخ عرصہ دراز سے شاہی درباروں اور لشکروں کے شان و شکوہ کے گرد اگرد گھومتی رہی ہے اور ہمیں تاریخی واقعات کو صرف شاہی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی عادت پڑ چکی ہے لیکن ہمارا مُطالعۂ تاریخ میں ایک ایسا مقام آگیا ہے جب ہم کو اُن اولیاء و عارفین کی سادہ جھونپڑیوں کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیئے۔ جنہوں نے دولت و حکومت اور شاہی دربار کی خرابیوں سے دامن بچا کر بنی نوعِ انسان کی رُوحانی ترقّی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ ایسے دَور میں جب کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے لوگ دیوانہ وار دوڑ رہے تھے یہ اولیائے کرام لوگوں کو اُن کی اخلاقی اور رُوحانی ذمہ داریاں یاد دلا رہے تھے اور ایک جنگ و جدل سے بھرپور دُنیا میں مکمّل ہم آہنگی اور امن و سکون کے لئے کوشاں تھے۔

اگر یہ درُست ہے کہ قرُونِ وسطیٰ میں لوگوں کی نوّے فی صد توانائیاں رُوحانی اور اخلاقی کوششوں میں صَرف ہو رہی تھیں تو اولیائے کرام کی سوانحعمریاں پڑھنے کی شدید ضرورت پر جتنا زور دیا جائے کم ہے۔ ان کی زندگی کے واقعات میں ہم قرونِ وُسطیٰ کے معاشرہ کی اگرچہ تشنۂ تکمیل مگر پھر بھی بھرپُور جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ عام آدمی کی حیرانیاں و پریشانیاں، اُس کی رُوح کی باطنی تڑپ، تصوّرِ مذہب، اپنی اعلیٰ اور ادنیٰ سطح پر،

فی الحقیقت وہ تمام مسائل جو قرونِ وسطیٰ کے لوگوں کو درپیش تھے۔ قرونِ وسطیٰ میں خانقاہیں ہی وہ مقامات تھے جہاں ادنیٰ و اعلیٰ، امیر و غریب، عالم و جاہل، عورت و مرد، شہری و دیہاتی، ذات پات کے امتیازات باہر چھوڑ کر خانقاہ میں اکٹھے اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ اِس کتاب میں مَیں نے اُس وقت کے ایک سرکردہ ولیٔ اللہ کی سوانح حیات کے ذریعے قرونِ وسطیٰ میں رُوحانی جُستجو کے ایک پہلو کی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی ہے۔

بابا فریدالدین مسعود گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۷۵ - ۱۲۶۵ء) کی یہ سوانح حیات سوانحعمریوں کے اس سلسلے کی کڑی ہے جس کا مَیں نے قرونِ وسطیٰ کے اولیائے کرام کے بارے میں لکھنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ جن لوگوں نے مُدت سے فوجی اور پُرشکوہ واقعات پر اپنی توجّہ مرکوز کر رکھی ہے ان کے لئے سوانحعمریوں کا یہ سلسلہ حکیم سنائی کے الفاظ میں ایک عاجزانہ دعوت ہے ؎

اے کہ شنیدی صفتِ رُوم و چین
خیز و بیا ملکِ سنائی بہ بین

"یعنی، اے کہ جس نے رُوم و چین کی شہرت و ناموری کو سُنا ہے ذرا اُٹھ! سنائی کی دُنیا کو بھی دیکھ!"

قرونِ وسطیٰ کے ایک عظیم المرتبت ولیٔ اللہ کی یہ چھوٹی سی سوانح حیات تیّار کرتے وقت مَیں نے کوشش کی ہے کہ جو مواد بھی میسّر ہے اُس کا حتیّٰ المقدور ناقدانہ اور مُناسب استعمال کیا جائے۔ بابا صاحب کے معاصرین کی تصانیف کو استعمال کرتے وقت اِس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ مُصنّف کا بابا صاحب کے بارے میں کیا رویّہ تھا۔ البتہ بعد کی تصانیف کو استعمال کرتے وقت کوشش کی گئی ہے کہ اُس اساطیری خس و خاشاک کے جالوں کو صاف کر دیا جائے جو ان بزرگوں کی

صُورتوں کے گرد بُن دیئے گئے ہیں۔ بعد کے مُصنّفین کے بیانات کو صرف اِسی صُورت میں قبول کیا گیا ہے جہاں قدیم مآخذوں سے اُن کی تائید ہوتی ہے یا جہاں یہ بیانات ہمعصر مآخذوں سے نہیں ٹکراتے۔ البتہ ان تمام ملفوظات اور دیوانوں کو رد کر دیا گیا ہے جن میں بقولِ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ، بہت کچھ ایسا مواد موجود ہے جو چشتی صُوفیائے کرام کے شایانِ شان نہیں۔

یہ میرا خوشگوار فریضہ ہے کہ میں اپنی یُونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حُسین کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے میری اِس تصنیف میں غیر معمُولی دلچسپی ظاہر کی۔ نیز پروفیسر محمّد حبیب اور پروفیسر شیخ عبدالرشید کا بھی جنہوں نے اِس مسودہ کو پڑھ کر بہت سے مفید مشورے دیئے ہیں۔ سر ہیملٹن گِب نے اس کتاب کا پیش لفظ لکھ کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ جب مَیں نے اس بارے میں ان سے رجُوع کیا تو اُنہوں نے مجھے لکھا:

"جہاں تک تمہاری شیخ فریدالدین کی سوانحعمری کے لئے پیش لفظ کا تعلق ہے تو مَیں تمہیں بلا تکلّف بتا دینا چاہتا ہوں کہ اصُولی طور پر مَیں پیش لفظ لکھا نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ ہی اتنی اصُولی سختی کا بھی قائل نہیں جو حالات کو یکسر نظر انداز کر دے۔ مَیں ابھی اور اسی وقت نہ آپ سے کوئی وعدہ کروں گا نہ کر سکتا ہوں کہ آپ کو میری طرف سے کوئی پیش لفظ موصُول ہو گا۔ البتہ مَیں مسوّدہ کو پُوری توجّہ اور دلچسپی سے پڑھوں گا بشرطیکہ آپ اسے بھیج سکیں اور آپ کا مسوّدہ اتنا معیاری ہو جتنی کہ مَیں توقع کرتا ہوں تو پھر مَیں اپنے اصُول میں خوشی سے استثنیٰ پیدا کر لوں گا۔"

مسودہ بھیجے ہوئے ابھی ایک ماہ نہ گذرا تھا کہ انہوں نے مجھے یہ پیش لفظ بھیج دیا۔ جس کے لیے مَیں اُن کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

باوجودیکہ ان مشاہیر کے نام میری کتاب سے وابستہ ہو گئے ہیں تاہم اہمیں

خامیوں کا واحد ذمہ دار میں ہوں۔ میں جھجکتے ہوئے اس کتاب کو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

خلیق احمد نظامی
مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ
۲۰ / نومبر، ۱۹۵۵ء

مُقدّمہ

شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۷۵ - ۱۲۶۵ء)، جو عام طور پر "بابا فرید" کے نام سے مشہور ہیں، کا شمار قرونِ وسطیٰ کے معزز ترین اور مشاہیر صوفیا میں ہوتا ہے۔ اجودھن (موجودہ پاک پتن شریف) میں ان کی خانقاہ سالہا سال تک مرجع خلائق رہی جہاں ہر قوم و مسلک کے لوگ لاکھوں کی تعداد میں کھچے چلے آتے۔ ان کے سایۂ عاطفت میں رُوحانی سکون حاصل کرنے کے لیے ایک جہان اُمڈا ہوا آتا اور گوہرِ مطلوب سے مالا مال ہو کر لوٹتا۔ آپ کی خانقاہ پر ایک پُرسکون فضا چھائی رہتی اور وہ لوگ جو اندرونی طور پر دنیاوی خواہشات کے شعلوں سے مبتلائے اذیت ہوتے آپ کی خانقاہ میں ایک اور ہی دُنیا کی فرحت بخش بادِ نسیم سے محظوظ ہوتے۔ بابا صاحب ایک زندہ آفتابِ علم و ھدایت تھے جن کا قُرب نفع بخش اور رُوح پرور تھا۔ جو شخص بھی اُن سے ملتا اُس کے اندر وہ ایک نئی رُوح پھونک دیتے۔ آج جب ہم ان کا تصوّر کرتے ہیں تو امیر حسن سجزی کی فوائد الفواد، اور امیر خورد کی سیر الاولیاء کے باعث ہماری نظروں کے سامنے تاریخی اہمیت کے مناظر اور یادوں کی ایک پُوری دنیا جگمگا اٹھتی ہے۔

بابا فرید رحمۃ اللہ کا دَور برِصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا ایک اہم دَور ہے۔ بابا صاحب نے پنجاب میں غزنوی حکومت کا زوال، آریاورت میں غوری افواج کی آمد، شمالی ہند میں راجپوت اقتدار کا خاتمہ اور آخر کار ترکوں کے ہاتھوں برصغیر پاک و ہند کی تسخیر دیکھی پھر انھوں نے منگولوں کو برِصغیر پاک و ہند کے دروازوں پر دستک دیتے سُنا اور وہ دہشت و خوف بھی دیکھا جو منگولوں کے ہر حملہ کے وقت لوگوں پر چھا جاتا تھا اور جس کی

بدولت وسط ایشیا سے پناہ گزینوں کا ایک سیلاب ان کے پڑوس میں اُمڈ آیا تھا۔ ان کی زندگی میں دہلی کا شہر اپنے نئے تعمیر کردہ میناروں، مسجدوں اور تالابوں کے ساتھ اُفقِ شہرت پر اُبھرا۔ جب سلطان شہاب الدین غوری کو دمیاک کے مقام پر دھوکے سے قتل کیا گیا، اس وقت آپ کی عمر تیس سال سے زائد تھی اور جب بلبن تخت نشین ہوا تو آپ کی عمر نوّے سال سے اُوپر تھی۔ اس طرح آپ کی زندگی کی داستان قرونِ وسطیٰ کے برِّصغیر پاک و ہند کی رُوحانی تاریخ کا ایک اہم پہلو ایسے وقت میں پیش کرتی ہے جو کہ ہیجان خیز اور مضطرب سیاسی عمل کا ایک مہتم بالشان اور اہم دَور تھا جب سارا برِصغیر غوری افواج کے اسلحہ کی گھن گرج سے گُونج رہا تھا۔ بابا فرید اپنے پُورے قلبی سکون اور اِطمینان کے ساتھ پنجاب کے ایک دُور دراز شہر میں اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں بیٹھے نوعِ انسانی سے محبّت و شفقت کرنے کا درس دے رہے تھے۔ آج شہاب الدین غوری کی فتوحات قصّہ پارینہ بن چکی ہیں لیکن بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام آج بھی صدیوں پار سے سُنائی دے رہا ہے۔

اسلامی تصوّف بُنیادی طور پر پیغامِ محبّت کا دوسرا نام ہے۔ اس کا نصب العین معاشرہ کے متضاد اور مختلف عناصر میں ہم آہنگی پیدا کرنا ہے۔ اِس نصب العین کے پیشِ نظر بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ ایسی محبت و خیر خواہی کی فضا پیدا کرنے کے لئے دن رات کوشاں رہے جو نہ صرف ان کے زمانے میں بلکہ آج بھی انسانی معاشرہ کی بُنیادی ضرورت ہے۔ ان کا مطلوب و مقصود ایک ایسا صحت مند معاشرتی نظام تھا جس میں کسی قسم کا نزاع، تصادم، اِمتیاز، نفرت اور حسد کا نشان تک نہ ہو۔ ان کے نزدیک بنی نوعِ انسان کی آسودہ حالی، راحت اور مسرّت کا راز ایسی محبّت، اعتماد، رواداری اور ہمدردی میں پوشیدہ تھا جو اپنوں اور بیگانوں سب کے لئے یکساں ہو۔ جب ایک مہمان نے انہیں ایک قینچی تحفہ میں دی تو آپ نے فرمایا

"مجھے قینچی نہیں سُوئی چاہیے۔ میرا کام سینا ہے کاٹنا نہیں"

جیساکہ میں نے اپنی دوسری کتاب[1] میں وضاحت سے بیان کیا ہے، تصوف کا منتہی جو اس کے بہترین شارحین نے سمجھا ہے اور بیان کیا ہے، خدمتِ خلق کے سوا کچھ نہیں بابا فرید صاحب رحمۃ اللہ کی عمرِ دراز مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت میں گذری۔ وہ ہر شخص کی مشکلات ہمدردی سے سنتے اور اپنے ملاقاتیوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایسا غیر متزلزل ایمان، اخلاقی اقدار کے لئے ایسا احترام اور صحیح اندازِ فکر پیدا کر دیتے جو زندگی کے شدید ترین مصائب اور آزمائشوں میں ضبطِ نفس قائم رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہوتے۔ پروفیسر محمد حبیب نے شیخ نظام الدین اولیاء کے بارے میں جو تحریر کیا ہے وہ ہو بہو بابا صاحب پر صادق آتا ہے:

"وہ کوئی عام شعبدہ باز نہ تھے۔ انہوں نے کبھی ہوا میں پرواز یا خشک ساکن پاؤں سے پانی پر سیر نہیں کی۔ ان کی عظمت دراصل ایک محبت بھرے دل کی عظمت تھی۔ ان کے معجزات ایک انتہائی ہمدرد رُوح کے معجزات تھے۔ وہ ہر شخص کے چہرے پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالتے ہی اُس کے دل کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے خیالات و جذبات کو پڑھ لیتے اور چند ایسے میٹھے بول بولتے جس سے اس کے اذیت زدہ دل کو سکون حاصل ہو جاتا۔"[2]

اگر کسی وقت مہمانوں کا ہجوم لوگوں کو فرداً فرداً توجہ دینے میں مانع ہو جاتا تو آپ لوگوں کو پکار کر فرماتے:

---

[1] تذکرہ مشائخ چشت، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳ء

[2] حضرت امیر خسرو آف دہلی ص: ۳۴۔

"میرے پاس اکیلے اکیلے آؤ تاکہ میں ہر ایک کے مسائل اور دشواریوں کو توجہ سے سُن سکوں" !

لوگوں کے مصائب کی داستانوں پر ان کا دل دکھتا اور اُن کی روح پژمردہ ہو جاتی۔ وہ دوسروں کی مصیبت اپنے سر لے لیتے اور اُن کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہو جاتے۔ دکھ درد کے ماروں کے لئے ان کا مشفقانہ اور ہمدردانہ مشورہ مرہم کا کام دیتا۔ برنی نے بابا صاحب کا کتنا صحیح نقشہ کھینچا ہے جب وہ کہتا ہے :

"بابا صاحب نے اس خطّہ کے باسیوں کو اپنے دامنِ شفقت میں لے رکھا ہے"۔ [1]

[برّصغیر پاک و ہند میں اسلامی تصوّف کی دراز اور بوقلموں تاریخ میں کم ہی ایسے بزرگ گذرے ہیں جنہوں نے بابا فرید صاحب کی طرح اپنی ذات کو سنگین ترین روحانی نظم و ضبط کا خوگر بنایا ہو۔ ان کی زندگی کے ۹۳ سال ایک ایسی جدوجہد کی بیّن مثال ہیں جو محدود (انسان) لامحدود (اللہ تعالیٰ) میں فنا ہونے کے لئے ہر قسم کی قید و بند کو توڑنے کے لئے کرتا ہے حتّیٰ کہ اس کی زندگی انابت الی اللہ کا مکمّل نمونہ بن جاتی ہے۔ ان کی زندگی کی غرض و غایت کا خلاصہ مندرجہ ذیل شعر میں جو وہ اکثر گنگنایا کرتے تھے، نہایت خوبصورتی سے سمویا ہوا نظر آتا ہے ؎

مقصودِ من بندہ ز کونین توئی
از بہرِ تو میرم از برائے تو زیم

"دونوں جہانوں میں میرا مقصود صرف تیری ہی ذات ہے، میرا مرنا اور جینا صرف تیرے لئے ہے"۔)

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۱۱۲

خدمتِ خلق کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینے نے اُن کی روح پر وہ حقیقت آشکارا کی جسے کارلائل "خدائی مقصدیت[1]" قرار دیتا ہے۔ انہوں نے خدائی مقصد سے ہم آہنگ ہو کر اپنے آپ کو اعلیٰ ترین اور بہترین اقدار کا تابع کر لیا۔ بڑھاپے میں آپ فرمایا کرتے تھے:

"چالیس برس تک مسعود نے وہی کیا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا، اب جو مسعود چاہتا ہے کر دیا جاتا ہے۔"[2]

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ کا خُدا نہ کوئی دیومالائی فسانہ تھا اور نہ توحید کی منطقی تجرید بلکہ وہ ایک محیط کل ذات تھی جو اُن کے اخلاقی، فکری اور جمالیاتی تجربہ پر چھائی ہوئی تھی اور ایک مُصیبت زدہ اور پُرآز کشمکش دنیا میں اقدار کی مثالی حکمرانی، یعنی آسمانی بادشاہت قائم کرنے کی محرک تھی[3]۔ ان کی زندگی اسلامی زندگی کا بہترین نمونہ تھی[4]۔ انہیں اِس بات کا ہر وقت احساس رہتا کہ وہ حضورِ حق میں موجود ہیں[5]۔ جب وہ نماز ادا کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ وہ اپنے لامحدود اور لازوال خالق سے محوِ گفتگو ہیں[6]۔ ان کا یہ احساس کہ ان کے ہر طرف ذاتِ باری جلوہ گر ہے، ان کی زندگی کا نُورِ رواں تھا اور اُس نے ان کی زندگی کو مثالی

---

[1] آن ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ، آکسفورڈ پریس، ۱۹۱۲ء: ص: ۱۱۴۔

[2] خیر المجالس، ص: ۱۸۲۔

[3] سیر العارفین، ص: ۵۵۸، ۵۵۹۔ تاریخ مشائخ چشت، ص: ۴۶، ۵۴۔

[4] نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک، (احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو کم از کم وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے)۔ [5] فوائد الفواد، ص: ۲۰۳۔

[6] فوائد الفواد، ص: ۱۲۱۔

زندگی بنا دیا تھا۔ وہ اس فانی دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی فعالیت کو سمجھنے کے لئے کوشاں رہے۔ ذاتِ باری پر یہ عارفانہ اعتقاد انسانی زندگی کے لئے بدرجۂ غایت افادیت رکھتا ہے اور اس کی بنا پر وہ اس آفاقی معاشرہ کے فرد بن گئے جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ عقلِ کُل اور تمام انسان اس کے مظاہر ہوتے ہیں۔ اِس کے علاوہ اس اعتقاد نے ان کے ناتواں جسم کو فولادی قوت، وسعتِ نظر اور روحانی حرّیت سے مُزیّن کر دیا تھا۔

بابا فرید کی نماز کوئی میکانکی عمل یا بے جان رسمی کارروائی نہ تھی بلکہ یہ ایک ایسے دل کا بھرپور اور پختہ عمل تھا جو عالمگیر جذبہ سے چھلک رہا تھا۔ جب وُہ نماز ادا کرتے تو اپنے آپ کو اس اتھاہ قوت سے منسلک کر لیتے جو کائنات چلا رہی ہے۔ شیخ نجیبُ الدّین مُتوکّل نے ایک دن اپنے بھائی سے پُوچھا، لوگ کہتے ہیں کہ جب تم نماز پڑھتے ہو تو خدا کو یہ کہتے سُنتے ہو، "میرے بندے مَیں حاضر ہوں"۔ کیا یہ درُست ہے؟ اِس کے جواب میں ہاں کہنا ادّعائے فضیلت کے مترادف ہوتا چُنانچہ بابا صاحب بات کو ٹال گئے۔[1]

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا اِعتقاد تھا کہ اپنے اندر سوز و گداز کی باضابطہ تہذیب و تربیّت سے ذاتِ باری کی ہستی کا اِدراک کیا جا سکتا ہے۔ عقل کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ایک مجرّد تصوّر حاصل ہو سکتا ہے۔ اُنہوں نے سوز و گداز کے ذریعے اپنے اُس خالق کو پا لیا جو اُن کا معبُود تھا اور جو ایک زندہ حقیقت بن کر ان کے ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ ان کے نزدیک واصل باللہ ہونے کا طریق یہ تھا کہ اپنے اندر عالمگیر جذبہ کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ دوسروں سے محبّت اور اُن کی بھلائی کی فکر کی جائے۔ وہ ہر ملنے والے کو یہ دُعا دیتے: "خُدا تجھے سوز و درد عطا کرے۔"

---

[1] فوائد الفواد، ص: ۱۲۱

اور جیسا کہ شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے، "درد سے بابا صاحب کی شرا چشم پُرنم اور دل پُرسوز تھا[1]" بابا صاحب کے اپنے دل کی کیفیت معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ ظاہری طور پر وہ مستقل مزاج، مطمئن اور پُرسکون ہوتے تھے جس سے یہ اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ ان کے اندر کیا طوفان موجزن ہیں لیکن ایک روز جب ان کا ایک پیارا مرید محمد شاہ گھبرایا ہوا پریشان خاطر کانپتے کانپتے اُن کے پاس آیا تو اُن کو اپنی دلی کیفیات بتائے بغیر نہ بن سکی۔ بابا صاحب نے پوچھا "تم اتنے پژمردہ کیوں ہو؟"۔ شاہ محمد نے جواب دیا کہ میرا بھائی بیمار ہے، میرے آنے کے بعد شاید وہ مر گیا ہو۔ بابا صاحب نے فرمایا: "محمد شاہ، جیسی تمہاری حالت اس وقت ہے، میری تمام عمر ایسی ہی رہی ہے مگر میں نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا[2]"

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی عارفانہ شاعری کا مقصد اپنے اندر جذبات کے تناؤ کو دُور کرنا ان کے ردِ عمل کو تیز تر کرنا[3] اور اپنے دل کو خدائے لامحدود و غیر فانی کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہوتا تھا۔ بعض اوقات وہ خود شعر لَے سے پڑھتے اور اپنے مشتعل جذبات کو اور بھڑکاتے۔ ایک دن آپ نے مشہور صوفی شاعر نظامی کا مندرجہ ذیل شعر پڑھا ؎

نظامی آنچہ اسرار است کز خاطر عیاں کردی
کسے بسترش نمی داند زباں درکش زباں درکش

"اے نظامی راز کی بات جو تو نے دل سے ظاہر کی اسے کوئی نہیں جانتا اس لئے چپ رہ چپ رہ"

---

[1] فوائد الفواد، ص: ۱۳۲۔

[2] ،، ،، ص: ۱۳۲۔

[3] "سماع تحریک قلب است"۔ فوائد الفواد ص: ۲۴۶۔

اور اس سے انہیں اتنا جذباتی انبساط حاصل ہوا کہ وہ یہ شعر سارا دن گنگناتے رہے پھر رات کو بھی، حتیٰ کہ دوسرے دن صبح ہوگئی اور ہر دفعہ جب وہ یہ شعر پڑھتے تو اس کا جو اثر اُن کے جذبات پر پڑتا وہ اُن کے چہرے کے تیز اُتار چڑھاؤ میں صاف منعکس ہو جاتا۔[1] بعض اوقات وہ اپنے آپ کو اپنے چھوٹے سے حجرے میں بند کر لیتے اِدھر اُدھر ٹہلتے رہتے اور پھر سجدہ میں گر کر رقت انگیز انداز میں شعر پڑھتے۔[2] ایک روز کوئی شخص بھی شعر سننا کو موجود نہ تھا آپ نے مولانا بدرالدین اسحٰق کو فرمایا کہ میرا خطوں والا تھیلہ (خریطہ) لاؤ اور اس میں سے مولانا قاضی حمیدالدین ناگوری کا خط نکال کر پڑھو۔ مولانا بدرالدین اسی وقت کھڑے ہو گئے اور انہوں نے خط پڑھنا شروع کر دیا۔ مولانا بدرالدین نے ابھی ابتدائی سطور بمشکل ختم کی ہوں گی کہ بابا صاحب کے دل میں جذبات کا ایک طوفان اُمڈ آیا۔ قاضی صاحب کے خط سنے بابا صاحب پر صوفی عارفانہ کلام کا سا اثر کیا۔[3]

صوفیائے چشت کے نزدیک شغل[4] (یعنی سرکاری ملازمت) اقتدار اور مال و اسباب روحانی ترقی کے منافی ہوتے تھے۔ یہ سب چیزیں جذباتی انتشار پیدا کرکے انسانی خودی کو مجروح کرتی ہیں۔ بابا فرید رحمۃ اللہ سیاسیات سے ہمیشہ دُور رہے اور اپنے مریدوں کو بھی سرکاری ملازمت اور جاگیرداری سے بچنے کی تلقین کرتے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے ؎

گر وصالِ شاہ می داری طمع
از وصالِ خویشتن مہجور باش

---

[1] فوائد الفواد، ص : ۱۰۱۔

[2] ” ص : ۲۰۳

[3] ” ص : ۱۵۰

[4] قرونِ وسطیٰ کے لٹریچر میں شغل اکثر و بیشتر سرکاری ملازمت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے

"اگر تمہیں بادشاہ سے ملنے کی خواہش ہے تو معرفت کی اُمید ترک کر دو۔"

(سلسلۂ صوفیائے چشت میں بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بے مثال ہے۔ ایک طرف وہ ایک بہت بڑے بزرگ کے مُرید تھے اور دُوسری طرف وہ خود ایک بہت بڑے بزرگ کے مُرشد تھے۔ ایک طرف خواجہ قطبُ الدّین بختیار کاکی رحمۃُ اللہ سے اور دُوسری طرف خواجہ نظامُ الدین محبوبِ الٰہی سے تعلّق کی بنا پر بابا صاحب کو سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اگرچہ حضرت خواجہ مُعین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے برِّصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ چشتیہ کی داغ بیل ڈالی اور خواجہ قطبُ الدّین بختیار کاکی نے اسے دہلی اور اُس کے گرد و نواح میں مقبولِ عام بنایا تو یہ بابا صاحب کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ نے برِّصغیر پاک و ہند میں مضبُوط اور گہری جڑیں پکڑ لیں اور یہ سلسلہ ہر سُو پھیل گیا۔ بابا صاحب کے تقویٰ، خلوص اور رُوحانی فضیلت کی مقناطیسی کشش نے ہند و پاک کے دُور دراز گوشوں سے بلکہ دُوسرے ممالک سے بھی مُتلاشیانِ حق کو کھینچ لیا۔ اندریں حالات عصامی نے بابا صاحب کو بجا طور پر "شاہِ مُلکِ سلوک" کا خطاب دیا ہے۔[1]

گو قُرونِ وسطیٰ کے کسی ولی اللہ کی سوانحعمری لکھنا ایک دلکش و دلفریب کام ہے مگر اس میں بہت سی مشکلات آڑے آتی ہیں۔ سب سے بڑی مُشکل ضروری مواد کے بارے میں ہے۔ مرورِ ایّام کے ساتھ ساتھ ایک ولی اللہ کی حقیقی انسانی شخصیت فرضی اور افسانوی قصّے کہانیوں میں گم ہو جاتی ہے۔ یہ فرضی قصّے کہانیاں خود اُن لوگوں کی ذہنی حالت کی، جن میں وہ مشہُور ہوتی ہیں، عکّاس ہوں تو ہوں مگر خود ولی اللہ کو سمجھنے اور اس کے ارشادات کی تشریح و توضیح کے لئے بالکل بیکار ہوتی ہیں۔ لہٰذا ایک سوانح نگار کا سب سے پہلا اور انتہائی مُشکل فرض

---

[1] فتوح السلاطین، مطبوعہ مدراس، ص: ۸۔

اِس گرد و غبار کو صاف کرنا ہوتا ہے۔

بابا صاحب کی سوانح عمری کے لئے سب سے قدیم اور بہترین مواد ہمیں امیر حسن سجزی[1] کی کتاب "فوائد الفواد" جو کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، میں دیئے ہوئے مُنتشر حوالہ جات اور قصے کہانیوں سے ملتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء، بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مُخلص مُرید تھے اور اس حیثیت سے وہ بار بار اُن کا حوالہ دیتے ہیں۔ "فوائد الفواد" کے بعد حامد قلندر کی تصنیف "خیر المجالس" آتی ہے جو شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ کے ارشادات کا مجموعہ[2] ہے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی معلومات کا سرچشمہ ان کے اپنے مُرشد شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تھے جو اپنے مُریدوں کو سلسلہ چشتیہ کے اصول و قواعد سمجھانے کے لئے اکثر اپنے مُرشد یعنی بابا صاحب کے واقعات بیان کرتے رہتے تھے۔

---

[1] امیر حسن علاؤ الدین سجزی (وفات: ۷۳۶ھ / ۱۳۳۵ء) شیخ نظام الدین اولیاء کے ایک نامور مُرید تھے وہ امیر خسروؒ اور ضیاء الدینؒ برنی کے گہرے دوست تھے۔ وہ ایک لائق شاعر تھے۔ برنی لکھتے ہیں کہ انہیں سعدیِ پاک و ہند کہا جاتا۔ (تاریخ فیروز شاہی ص: ۳۶۰) امیر حسن کی سب سے مشہور تصنیف فوائد الفواد ہے۔ مخ المعانی کے نام سے آپ کا عشق پر ایک کتابچہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ لائبریری میں موجود ہے۔ ان کی سوانح حیات کے لئے دیکھیں: آپ کے دیوان کا مقدمہ؛ نفحات الانس؛ اخبار الاخیار۔

[2] شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ، شیخ نظام الدینؒ اولیاء کے نامور خلیفہ تھے۔ آپ کی وفات ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء میں ہوئی۔ آپ کا وطن مالوف اودھ تھا۔ اپنے مرشد کے حکم سے وہ دہلی میں قیام پذیر ہوگئے اور چشتی سلسلہ کے صوفیاءؒ اصول و قواعد کی تبلیغ و تشہیر میں مصروف ہوگئے۔ آپ ان چشتی اولیائے کبار میں سے تھے جنھوں نے محمد بن تغلق کی اولیاء کرام سے بزور سرکاری ملازمت کروانے کی پالیسی کی مخالفت کی تھی۔ آپکی سوانح حیات کے لئے پروفیسر محمد حبیب کے مقالہ "شیخ نصیر الدین چراغ دہلی ایز اے گریٹ ہسٹاریکل پرسنیلٹی" در رسالہ اسلامک کلچر جلد ۲۰، ۲ اپریل ۱۹۴۶ء پر دیکھیں۔

بابا صاحب رحمۃ اللہ کی زندگی کے بارے میں ایک اور معتبر اور اہم ذریعہ معلومات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ کے مرید سید محمد مبارک کرمانی المشہور امیر خورد کی تصنیف "سیر الاولیاء" ہے۔ یہ کتاب ۷۵۲ - ۷۹۰ھ / ۱۳۵۱-۱۳۸۱ء میں لکھی گئی۔ امیر خورد کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جس کے بابا صاحب سے قریبی روابط تھے۔ امیر خورد کے دادا سید محمد کرمانی جو کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور تقریباً اٹھارہ برس ان کے ساتھ رہے، بابا صاحب کے گھریلو معاملات کے منتظم تھے[1] امیر خورد کے والد سید نور الدین مبارک بھی بابا صاحب کے مرید تھے۔[2] امیر خورد نے جو کچھ اپنے بزرگوں اور مرشد سے سنا اسے اپنی کتاب میں قلمبند کیا۔

ان تین کتابوں کے علاوہ جو کہ ہماری زیادہ تر معلومات کا ماخذ ہیں کچھ ایسے تذکرے بھی ہیں جو بعد کی صدیوں میں تالیف کئے گئے۔ ان تذکروں میں مولانا حامد بن فضل اللہ[3] جو کہ جمالی کے

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۲۰۸ - ۲۱۰۔

[2] " ص : "

[3] مولانا حامد بن فضل اللہ جو کہ عام طور پر درویش جمالی کے نام سے مشہور ہیں سلسلہ سہروردیہ کے ایک صوفی تھے، آپ کی وفات ۹۴۲ھ / ۱۵۳۶ء میں ہوئی۔ آپ شیخ شہاب الدین علیہ الرحمہ کے خلیفہ تھے جن کی وفات ۹۰۱ھ / ۱۴۹۶ء میں ہوئی۔ آپ نے سلطان بہلول لودھی کے وقت سے لے کر ہمایوں کے عہد حکومت تک بڑی کامیاب زندگی بسر کی۔ آپ ہمایوں کے ساتھ گجرات کی مہم پر گئے جہاں ۹۴۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کو دہلی میں قطب مینار کے شمال مشرق میں تھوڑے سے فاصلہ پر دفن کیا گیا۔ شیخ گدائی جو بیرم خان کی قائمقامی کے دوران صدر الصدور تھے آپ کے فرزند تھے۔ آپ کی زندگی کے حالات اخبار الاخیار، ص : ۲۲۱ - ۲۲۶ منتخب التواریخ جلد سوم ص ۶۹ اور اورینٹل کالج میگزین میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

نام سے مشہور ہیں، کا تذکرہ "سیر العارفین" سب سے اہم ہے۔ مصنف نے دور دراز کے مسلم ممالک مثلاً حجاز، یمن، فلسطین، روم، شام، عراق، آذربائیجان، جیلان اور خراسان وغیرہ کی سیاحت کی تھی اور بعض اولیائے کرام کے متعلق جن کا اس نے اپنے تذکرہ میں ذکر کیا ہے خود آزادانہ تحقیقات کی تھی۔[1]

سترہویں صدی عیسوی میں لوگوں کے اندر قرونِ وسطیٰ کے صوفیائے کرام کے بارے میں بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی اور کچھ تذکرے تالیف کئے گئے۔ ان تذکروں میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی[2] کا تذکرہ "اخبار الاخیار"[3] یقیناً سب سے بہتر ہے۔ ایک ماہر محدث کی حیثیت سے شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ نے قرونِ وسطیٰ کے اولیاء کرام کا مطالعہ کرتے وقت اصولِ اسناد کو پیش نظر رکھا۔ انہوں نے محققانہ طور پر مواد کی چھان پھٹک کی اور قرونِ وسطیٰ کے صوفیائے کرام اور علماء حضرات کی نہایت صحیح تصویر کشی کی ہے۔

تذکرہ "گلزارِ ابرار" اگرچہ صحت کے لحاظ سے "اخبار الاخیار" کو نہیں پہنچتا تاہم برصغیر پاک و ہند کے مسلم اولیائے کرام کے بارے میں ایک گرانقدر تصنیف ہے

---

[1] سیر العارفین، ص: ۳۰۔

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ - ۱۰۵۲ھ / ۱۵۵۱ - ۱۶۴۲ء) مغلیہ دور کے ایک نامور عالم اور محدث تھے۔ دہلی میں آپ کا دار العلوم برصغیر پاک و ہند میں نصف صدی سے زیادہ عرصے تک سب سے بڑا مذہبی علوم کا مرکز رہا۔ برصغیر پاک و ہند کے شمالی حصہ میں علم حدیث کے مطالعہ کو آپ نے مقبولِ عام بنایا۔ آپ کی زندگی کے حالات کے لئے مصنف کی کتاب حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح دیکھیں۔

[3] اس کا فارسی میں مخطوطہ ابھی تک طبع نہیں ہوا۔ اس کا اردو ترجمہ ۱۳۲۶ھ میں آگرہ سے طبع ہوا۔

محمد غوثی شطاری (جو ۹۹۶ھ / ۱۵۵۴ء میں پیدا ہوئے) سید وجیہ الدین علوی[1] کے شاگرد تھے۔ ان کا تذکرہ جو ۱۰۱۴ - ۱۰۲۲ھ / ۱۶۰۵ - ۱۶۱۳ء کے دوران لکھا گیا، بابا فرید رحمۃ اللہ کی اولاد جو جنوبی ہند میں جاکر آباد ہو گئی، کے حالات کے بارے میں خاص طور پر پُراز معلومات ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل "تذکرے" بھی موجود ہیں:

۱ : اخبار الاصفیہ، مُصنّفہ عبدالصمد بن افضل محمد۔

۲ : مرآۃ الاسرار، مُصنّفہ مولانا عبدالرحمٰن چشتی[2]

۳ : مجمع الاولیا، مُصنّفہ میر علی اکبر حسینی اردستانی۔

۴ : سیر الاقطاب مُصنّفہ اللہ دیا چشتی۔

۵ : جواہرِ فریدی، مُصنّفہ علی اصغر چشتی۔

۶ : سفینۃ الاولیاء، مُصنّفہ داراشکوہ۔

۷ : معارج الولایت، مُصنّفہ غلام مُعین الدین۔

---

[1] سید وجیہ الدین علوی اپنے وقت کے نامور عالم تھے۔ آپ نے ۲۰ سال کی عمر میں مدرسہ شروع کیا اور اس دارالعلوم میں ۶۶ برس طلبار کو درس دیتے رہے۔ ملک کے مختلف حصوں سے طالب علم آپ کے ہاں زیرِ تعلیم تھے۔ جہانگیر نے اپنی توزک میں آپ کی بہت تعریف لکھی ہے ص ۲۱۱؛

[2] مولانا عبدالرحمٰن شیخ احمد عبدالحق رودولوی کے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت رودولوی کی وفات ۸۳۶ھ / ۱۴۳۴ء میں ہوئی اور مولانا عبدالرحمٰن ۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۲ء میں مقام رودولی سلسلۂ چشتیہ کی ایک مقامی شاخ کے سربراہ بنے۔ آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں سے مرآۃ المخلوقات، مرآۃ الحقائق، نفس رحمانی، اورادِ چشتیہ، مرآۃ مداری اور مرآۃ مسعودی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ سنسکرت کے بھی جیّد عالم تھے اور پہلی دو تصانیف کی بُنیاد ہندو دیومالائی قصے کہانیاں ہیں۔ آپ نے ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء میں وفات پائی۔

۸ : مطلوب الطالبین ، مصنفہ محمد بلاق چشتی
۹ : روضۃ الاقطاب ، ״
۱۰ : اقتباس الانوار ، مصنفہ محمد اکرم ۔
۱۱ : شجرۃ الانوار ، مصنفہ مولانا رحیم بخش فخری ۔

عبدالصمد ابوالفضل کا بھانجا تھا اس نے اپنا "تذکرہ " اخبار الاصفیہ" ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵-۱۶۰۶ء میں مکمل کیا ۔ یہ ابھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوا ۔ "تذکرہ " مراۃ الاسرار" ۱۰۶۵ھ / ۱۶۵۴ء میں مکمل ہوا ۔ اس میں برصغیر پاک و ہند کے نیز غیر ملکی صوفیائے کرام کی سوانح عمریاں مختصر طور پر دی گئی ہیں ۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اُن کے فرزندوں اور مریدوں کے بارے میں مولانا عبدالرحمن نے مفصل حالات لکھے ہیں لیکن بعض جگہ پوری تحقیق سے کام نہیں لیا ۔ یہ تذکرہ بھی ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ۔ "تذکرہ " مجمع الاولیا" جو کہ ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳-۱۶۳۴ء میں تالیف ہوا ، شاہجہان (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) کے نام منسوب کیا گیا ۔ یہ ابھی تک طبع نہیں ہوا ۔ مصنف کے اپنے قلمی مسودہ کی ایک کاپی انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے ۔

اللہ دیا[1] کا تذکرہ " سیر الاقطاب " ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء میں مکمل ہوا ۔ یہ لکھنؤ سے کئی بار چھپ چکا ہے ۔ "تذکرہ جواہر فریدی" جو کہ ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳ء میں مکمل ہوا ، بابا

---

[1] اللہ دیا چشتی شیخ جلال الدین پانی پتی کے اخلاف میں سے تھے اور شاہ اعلیٰ پانی پتی کے مرید تھے ۔ آپ کی رہائش کیرانہ میں تھی ۔ آپ کے دادا شیخ بنا عہد اکبری کے ایک مشہور و معروف سرجن تھے آپ کے چچا مقرب خاں جہانگیر کے دوست اور سرجن ، گجرات ، بہار اور آگرہ کے عہد جہانگیری میں حاکم تھے اور انہیں کیرانہ پر گنہ بطور جاگیر عطا ہوا تھا ۔ اللہ دیا اور اس کے دو بھائی شاہجہان کے ساتھ تھے جب اس نے کابل کی طرف کوچ کیا تھا ۔

صاحب اور اُن کی اولاد کے بارے میں بیشتر غیر محققانہ اور ناقابلِ اعتبار واقعات پر مشتمل ہے
علی اصغر لکھتا ہے کہ "اس کی تصنیف کا باعث بابا فرید گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد، جس کی
کثرت کے باعث آپ کو "آدمِ ثانی" کہا جاتا تھا، کے پیچیدہ شجرہ نسب کی وضاحت
کرنا ہے کیونکہ کئی مکار اپنا سلسلۂ نسب بابا صاحب سے جوڑ کر ان مراعات کے دعویدار
بن بیٹھے تھے جن کا ان کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا"[1] لیکن حقیقت یہ ہے کہ "جواہرِ فریدی"
نے پیچیدگی کو دُور کرنے کی بجائے معاملے کو اور اُلجھا دیا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۳۰۱ھ میں لاہور
سے طبع ہوا۔ اس کا اُردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ "تذکرہ "سفینۃُ الاولیاء" جو
۱۰۴۹ھ / ۱۶۴۰ء میں مکمل ہوا، مسلمان اولیاء کے بارے میں بہت مختصر حالات پر
مشتمل ہے۔ یہ تذکرہ ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء میں آگرہ سے طبع ہوا۔ اس کا عربی
ترجمہ جو گجرات کے شیخ جعفر صادق نے ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۳ء میں کیا، مخطوطہ کی صورت
میں موجود ہے۔ "تذکرہ "معارجُ الولایت" برِ صغیر پاک و ہند کے مسلمان صوفیاء کے
بارے میں ایک مفصّل دائرۃ المعارف ہے۔ اس کا ایک گرانقدر مخطوطہ راقم السّطور کے
پاس موجود ہے۔ یہ ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۲ء میں مکمل ہوا اور اس کے قریباً دو ہزار صفحات
ہیں، اس میں حالات تفصیل سے دیئے گئے ہیں اور کسی حد تک ان پر تنقید بھی کی گئی ہے
اس تذکرہ کی قدر و قیمت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ مصنّف نے جن اولیائے کرام اور
علمائے دین کا اس میں ذکر کیا ہے اُن کی تصانیف سے وسیع اقتباسات بھی ساتھ دیئے
ہیں۔ صرف بابا صاحب کے حالات ۲۰ اوراق پر مشتمل ہیں اور آپ کے مریدوں کے
۲۶ صفحات پر۔
"تذکرہ "مطلوبُ الطّالبین" اور تذکرہ "روضۃُ الاقطاب" محمد بلاق کی

---

[1] سٹوری کی "پرشین لٹریچر" ص: ۹۸۶

تصانیف ہیں جو اپنے آپ کو حضرت نظام الدین اولیاء کی ہمشیرہ کی اولاد میں سے بتلاتے ہیں؛ پہلا تذکرہ حضرت نظام الدین اولیاء اور اُن کے برگزیدہ بزرگوں اور اُن کے مریدوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ تذکرہ ۱۱۱۱ھ / ۱۶۹۹ء میں تالیف کیا گیا۔ یہ ابھی تک طبع نہیں ہوا۔ "روضۃ الاقطاب" زیادہ تر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے حالات پر مشتمل ہے لیکن اس میں دوسرے ممتاز چشتی اولیائے کرام کے مختصر حالات بھی دیئے گئے ہیں۔

محمد اکرم کا تذکرہ "اقتباس الانوار" ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء میں مکمل ہوا اور ۱۸۹۵ء میں لاہور میں طبع ہوا۔ "تذکرہ شجرۃ الانوار" اولیائے چشت کے مختصر حالات پر مشتمل ہے۔ اس کا مصنف شاہ فخر الدین (جنہوں نے ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء میں وفات پائی) کا مرید تھا۔ ان تذکروں کے بعد مزید تذکرے لکھے گئے جن میں مولانا غلام سرور لاہوری کا "خزینۃ الاصفیاء" حافظ محمد حسین مرادآبادی کا "انوار العارفین" اور مولانا نجم الدین کا "مناقب المحبوبین" شامل ہیں۔

یہ تذکرے اس وقت تالیف کئے گئے جب ان صوفیائے کرام کے بارے میں فرضی قصے کہانیاں بڑی تیزی سے پھیل رہی تھیں۔ چنانچہ میں نے ان بعد کے تذکروں میں دیئے گئے مواد کو بڑی احتیاط اور چھان پھٹک کے بعد استعمال کیا ہے۔ ان میں اغلاط کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے اور جہاں جہاں ان میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے اس کی بھی نشاندھی کر دی گئی ہے۔

قرونِ وسطیٰ میں یہ ایک قسم کی ادبی رسم بن گئی تھی کہ سیاسی تصانیف میں اولیائے کرام کے حالات مدوّن کئے جائیں تاہم منہاج السراج مصنفِ "طبقاتِ ناصری" جو کہ بابا فریدؒ کا ہمعصر تھا اپنی تصنیف میں اولیاء کرام کا قطعاً کوئی حوالہ نہیں دیتا۔ منہاج السراج کی اس کوتاہی کو محمد غوثیؒ نے ناپسند کیا ہے۔

ضیاء الدین برنی اگرچہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتا ہے مگر وہ بھی سرسری

سامنے ہے[۱]

ازاں بعد کی کتبِ تواریخ مثلاً محمد بہادر خاں کی "تاریخِ محمدی" جو ۸۴۲ھ/۱۴۳۸-۱۴۳۹ء میں تالیف کی گئی، آئینِ اکبری، فرشتہ، خلاصۃ التواریخ وغیرہ میں بابا صاحب کے بارے میں مختصر حالات دیئے گئے ہیں۔ بابا صاحب کے متعلق موجودہ کتاب کی تالیف میں ان سب کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مفصّل فہرستِ کتب، آخر میں بطور ضمیمہ دی گئی ہے۔

۱؎ تاریخ فیروز شاہی ص : ۱۱۲

باب : ۱

پیدائش، آبا و اجداد اور شجرۂ نسب

دنیائے عجم میں بارھویں صدی عیسوی جنگ و جدل اور شور و ہنگامہ کا دور تھا۔ طاقتور ترکی قبائل رہنے کے لئے جگہ کی تلاش میں جنوب کی طرف بڑھ کر اپنی سلطنتیں قائم کر رہے تھے۔ جونہی مشرق کی طرف سے مزید دباؤ پڑتا وہ جنوب کی طرف اور بڑھ جاتے ہر قبیلہ کی حرکت سے بڑی بڑی آبادیاں منتقل ہو جاتیں۔ اس طرح بیشمار حکمران خاندان تباہ ہو گئے اور کئی شاہزادے گھر بار چھوڑ کر محفوظ مقامات پر پناہ گزیں ہو گئے۔ ان مصیبت زدہ لوگوں میں قاضی شعیب[1] بھی تھے۔ غز قبائل کے حملہ[2] پر جو ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء میں ہوا، قاضی

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۵۹، سیر الاقطاب ص : ۱۹۳، مرآۃ الاسرار ص : ۵۴۲، معارج الولایت (مخطوطہ) جلد اول ص : ۴۹، جمالی (سیر العارفین ص : ۳۱) اور اس کے تتبع میں فرشتہ (ج : دوم ص : ۳۸۳) نے بیان کیا ہے کہ بابا فرید الدینؒ کے آباء و اجداد میں سب سے پہلے حضرت جمال الدین سلیمان برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔

[2] غز قبیلہ نے دسویں صدی میں مسلم علاقوں کی طرف ہجرت شروع کی۔ (ملاحظہ ہو : بارتھولڈ کا مضمون "دائرۃ المعارف اسلامیہ" ج : دوم ص : ۱۶۸، ۱۶۹)۔ غز قبیلہ نے ۵۴۸ھ / ۱۱۵۳ء میں سلطان سنجر کے خلاف بغاوت کی اور اسے قید کر کے خراسان اور دیگر صوبہ جات میں تباہی مچا دی، ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء میں انہوں نے غزنی پر حملہ کیا۔ منہاج رقمطراز ہے : "غز قبیلہ کے ایک گروہ نے جو سلطان سنجر کے زمانے میں خراسان میں حکومت و اقتدار پر قابض ہو چکا تھا، غزنی پر حملہ کیا۔ خسرو شاہ اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور برصغیر پاک و ہند میں پیچھے ہٹ گیا۔ غزنی اس سے چھن گیا

(باقی آئندہ صفحہ پر)

شعیب اپنے تین فرزندوں، پیروکاروں، فوج اور اہل و عیال کے ہمراہ کابل[1] سے لاہور منتقل ہو گئے[2]

قاضی شعیب کو لاہور کا زندہ دل ماحول راس نہ آیا اور وہ قصور[3] چلے گئے۔ مقامی قاضی صاحب[4] نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور سلطان کو اُن حالات سے آگاہ کیا جن میں یہ

۱۱۱-۱۱۲

(بقیہ گذشتہ صفحہ)۔ اور غز قبیلہ اس پر قابض ہو گیا اور بارہ سال تک قابض رہا۔ (ریورٹی، ص ن)
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابا فرید صاحبؒ کے آباؤ اجداد اس غز قبیلہ کی خسرو شاہ (وفات: ۵۵۹ھ / ۱۱۶۲ء) کے زمانہ میں یورش کے دباؤ کے تحت برصغیر پاک و ہند میں آئے۔ کیپٹن "وڈ" نے ان کی آمد کا زمانہ اس سے قبل بتایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شیخ فریدؒ کے آباؤ اجداد پہلے پہل غزنوی خاندان بہرام شاہ کے عہد میں ملتان آئے۔ (جنرل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال مارچ ۱۸۷۳ء ص: ۱۹۳)۔

ل مطلوب الطالبین کا کہنا ہے کہ آپ غزنی سے تشریف لائے۔ امیر خورد اتنا اضافہ کرتا ہے کہ قاضی شعیب صاحب کے والد کو چنگیز خاں نے قتل کیا تھا اور قاضی شعیب صاحب نے منگولوں کے دباؤ کی وجہ سے گھر بار چھوڑا۔ مگر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ قاضی شعیب ۱۱۷۵ء میں برصغیر پاک و ہند میں آئے۔ یعنی منگولوں کے ان علاقوں پر قبضہ سے چالیس سال پیشتر (سیر الاولیاء، ص: ۵۹، نیز مرآۃ الاسرار اور معارج الولایت ملاحظہ ہو)۔ سیر العارفین کے مصنف نے مندرجہ ذیل عجیب بات لکھی ہے:

"پدر بزرگوار او جمال الدین سلیمان از طرف کابل در عہد سلطان شہاب الدین غوری خواہر زادہ سلطان محمود غزنوی در طرف ملتان آمدہ بود۔"

(اُن کے والد بزرگوار جمال الدین سلیمان جو کہ سلطان محمود کی ہمشیرہ کے لڑکے تھے شہاب الدین غوری کے عہد میں کابل سے ملتان تشریف لائے)۔

سیر الاقطاب کا بیان ہے:

(باقی آئندہ صفحہ پر)

مشہور خاندان گھر بار کو خیر باد کہہ کر لاہور کی سلطنت غزنوی میں پناہ لینے پر مجبور ہوا، سلطان نے بڑی ہمدردی اور شائستگی سے دریافت کیا کہ وہ اس خاندان کی کیا خدمت کرسکتا ہے قاضی شعیب جو کافی دنیوی شان و شوکت کے مالک رہ چکے تھے، انے جواب دیا کہ انہیں کسی عہدے یا رتبہ کی ضرورت نہیں۔ عارفانہ فقرے سے آپ نے فرمایا:

("ہم اس چیز کے پیچھے نہیں دوڑنا چاہتے جو ہم سے چھن گئی ہے"۔[1]

اس کے باوجود سلطان[2] نے انہیں کھتوال کا قاضی مقرر کر دیا اور قاضی شعیب قصور چھوڑ کر کھتوال میں آباد ہو گئے[3])

(بقیہ گذشتہ صفحہ) "پدر بزرگوار آنحضرت خواہر زادہ سلطان محمود غزنوی است"۔

آنحضرت کے والد گرامی سلطان محمود غزنوی کی ہمشیرہ کے لڑکے تھے، ص: ۱۶۳

(نیز یہ بھی لکھا ہے)، "پدر در عہد شہاب الدین غوری از کابل بہ ملتان آمدہ"

ان کے والد شہاب الدین غوری کے عہد میں کابل سے ملتان تشریف لائے۔ ص: ۳۸۴، ج: دوم — [2] : قصور، لاہور سے ۳۴ میل دور ایک بہت پرانا شہر ہے۔ جنرل کنگھم کے مطابق یہ ان جگہوں میں سے ایک ہے جہاں سے ساتویں صدی عیسوی میں ہیون تسانگ کا گذر ہوا۔ (امپیریل گزیٹر، حصہ دوم، ص: ۲۹) — [3] : سیر الاولیاء کے مصنف کا کہنا ہے کہ انصاف، غیر جانبداری اور شرافت میں قصور کے قاضی صاحب اپنے عہد کے فخر القضاۃ تھے۔

---

[1] سیر الاولیاء، ص: ۵۹

[2] معارج الولایت کے مصنف کو مغالطہ ہوا ہے کہ: "پس خلیفہ دہلی قضا قصبہ کھتوال ..... تفویض نمود"۔ دراصل اس وقت تک دہلی فتح ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ تقرری لاہور کے غزنوی حکمران نے کی تھی۔

[3] ضلع ملتان میں کھتوال نامی ایک قصبہ مہاران اور اجودھن کے درمیان واقع تھا۔ آج کل یہ چھوٹا سا گاؤں ہے جسے چاولی مشائخ کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: جنرل آف کیپٹن سی ایم وڈ زرانج (باقی آئندہ صفحہ)

قاضی شعیب صاحب کے تین فرزندوں میں سے ایک کا نام جمال الدین سلیمان[1] تھا، جن کی شادی کہتوال میں شیخ وجیہہ الدین خوجندی[2] کے صاحبزادی قرسم بی بی سے ہوئی (بابا فرید الدین مسعود ۵۷۱ھ/۱۱۷۵ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے[3]) جمال الدین سلیمان کے ہاں تین فرزند تولّد ہوئے۔ پہلے فرزند عز الدین محمود[4] تھے دوسرے بابا فرید الدین مسعود اور تیسرے نجیب الدین محمد متوکل۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ) درجنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، مارچ ۱۹۳۶، ص: ۱۹۳۔ چاولی مشائخ دریائے ستلج کے کنارے ایک گاؤں ہے۔ مختلف تصنیفات میں کہتوال کے ہجے مختلف ہیں۔ سیر الاولیاء میں ص: ۵۹ پر کہتوال لکھا ہے اور ص: ۶۲ پر کہتوالا لکھا ہے۔ خیر المجالس ص: ۲۱۹ پر کوٹھی وال لکھا ہے۔ سیر العارفین کے طبع شدہ نسخے کے ص: ۳۲ پر کہودوال ہے۔ مخطوطہ کے ص: ۴۶ پر کوٹھی وال ہے۔ گلزار ابرار کے مخطوطہ میں کوتوال لکھا ہے۔ مرآۃ الاسرار کے ص: ۵۴۲ پر کھٹوالا ہے۔ سیر الاقطاب کے ص: ۱۶۳ پر خانیوال ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

[1] شیخ جمال الدین سلیمان کے بارے میں اس کے سوا نہیں معلوم کہ آپ کو اپنے والد کی وفات کے بعد کہتوال کا قاضی مقرر کر دیا گیا اور آپ کہتوال ہی میں دفن ہیں۔ سیر العارفین ص: ۳۲ و مخطوطہ معارج الولایت

[2] سیر العارفین ص: ۳۲، مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۵۴۲-۵۴۳، سیر الاقطاب ص: ۱۶۴ روضۃ الاقطاب ص: ۸۵۔ آپ کا کوئی معاصر یا بعد کا مصنف آپ کے متعلق کوئی معلومات مہیا نہیں کرتا۔

[3] آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ سیر الاولیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ آپ ۵۶۹ھ میں پیدا ہوئے اور یہ کہ آپ کی عمر ۹۵ سال ہوئی۔ (ص: ۹۱) فوائد الفواد سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ۹۳ سال زندہ رہے: (ص: ۵۳)۔ اگر فوائد الفواد کی بنا پر حساب لگایا جائے تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ھ بنتا ہے ۵۶۹ھ نہیں بنتا۔ جیسا کہ سیر الاولیاء کا بیان ہے۔ میں نے فوائد الفواد کو سیر الاولیاء کے بیان پر ترجیح دی ہے۔

[4] سیر العارفین مطبوعہ میں آپ کا نام عز الدین محمد تحریر ہے جو صحیح نہیں ہے۔

اسیر خورد کے مطابق قاضی شعیب صاحب کابل کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس نے فرخ شاہ کی زیر قیادت بڑا عروج حاصل کیا تھا۔ جب غزنوی سلطنت ابھری تو اس نے کابل فتح کر لیا اور فرخ شاہ کی اولاد عوام الناس کی سطح پر دھکیل دی گئی۔ "تاریخ اس فرخ شاہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی لہٰذا اس کا مقام اور حیثیت ایک افسانہ بن کر رہ گئے۔"[1]

(محمد غوثی نے بابا صاحب کا شجرۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملایا ہے)[2]

سیر الاقطاب میں بابا صاحب کا مندرجہ ذیل شجرۂ نسب دیا گیا ہے:

(۱ : شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ بن

۲ : شیخ جمال الدین سلیمان بن

۳ : شیخ شعیب بن

۴ : شیخ محمد احمد بن

۵ : شیخ یوسف بن

---

[1] سیر العارفین، ص : ۵۸ - ۵۹ ؛ کے مطابق بعد کے جملہ مصنفین نے فرخ شاہ کو کابل کا بادشاہ بیان کیا ہے جبکہ زبدۃ المقامات (نول کشور پریس ۱۳۰۷ھ) میں آپ کو ایک امیر اور کابل کے سلاطین کا وزیر بیان کیا ہے (ص : ۸۸)۔ شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ (متوفی ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) ، بھی اپنا شجرہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاتے ہیں۔ (زبدۃ المقامات، ص : ۸۸)۔

[2] گلزار ابرار (مخطوطہ) کافی عرصہ ہوا پیرسید رشید احمد رضوی مرحوم نے ایک کتابچہ بعنوان اعلانِ سیادتِ فریدی (مطبوعہ رضوی پریس امروہہ، ۱۳۳۲ھ) ، لکھا تھا جس میں بابا صاحب کو سید ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی مگر عام طور پر ان کے دلائل کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔

۷ : شیخ شہاب الدین المعروف فرخ شاہ کابلی بن
۸ : شیخ فخر الدین محمود بن
۸ : شیخ سلیمان بن
۹ : شیخ مسعود بن
۱۰ : شیخ عبداللہ واعظ الاصغر بن
۱۱ : شیخ ابوالفتح واعظ الاکبر بن
۱۲ : شیخ اسحٰق بن
۱۳ : شیخ ناصر بن
۱۴ : امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ[1]

جب شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھ کھولی تو اس وقت لاہور کی غزنوی سلطنت بڑی تیزی سے رو بہ زوال تھی۔ غزنوی خاندان کا آخری تاجدار خسرو ملک بار سلطنت اٹھانے کے بالکل نااہل تھا اور منہاج السراج کے مطابق سوائے لہو ولعب اور رنگ رلیوں کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے اہلکار اور گورنر ملک میں من مانی کرتے پھرتے تھے۔[2]

شہاب الدین نے جسے اس کے بھائی غیاث الدین نے ۵۶۹ ھ میں غزنی کا گورنر بنایا[3]

---

[1] سیر الاقطاب، ص : ۱۶۳، شجرات نسب جو بعد کے مصنفین نے دیئے ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں مثلاً جواہر فریدی، خزینۃ الاصفیا وغیرہ۔ تاہم بابا صاحب کے فاروقی ہونے کی روایت اتنی ثقہ ہے کہ کسی بحث و تمحیص کی گنجائش نہیں۔ راقم کے پاس اس بارے میں بڑے دلچسپ مباحث و فتوے موجود ہیں۔

[2] طبقات ناصری، ص : ۲۶۔

[3] ریورٹی، ص : ۴۴۹۔

تھا، آہستہ آہستہ سلطنتِ غزنی کے علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ اُس نے ۵۷۱ھ میں ملتان پر چڑھائی کی اور اسے قرامطہ سے چھین لیا[1]۔ چند سال بعد اُس نے لاہور پر حملہ کیا۔ سلطنتِ محمود کے دن پورے ہو چکے تھے اُس کا نظم و نسق مضمحل ہو چکا تھا۔ خسرو ملک نے سلطان غازی[2] کی خدمت میں اپنے ایک لڑکے اور ایک ہاتھی کو بغرض صلح بھیجا۔ شہاب الدین غوری نے ۵۸۱ھ / ۱۱۸۵ء میں سیالکوٹ پر قبضہ کر لیا اور ایک سال بعد اُس نے غزنویوں سے پنجاب چھین لیا۔ خسرو ملک کو قید کر کے گرجستان میں قلعہ بلروان میں بھیج دیا گیا جہاں اسے ۵۸۸ھ / ۱۱۹۲ء میں موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

اگرچہ غزنوی اقتدار کا سیاسی طور پر زوال ہو گیا اور اس کی جگہ طاقتور غوریوں نے لے لی تاہم پنجاب پر غزنوی تسلط نے پنجاب کی معاشرتی حالت کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔ نامور اولیائے کرام، شعراء، علمائے دین اور منتظمین اسلامی دنیا کے دور دراز گوشوں سے ہجرت کر کے لاہور میں آن بسے۔ شیخ حسین زنجانیؒ[3]، شیخ علی ہجویریؒ[4]، مسعود سعد سلمان، ابیرونی، ابوالفرج رونی اور سلطان سخی سرور وغیرہ نے پنجاب کی

---

1. ریورٹی، ص: ۴۴۹۔
2. ایضاً۔
3. فوائد الفواد، ص: ۳۵۔
4. شیخ علی ہجویریؒ جو عام طور پر داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں (وفات: ۱۰۷۲ء کے بعد ہوئی)، غزنی سے تشریف لائے اور لاہور میں قیام پذیر ہو گئے جہاں انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب کشف المحجوب تصنیف کی (اس کا فارسی متن گلزار ہند اسٹیم پریس لاہور نے چھاپا اور ۱۹۳۶ء میں آر۔ اے نکلسن نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا)۔

(باقی آئندہ صفحہ پر)

مذہبی اور تمدنی زندگی پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کئے اور اس طرح پنجاب وسطی ایشیا کے مسلم ممالک اور ہندوستان کی خوشحال راجپوت ریاستوں کے مابین درمیانی منزل قرار پا گیا۔ پنجاب سے مسلمانوں نے وادی گنگا میں داخل ہو کر اجمیر[۱]، بداؤں[۲]، قنوج[۳]، بہرائچ[۴] اور دوسرے مقامات پر اپنی چھوٹی چھوٹی بستیاں قائم کر لیں۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ) ۵ : مسعود سعد سلمان غزنوی دور کے ایک نامور شاعر تھے۔ امیر خسرو غرۃ الکمال کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ مسعود کے تین دیوان تھے، ایک عربی میں ایک فارسی میں اور ایک ہندی میں۔ ۶ ابوریحان البیرونی (۹۷۳ - ۱۰۴۸ء) سلطان محمود کے عہد میں برصغیر پاک و ہند میں آیا یہاں اُس نے یونانی علوم کی تعلیم دی اور اس کے عوض اس نے ہندو علوم و فنون سیکھے اور اس تعلیم و تعلم کے نتائج کو اُس نے اپنی عظیم تصنیف کتاب الہند میں درج کیا۔

۷ ابوالفرج رونی پچھلے غزنوی دور کا نامور شاعر تھا۔ وہ لاہور میں پیدا ہوا اور وہیں اس نے تعلیم پائی (رون ضلع لاہور میں ایک گاؤں تھا)۔ اُس کے دیوان کی بہت سی نظموں کا خطاب سلطان ابراہیم غزنوی (۱۰۵۹ - ۱۰۹۹ء) اور مسعود بن ابراہیم کی طرف ہے۔ ۸ سلطان سخی سرورؒ لاہور کے ایک مشہور بزرگ تھے، ہندو آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ آپ کے نام پر پنجاب کے ایک ہندو قبیلے کا نام سلطانی پڑ گیا ہے۔

---

۱ دہلی کی فتح سے قبل خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر میں قیام پذیر ہو گئے۔ سیر الاولیاء ص ۴۶

۲ مولانا رضی الدین حسن صنعانی جو کہ مشارق الانوار کے مصنف ہیں، بداؤں میں (فوائد الفواد ص : ۱۰۳) ۱۱۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ یعنی بابا فرید رحمۃ اللہ کی پیدائش سے چھ سال بعد اور ترائن کی لڑائی سے دس سال قبل۔

۳ آر۔ ایس ترپاٹھی کی تاریخ قنوج ملاحظہ ہو۔

۴ سید سالار مسعود غازیؒ کا مقبرہ غزنوی عہد کا ہے۔ (برنی، ص : ۴۹۱) (باقی آئندہ صفحہ)

باب ۲:

بچپن اور ابتدائی تعلیم

حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے اُستاد جنہوں نے آپ کی زندگی پر لازوال نقوش چھوڑ دیے، خود آپ کی والدہ ماجدہ قرسم بی بی تھیں۔ یہ اُن کی والدہ ہی تھیں جنہوں نے بابا صاحب کے دل میں محبت الٰہی کی وہ چنگاری سُلگائی جو زندگی بھر اُن کے خیالات و اعمال کے لئے چراغِ راہ بنی رہی۔ اِس ضمن میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے خوب فرمایا ہے کہ والدین کا تقویٰ بچے کی ذات پر گہرے نقوش چھوڑ جاتا ہے۔[1]

قرسم بی بی ایک نہایت عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔[2] وہ رات رات بھر عبادت میں مصروف رہتیں۔ کتبِ تصوف میں اُن کے تقویٰ و ریاضت کی بیشتر داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ ایک رات اُن کے گھر میں چور گھس آیا لیکن جب اُس کی نگاہیں بی بی صاحبہ کے نورانی اور مقدس چہرہ پر پڑیں تو ندامت سے اُس کا سر جھک گیا اور اس کے بعد سے اُس نے دیانتدارا

(بقیہ گزشتہ صفحہ) اور یہ بات کہ اُن کا مقبرہ غزنوی حملوں اور برصغیر پاک و ہند کے شمالی حصّہ پر غوریوں کے قبضہ کی درمیانی صدیوں میں محفوظ رہا، اِس بات کی شہادت ہے کہ مسلمانوں کی ایک ایسی آبادی موجود تھی جس نے سالار کی شہادت کے واقعہ کو ذہنوں میں زندہ رکھا اور پھر اخلاف کو دے گئی۔

[1] فوائد الفواد، ص: ۱۲۱۔

[2] اخبار الاخیار، ص: ۲۸۷-۲۸۸۔ سیر الاقطاب ص: ۱۶۳-۱۶۴۔ مخطوطہ معارج الولایت۔

زندگی بسر کرنے کا عہد کر لیا۔[1] ایسی متقی اور پارسا خاتون کے زیر اثر بابا صاحب کے اندر بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ سے پُرجوش عقیدت پیدا ہو گئی۔ ابھی آپ کی نو عمری کا عالم تھا کہ آپ کی رُوحانیت کا شہرہ کھتوال میں پھیل گیا۔

ناموَر صوفی شیخ جلال الدین تبریزیؒ[2] دہلی جاتے ہوئے جب کھتوال سے گذرے تو دریافت فرمایا کہ آیا اس شہر میں کوئی صوفی بھی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ایسا تو کوئی نہیں البتہ قاضی صاحب کا دیوانہ لڑکا فرید الدین جسے "قاضی بچہ دیوانہ" کہتے ہیں، ہر وقت شہر کی مسجد کے پیچھے عبادت ریاضت میں مصروف رہتا ہے۔ شیخ جلال الدین ملنے دیکھنے گئے۔ راستہ میں کسی نے آپ کو ایک انار پیش کیا۔ شیخ جلال یہ انار بطور تحفہ بابا فرید کے پاس لے گئے اور اسے چیر کر آپ کو پیش کیا۔ بابا صاحب روزے سے تھے اس لئے انار نہ کھایا

---

[1] جمالی کے وقت میں اس چور کی قبر موجود تھی جو بعد میں ایک پارسا انسان بن گیا اور لوگ اس کی قبر سے فیض حاصل کرنے آتے تھے۔ سیر العارفین، ص: ۳۲، سیر الاقطاب، ص: ۱۶۴

[2] شیخ جلال الدین تبریزیؒ شیخ ابو سعید تبریزیؒ کے مشہور و معروف مرید تھے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مصاحبت اختیار کر لی اور ان کی طویل اور کٹھن سیاحت میں ان کے پاس رہے۔ آپ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے بہت گہرے دوست تھے۔ آپ جب دہلی پہنچے تو التمش نے آپ کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور آپ کی بہت تکریم کی۔ دہلی کے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ آپ کے اثر و رسوخ کو دیکھ کر جلنے لگے اور انہوں نے آپ کو سلطان کی نظروں میں گرانے کے لئے آپ پر زنا کا الزام لگایا۔ یہ الزام کلی طور پر بے بنیاد ثابت ہوا مگر شیخ جلال الدینؒ متنفر ہو کر بنگال چلے گئے۔ انہوں نے کہا "جب میں اس شہر (دہلی) میں آیا تھا تو میں خالص سونا تھا مگر اب میں صرف چاندی ہوں۔" (فوائد الفواد، ص: ۱۱۲)۔ سیر العارفین، ص: ۱۶۴ - ۱۷۱۔ اخبار الاخیار، ص: ۴۲ - ۴۴۔ جوامع الکلم، ص: ۲۵ - ۲۶، گلزار ابرار، معارج الولایت اور تشیکا شو بھودایہ (سنسکرت)

جب شیخ جلال الدین چلے گئے تو بابا صاحب نے انار کا ایک دانہ زمین پر گرا پڑا پایا۔ بابا صاحب نے اسے اٹھا کر رومال میں باندھ لیا اور شام کو اسی سے روزہ افطار کیا۔ اس ایک دانہ کے کھانے سے بابا فرید صاحبؒ کا باطن تجلیات روحانی سے منور ہو گیا۔ اب بابا صاحب کو افسوس ہوا کہ انہوں نے سارا انار کیوں نہ لے لیا جو انہیں مزید روحانی برکات سے مستفید کرتا بعد ازاں جب بابا صاحب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ملے اور ان سے سارا انار نہ لینے پر افسوس کا اظہار کیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا:

"فرید! جملہ روحانی برکات صرف اس ایک دانہ میں تھیں جو آپکے مقدر میں تھا سو آپ نے کھا لیا باقی انار میں کوئی برکت نہ تھی۔"[1]

جس وقت نوعمر فرید شیخ جلال الدین تبریزیؒ سے محوِ گفتگو تھے تو ان کی شلوار پھٹی ہوئی تھی اور وہ شلوار کبھی کبھی اس رانی کو ڈھانپنے کبھی دوسری کو۔ شیخ جلال الدینؒ نے ان کی یہ بے چینی دیکھ کر فرمایا کہ تمہارا پیر ایک درویش مصروفِ تعلیم تھا۔ سات سال تک اسے شلوار نصیب ہوئی صرف ایک لنگوٹا میسر آیا جسے وہ پہنتا تھا لہٰذا آپ پریشان نہ ہوں دیکھئے قدرت کیا رنگ دکھاتی ہے۔[2]

اگرچہ بابا فرید رحمۃ اللہ نے ابھی تک کھتوال سے باہر قدم نہ رکھا تھا تاہم ان کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا یہاں تک کہ ملتان میں سلسلہ سہروردیہ کے نامور بزرگ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے بھی آپ سے اس وقت ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔[3]

---

[1] خیر المجالس، ص: ۲۴، ۲۹، سیر الاولیاء، ص: ۹۲-۹۳۔ جوامع الکلم، ص: ۳۱۶: خواجہ صاحب کے اس فرمان کی وجہ سے چشتیوں میں یہ روایت چل نکلی کہ انار سالم کا سالم کھاتے تاکہ کہیں متبرک دانہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

[2] سیر الاولیاء، ص: ۹۲-۹۳۔

[3] سیر الاولیاء، ص: ۹۰۔ کچھ تذکروں میں بیان کیا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی باہم آپس میں ہنسی تھی لیکن معاصر ماخذوں میں یہ بات موجود نہیں۔

ورودِ ملتان :

(کھتوال میں ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد بابا فرید صاحبؒ ملتان چلے گئے[1] اس وقت آپ کی عمر ۱۸ برس تھی۔ سر راستے حلوائی کے نزدیک مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں جو مدرسہ قائم تھا اس میں آپ نے داخلہ لے لیا یہاں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ چوبیس گھنٹوں میں آپ ایک قرآن ختم کر لیتے[2])

ایک روز بابا فریدؒ اسلامی فقہ کی کتاب "نافع" کا مطالعہ کر رہے تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی اوشں سے تشریف لا کر اسی مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ بابا فرید صاحبؒ کی چشمِ باطن نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ میں روحانی مرشد بننے کی بے پناہ صلاحیت کو دیکھ لیا۔ خواجہ قطب الدینؒ مسجد میں آنے کے بعد نماز میں مشغول ہو گئے اور بابا فریدؒ اُن کے پاس ہی کتاب ہاتھ میں لئے اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ کب خواجہ صاحب نماز سے فارغ ہوتے ہیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد خواجہ صاحب بابا صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور شفقت سے پوچھا "مولانا یہ کونسی کتاب ہے؟"۔ بابا صاحب نے جواب دیا یہ "نافع" ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا "خدا کرے تمہیں اس سے نفع حاصل ہو"۔ بابا صاحب نے عرض کی کہ حضور میرے لئے نفع تو آپ کے لطف و کرم میں ہے اور ساتھ ہی اپنا سر خواجہ صاحب کے

---

[1] سیر الاولیاء، ص: ۹۰، اُس وقت ملتان اسلامی علوم و فنون کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔ امیر خورد لکھتے ہیں "اُن دنوں ملتان قبۃ الاسلام تھا اور وہاں بڑے بڑے جید عالم موجود تھے"۔ بعد ازاں قباچہ کی بے پناہ فیاضی کے لئے اس عہد کے ادبی مرکزوں میں ایک نمایاں مقام تک اٹھا لے گئی۔

[2] خیر المجالس، ص: ۲۲۰، سیر الاولیاء، ص: ۶۰، ۶۱۔ سیر العارفین، ص: ۳۶۔ گلزار ابرار (مخطوطہ)، سیر الاقطاب، روضۃ الاقطاب، ص: ۵۸۔

قدموں میں رکھ کر حسبِ ذیل شعر پڑھے[1] ؂

مقبولِ تو جز مقبلِ جاوید نہ شد
وز لطفِ تو ہیچ بندہ نومید نہ شد
عونت بکدام ذرّہ پیوست دمی
کاں ذرّہ بہ از ہزار خورشید نہ شد

"جس کو آپ پسند فرمائیں وہ ہمیشہ کے لیے پسند کر لیا جاتا ہے اور آپ کے لطف و کرم سے کبھی کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ آپ کی لمحہ بھر کے لئے ایک ذرّہ پر نظرِ کرم اسے رشکِ صد ہزار آفتاب بنا دیتی ہے۔"

خواجہ قطب الدینؒ مسجد میں قیام پذیر تھے جب شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ[2] پہنچے۔ شیخ بہاؤ الدینؒ (جو سہروردی سلسلہ کے شیخِ طریقت تھے) نے خواجہ قطب الدینؒ (جو سلسلہ چشتیہ کے شیخِ طریقت تھے) کے ملتان کے قیام کو اپنی روحانی ولایت میں دخل در معقولات سمجھ کر ناپسند کیا۔ کسی بزرگ کو شائستہ طور پر سمجھانے کے لئے کہ وہ اِس ولایت سے چلا جائے، یہ طریق کار ہوتا تھا کہ اُس کی جوتوں کو اُس سمت میں سیدھا کر دیا جاتا جس طرف اس کا جانا مطلوب ہوتا۔ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے ایسا ہی کیا۔ خواجہ قطب الدینؒ اشارہ سمجھتے ہی دہلی روانہ ہو گئے۔ بابا فریدؒ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ دہلی پہنچ کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے بابا فرید کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا[3]۔ بیعت کے وقت بقول امیر خورد بڑے

---

[1] خیر المجالس ص: ۲۲۰۔

[2] سیر الاولیاء ص: ۹۱، مولانا جمالی جو کہ خود سہروردی ہیں بیان کرتے ہیں کہ قباچہ نے خواجہ بختیار کاکیؒ سے درخواست کی تھی کہ وہ مستقل طور پر ملتان قیام فرمائیں مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار فرمایا "یہ علاقہ شیخ بہاؤ الدین الدین زکریاؒ کی تولیت میں دے دیا گیا ہے اور یہ ہمیشہ انہی کی تولیت میں رہے گا۔" سیر العارفین ص: ۲۰۔ [3] سیر الاولیاء ص: ۶۲، (باقی آئندہ صفحہ پر)

نامور مشائخ مثلاً قاضی حمید الدین ناگوریؒ[1]، مولانا علاؤ الدین کرمانی، سید نور الدین مبارک غزنویؒ[2]
شیخ نظام الدین ابو المؤیدؒ[3] مولانا شمس الدین ترکؒ، اور خواجہ محمودؒ[4] موئینہ دوز موجود تھے۔[5]
سیر العارفین کی روایت کے مطابق بابا فرید صاحبؒ ملتان میں ٹھہرے رہے اور اپنے
مرشد کے حسب الحکم وہیں اپنی تعلیم کی تکمیل کی جمالی مزید بتاتا ہے کہ بابا صاحب اعلیٰ تعلیم کے
لئے قندھار بھی گئے جہاں انہوں نے پانچ سال قیام کیا۔[6]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) سیر العارفین کے مصنف کا کہنا ہے کہ بابا صاحب ملتان میں بیعت ہوئے اور اپنے مرشد کے ساتھ
صرف تین منزل تک گئے اس کے بعد خواجہ صاحب نے آپ کو واپس ملتان جانے کو کہا اور فرمایا "بابا فرید! علوم ظاہری میں
مشغول رہو اور ساتھ ساتھ تجرید و تفرید بھی جاری رکھو اس کے بعد دہلی آجانا۔" ص: ۳۶، جمالی مزید کہتا ہے کہ اس وقت
بابا صاحب کی عمر ۱۸ برس کی تھی۔

[1] قاضی حمید الدین ناگوریؒ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے جو کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے بڑے
گہرے دوست اور ساتھی تھے۔ ان کے علم و فضل نے ان کو معاصرین کی نگاہوں میں عزو شرف کا مقام عطا کیا تھا۔
آپ کثیر التصانیف تھے مگر آپ کی بہت کم تصانیف دست برد زمانہ سے بچ سکیں۔ آپ سماع کے بہت شوقین
تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ہی نے سماع کو دہلی میں مقبول عام بنایا۔ آپ کی سوانح حیات کے لئے دیکھیں:
اخبار الاخیار ص: ۳۶-۴۲، فتوح السلاطین۔ ص: ۱۱۴۔

[2] سید نور الدین مبارک غزنویؒ سلسلہ سہروردیہ کے ایک نامور بزرگ تھے۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ
کے مرید تھے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ نے التمش کے ساتھ
ذاتی مراسم قائم کر لئے اور اس نے آپ کو شیخ الاسلام بنا دیا۔ دہلی کے لوگ آپ کو میر دہلی کہا کرتے تھے۔ آپکی
سوانح حیات کے لئے دیکھیں تاریخ فیروز شاہی از برنی، ص: ۴۱-۴۴، اخبار الاخیار، ص ۲۸-۲۹۔
گلزار ابرار (مخطوطہ)۔

[3] شیخ نظام الدین ابو المؤیدؒ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ایک نامور معاصر تھے۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

باب : ۳

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ[1] (متوفی : ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) جن کے دستِ حق پرست پر بابا فرید صاحبؒ نے بیعت کی تھی، اپنے زمانہ کے نامور اور ممتاز صوفیاء میں سے تھے وہ قصبہ اوش[2] کے رہنے والے تھے۔ یہ قصبہ منصور حلاجؒ کے عقیدتمندوں کا

(بقیہ گذشتہ صفحہ) آپ کے وعظ بڑے پُرتاثیر اور دلچسپ ہوتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اپنے بچپن میں انہیں دیکھا تھا۔ شیخ جمالؒ جو کہ موضع کول (علیگڑھ) میں مدفون ہیں آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ اخبار الاخیار ص ۵۱، ۲۵ بھی ملاحظہ ہو۔ [4] : خواجہ محمودؒ موئینہ دوزؒ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے مرید تھے۔ آپ اپنا اکثر وقت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خانقاہ میں گذارتے۔ مزید دیکھیں : اخبار الاخیار ص ۴۹ [5] : سیر الاولیاء، ص : ۶۱۔ [6] : سیر الاقطاب (ص : ۱۶۴) نے سیر العارفین کے مطابق لکھا ہے۔ اندریا کہتا ہے کہ بابا صاحبؒ ملتان میں پانچ سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے اس کے بعد خواجہ بختیار کاکیؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے لئے دہلی گئے۔ [7] : سیر العارفین ص : ۳۶، محمد غوثیؒ کے مطابق بابا صاحب سیستان بھی گئے۔ (گلزار ابرار مخطوطہ)۔

---

[1] آپ کی سوانح حیات کے لئے دیکھیں : سیر الاولیاء ص : ۴۸-۵۷، سیر العارفین ص : ۱۶-۲۱۔ اخبار الاخیار ص : ۲۴-۲۶۔ گلزار ابرار (مخطوطہ) مراۃ الاسرار (مخطوطہ)، سیر الاقطاب ص : ۱۴۲-۱۶۱۔

[2] اوش فرغانہ کا ایک قصبہ ہے جو کہ اندیجان کے جنوب مشرق میں ہے۔ بابر نے تزکِ بابری میں اس کی بہت تعریف کی ہے۔ پروفیسر لوئی ماسینیون نے مجھے ایک خط لکھا کہ اُس نے سید یوسف کے روسی ترجمے ایک عبارت منصور کی مدح میں جرمن زبان میں رسالہ اسلامک ریویو میں چھاپی ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اوش منصوری صوفیا کا مرکز تھا۔

گڑھ[1] تھا جو نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے[2] خواجہ صاحب کی ابتدائی تربیت آپ کی والدہ نے کی تھی ازاں بعد آپ نے مولانا حفص[3] سے کلام مجید پڑھا کر
ادش میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بغداد چلے گئے جو اس وقت اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ یہاں نامور مشائخ مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانی[4] رضی اللہ عنہ

---

[1] صوفیاء کا ایک سلسلہ جس کا نام مشہور ایرانی صوفی ابوالمغیث حسین بن منصور حلاج (۲۴۴ - ۳۰۹ھ / ۸۵۸-۹۲۲ء)، کے نام پر رکھا گیا تھا۔ حلاجیوں کے عقائد مختصراً یوں بیان کئے جاتے ہیں:

ا : فقہ میں پانچوں فرائض کی جگہ دوسرے کاموں سے کام لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ حج کی جگہ بھی (استعطاعہ الوسائط)

ب : کلام میں اللہ تعالیٰ کی طول و عرض سے تنزیہہ۔ ایک غیر مخلوق روح خداوندی کا وجود (روح ناطقہ) جو انسان کی روح مخلوق کے ساتھ مل جاتی ہے۔ (حلول لاہوت فی الناسوت)۔ اس طرح درویش اللہ تعالیٰ کی جیتی جاگتی ذاتی شہادت بن جاتا ہے اور اسی بنا پر وہ انا الحق کا نعرہ لگاتا ہے۔

ج : تصوف میں ارادۂ خداوندی کے ساتھ مصائب کی خواہش کرنے اور ان کو برداشت کرنے کے ذریعے سے مکمل اتحاد۔

[2] وحدۃ الوجود کے عقیدے سے مراد یہ ہے کہ خالق و مخلوق دو جدا گانہ وجود نہیں بلکہ ایک ہی وجود ہے موجود ایک ہی ہے۔ یہ جلد ہی ایک وحدت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ ہر ایک چیز سے مشابہ ہے اور بالآخر یہ وجودیت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ یعنی یہ خدا ہے اور خدا سب کچھ ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ (متوفی ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء) اس فلسفہ کے زبردست حامی تھے اور مجدد الف ثانیؒ (متوفی ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) اس کے زبردست مخالف۔ تفصیل ملاحظہ ہو ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب "مجدد کا نظریہ توحید"۔

[3] خیر المجالس، ص: ۱۰۸۔

[4] شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۱۰۷۷ء - ۱۱۶۶ء) صوفی سلسلہ قادریہ کے بانی تھے۔ آپ ایک جید عالم تھے وہ گہرے وجدان اور بے خطا بصیرت کے مالک تھے۔ آپ کا وعظ سامعین کو مسحور کر دیتا۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ[۱] علیہ الرحمہ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ[۲] علیہ الرحمہ، شیخ اوحدالدین کرمانیؒ[۳] رحمہ اللہ اور قاضی حمیدالدینؒ[۴] رحمہ اللہ سامعین کے عظیم جلسوں سے خطاب کرتے تھے جس کا مسلمانوں کے افکار و اعمال پر نمایاں اثر مرتب ہوتا تھا۔ بغداد میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی ملاقات خواجہ معین الدین چشتیؒ سے مسجد امام ابواللیث سمرقندی میں ہوئی اور وہ ان کی روحانی عظمت سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔[۵] جب خواجہ معین الدینؒ ہندوستان تشریف

(بقیہ گذشتہ صفحہ) ان مواعظ میں آپ "ایک پُرجوش، مخلص اور فصیح واعظ" نظر آتے ہیں (مارگولیتھ) آپ کے مواعظ کے مندرجہ ذیل مجموعے بہت مشہور ہیں: فتوح الغیب (قاہرہ ۱۳۰۴ھ) الفتح الربانی (۱۳۰۲ھ) آپ کی زندگی کے حالات شطنوفی کی بہجۃ الاسرار (قاہرہ ۱۳۰۴ھ) میں دیکھے جاسکتے ہیں نیز ذہبی کی تاریخ اسلام میں (جو ۱۹۰۰ء میں جے۔ اے۔ آر۔ ایس میں چھپی) ص: ۲۹۷۔

۱ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (۱۱۴۵-۱۲۳۴ء)، سہروردی سلسلہ کے ایک مشہور و معروف بزرگ تھے۔ آپ کی سب سے مشہور تصانیف عوارف المعارف اور کشف النصائح الایمانیہ و کشف الفضائح الیونانیہ ہیں۔ نفحات الانس، ص: ۳۰۷-۳۰۸۔ ملاحظہ ہو۔

۲ خواجہ معین الدین چشتیؒ برصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بانی ہیں۔ آپ کی زندگی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو، سیرالاولیاء ص: ۴۵-۴۸، سیرالعارفین ص: ۴ آخر تک، اخبارالاخیار ص: ۲۲-۲۴۔

۳ شیخ اوحدالدین حامد الکرمانیؒ شیخ قطب الدین ابہریؒ کے مشہور مرید تھے آپ صوفی اعظم شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بھی رہے تھے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے آپ کا حوالہ اپنی مشہور تصنیف فتوحاتِ مکیہ میں دیا ہے۔ آپ کی زندگی کے حالات کے لئے دیکھیں: نفحات الانس ص: ۳۸۵، ۳۸۷۔

۴ سابقہ باب میں ان پر نوٹ دیکھیں

۵ سیرالاولیاء ص: ۴۸

لائے تو ایک دوسرے راستے سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی ہندوستان پہنچ گئے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی دہلی میں آمد کے ساتھ ہی برّصغیر پاک و ہند کے عظیم مرکز دہلی کی تاریخ کا ایک اہم دور شروع ہوتا ہے۔ ان ہی دنوں ہر طرف سے نامور اولیاء، مشائخ اور علماء آ کر سلطان التمش کی روشن خیال اور فیّاض سرپرستی میں دہلی میں پناہ گزیں ہوئے۔ [1]
جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ملتان سے دہلی پہنچے تو سلطان التمش نے آپ کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور اپنے محل کے قریب ٹھہرنے کی درخواست پیش کی۔ خواجہ صاحب نے معذوری ظاہر کی چنانچہ سلطان التمش خود ہفتہ میں دو دفعہ شہر سے باہر خواجہ صاحب کی خانقاہ پر حاضری دیتا [2] ایک دفعہ خواجہ صاحب نے سلطان التمش کو یوں نصیحت فرمائی :

> ”اے سلطانِ دہلی ! تمہارا یہ فرض ہے کہ سب غرباء، فقراء، درویشوں اور بے سہارا لوگوں سے نیک سلوک کرو۔ سب لوگوں سے مہر و مروّت سے پیش آؤ اور ان کی بھلائی کی کوشش کرو۔ جو سلطان اس طرح اپنی رعایا کی خبر گیری کرتا ہے خدا خود اس کا محافظ و ناصر ہوتا ہے اور اس کے تمام دشمن اس کے دوست بن جاتے ہیں۔“ [3]

سلطان التمش نے خواجہ صاحب کو شیخ الاسلام کا عہدہ پیش کیا مگر آپ نے معذرت [4]

---

[1] طبقاتِ ناصری، ص : ۱۲۶، فتوح السلاطین ص : ۱۰۹-۱۱۰۔

[2] سیر العارفین ص : ۲۱ -

[3] رسالہ حال خانوادۂ چشت (مخطوطہ ف ۱۷ ب)

[4] سیر العارفین ص : ۲۱۔ جمالی کا کہنا ہے کہ یہ پیشکش مولانا جمال الدین محمد بسطامی کی وفات کے بعد کی گئی مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ طبقات ناصری (ریورٹی) ص : ۶۰۲، (باقی آئندہ صفحہ پر)

کردی جس پر شیخ نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام بنا دیا گیا۔ شیخ صغری ایک غرور پسند اور مغرور آدمی تھا، اسے یہ بات از حد ناپسند تھی کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شیخ دربار سلطانی میں اس سے زیادہ اثر و رسوخ کا مالک ہو چنانچہ اس نے معاندانہ طور پر اور نہایت بے باکی سے لوگوں کو دربار میں ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ اس نے شیخ جلال الدین تبریزیؒ پر زنا کا الزام[1] لگایا۔ وہ شیخ قطب الدین سے بھی جن کی سلطان اور عامۃ الناس ایک جیسی عزت[2] کرتے تھے حسد رکھتا تھا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کو، جو ان دنوں دہلی میں تھے، شیخ الاسلام کے اس رویہ پر بہت غصہ آیا، چنانچہ انہوں نے خواجہ سے فرمایا کہ وہ دہلی چھوڑ دیں اور ان کے ہمراہ اجمیر چلے چلیں۔ جونہی خواجہ قطب الدینؒ کے دہلی چھوڑ دینے کی خبر عام ہوئی دہلی کے عوام کی حالت غیر ہو گئی۔ جب خواجہ معین الدینؒ بہ ہمراہی خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ دہلی چھوڑ کر چل دیے تو دہلی کے عوام میلوں تک ان کے ساتھ گئے۔ سلطان التمش خود بھی ان کے پیچھے گیا۔ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ نے سلطان اور عوام کو اس طرح بے حال دیکھا تو ان کا دل بھر آیا اور انہوں نے خواجہ قطب الدینؒ کو دہلی میں رہنے کی اجازت دے دی۔ سلطان التمش کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اس نے بڑھ کر خواجہ معین الدینؒ کے قدم چوم لئے اور خواجہ قطب الدینؒ کو ساتھ لے کر دار الخلافہ واپس آ گیا[3]۔

(بابا فریدؒ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہمراہ رہے اور ان کے زیر ہدایت سلوک کے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا بسطامی التمش کی وفات کے بعد تک زندہ رہے اور انہیں ۶۵۳ھ میں سلطان ناصر الدین محمود نے شیخ الاسلام تعینات کیا۔

۱؎ سیر العارفین، ص: ۱۶۷، اخبار الاخیار ص: ۴۳، گلزار ابرار (مخطوطہ)۔

۲؎ سیر الاولیاء ص: ۵۴۔

۳؎ سیر الاولیاء ص: ۵۴، ۵۵، جوامع الکلم ص: ۲۰۸۔

مشکل مراحل طے کرتے رہے۔ خواجہ صاحب نے بابا صاحب کو خانقاہ میں ایک علیحدہ چھوٹا حجرہ دے دیا[1]، جس میں بابا صاحب اکیلے ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ خواجہ قطب الدینؒ بڑی محبّت و شفقت سے آپ کی نگرانی فرماتے رہے۔ بابا فریدؒ اپنے مرشد کے ہاں ایک ماہ میں صرف دو مرتبہ حاضری دیتے[2] جبکہ دوسرے مُرید خواجہ صاحب کے ہاں اکثر آیا جایا کرتے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا ایک دفعہ پھر دہلی آنا ہوا جب انہوں نے بابا فریدؒ کو دیکھا تو فرمایا[3]:

"بابا بختیار! آپ ایک ایسے عظیم شہباز کو دام میں لائے ہیں، جو سدرۃ المنتہیٰ سے ورے کہیں ٹھکانا نہیں کرے گا، فرید ایک شمع ہے جس سے درویشوں کا سلسلہ روشن ہوگا۔"[4]

---

[1] سیر العارفین کا مصنف لکھتا ہے: (ص: ۳۶)، "در نزدیک دروازہ غربی برجیست در زیر آں برج حجرہ ساختہ" (مغربی دروازہ کے قریب ایک برج ہے انہوں نے اس برج کے نیچے حجرہ بنایا)۔ جوامع الکلم کا مصنف سید محمد گیسو درازؒ کے حوالے سے جنہوں نے کہا تھا کہ بابا فریدؒ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے، لکھتا ہے: "در مسجد دہلی نزدیک دروازہ مندہ" (مسجد دہلی میں مندہ دروازہ کے قریب)۔

[2] فوائد الفواد، ص: ۱۸۷، سیر الاولیاء ص: ۷۱، البتہ اللہ دیا کہتا ہے کہ بابا صاحب ہر ہفتے اپنے مرشد کے پاس جایا کرتے تھے۔ سیر الاقطاب، ص: ۱۶۴۔

[3] سیر الاقطاب کا مصنف اس واقعہ کو یُوں بیان کرتا ہے: "جب خواجہ معین الدین حسن سجزیؒ دہلی گئے تو قطب الاقطاب صاحب نے اپنے مُریدوں کو خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا جن میں سے ہر ایک کو اپنی قابلیت کے لحاظ سے باطنی نعمت عطا ہوتی، ازاں بعد (باقی آئندہ صفحہ پر)

(خواجہ بزرگ نے پھر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے فرمایا کہ وہ بابا فریدؒ کو باطنی نعمت سے نوازیں مگر خواجہ قطب الدینؒ نے عرض کیا کہ مُرشد کے ہوتے ہوئے وہ ایسی جسارت کیسے کر سکتے ہیں؟ اِس پر دونوں بزرگوں نے بابا فریدؒ پر نظر التفات کی اور انہیں باطنی نعمت سے نوازا۔ سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ میں بابا صاحب کی یہ تکریم بے مثل دیکھا تھی۔ ان سے پہلے یا ان کے بعد کوئی ایسا بزرگ نہیں گذرا جس کو مُرشد اور مُرشد کے مُرشد نے ایک ساتھ باطنی نعمت سے نوازا ہو۔[۱])

(بقیہ گذشتہ صفحہ) سلطان العارفین نے دریافت کیا بابا قطب الدین کیا آپ کا کوئی اور مرید بھی ہے؟ شیخ قطب الدین نے عرض کی، مسعود نام کا ایک شخص ہے جو چلہ بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت سلطان العارفین اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا آؤ اسے چل کر دیکھیں۔ دونوں بزرگ ان کے حجرہ میں گئے اور دروازہ کھولا۔ حضرت گنجشکر اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ وہ ان بزرگوں کا اُٹھ کر آداب بھی بجا نہ لا سکے۔ بے بسی کی حالت میں چشم پُرنم کے ساتھ آپ نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ جب سلطان العارفین نے یہ دیکھا تو فرمایا قطب الدین! اس غریب کو ریاضت و مجاہدہ کی آگ میں کب تک جلاؤ گے (ص: ۱۶۵-۱۶۶)

آخری فقرہ سیر الاولیاء میں پایا جاتا ہے (ص: ۷۲)۔ [۲] سیر العارفین، ص: ۲۳۔

[۱] سیر الاولیاء، ص: ۷۲۔ امیر خورد اس طرح بابا صاحب کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں

بخشش کونین از شیخین شد در باب تو — بادشاہی یافتی زین بادشاہانِ زماں

مملکت دنیا و دین گشتہ مسلم مر ترا — عالم کن گشتہ اقطاع تو ای شاہِ جہاں

(دونوں بزرگوں نے آپ کو دونوں جہاں عطا کر دیئے ہیں۔ آپ نے اپنے عہد کے ان بادشاہوں سے بادشاہی حاصل کی ہے۔ بے شک دنیا اور عاقبت کی بادشاہی آپ کی ہے دراصل ساری کائنات ہی آپ کے حوالے کر دی گئی ہے)۔ یہ اشعار امیر خورد نے بابا فرید صاحب کی وفات کے کئی سال بعد کہے جب انہوں نے سیر الاولیاء تالیف کی مگر سیر الاقطاب کر (باقی آئندہ صفحہ پر)

ایک روز بابا فریدؒ نے اپنے مرشدِ گرامی سے عرض کیا اگر حضور اجازت دیں تو میں ایک چلّہ[1] کروں[2]؟ خواجہ قطب الدین نے اِس خیال کو ناپسند فرماتے ہوئے کہا:

"اِس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسی باتیں شُہرت کا باعث بنتی ہیں
ہمارے بزرگوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

بابا صاحب نے عرض کیا کہ حضور روشن ضمیر بخُوبی جانتے ہیں کہ خادم شُہرت کا دلدادہ نہیں[3] اس کی

(بقیہ گزشتہ صفحہ) مغالطہ ہوا ہے کہ یہ اشعار ایک شاعر نے اس وقت فی البدیہہ کہے تھے جب دونوں بزرگوں نے بابا فریدؒ کو باطنی نعمت عطا کی تھی۔ اللہ دیا مزید کہتا ہے کہ اس کے بعد ایک مجلس میں جس میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ، مولانا علی کرمانیؒ، سید مبارک غزنویؒ، شیخ نظام الدینؒ ابوالمؤید، مولانا شمس الدین ترکؒ اور مولانا محمود موئینہ دوزؒ حاضر تھے، خواجہ اجمیریؒ نے بابا صاحبؒ کو اپنی عبا عطا فرمائی اور شیخ قطب الدینؒ نے اپنی دستار اور خلافت کی دیگر اشیاء بابا صاحب کو دیں (ص: ۱۶۶) جملہ اصحاب کے نام سیر الاولیاء سے لئے گئے ہیں (ص: ۶۱) مگر امیر خورد یہ نہیں کہتے کہ اس مجلس میں خواجہ اجمیری موجود تھے۔ وہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ جس وقت شیخ قطب الدینؒ نے بابا صاحبؒ کو سلسلہ میں بیعت کیا تو اس وقت یہ اصحاب موجود تھے۔

---

[1] چلّہ سے مراد چالیس دن تک خلوت میں رہ کر باطن کی صفائی کرنا اور مسلسل ریاضت مجاہدہ سے اپنی قوتوں کو اُجاگر کرنا ہوتا ہے۔

[2] حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو عمر بھر اس بات کا افسوس رہا کہ انہوں نے ایسی درخواست کرنے کی کیوں جسارت کی جسے ان کے مرشد (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) نے ناپسند فرمایا۔

خواجہ صاحب نے اصرار نہیں کیا اور اپنے مُرید یعنی بابا صاحب کو چلّۂ معکوس کرنے کی ہدایت کی۔[1] بابا فریدؒ کو اس چلّہ کی نوعیت معلوم نہ تھی اور اپنے مُرشد کے رعب کی وجہ سے ان سے پُوچھنے کی ہمت بھی نہ پڑی۔ چُنانچہ بابا فریدؒ شیخ بدرالدین غزنویؒ[2] کے پاس گئے اور ان سے چلّہ کے بارے میں پوچھا۔ شیخ بدرالدین غزنویؒ اس بارے میں خود کچھ نہیں جانتے تھے انہوں نے حضرت خواجہ صاحب سے دریافت کیا، جنہوں نے فرمایا:

"چلّۂ معکوس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے پاؤں سے رسّی باندھ کر ایک کنوئیں میں لٹک جائے اور اس طرح چالیس دن اور چالیس رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔"[3]

---

[1] ملاحظہ کریں باب : ۴

[2] شیخ بدرالدین غزنویؒ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ایک نامور خلیفہ اور مرید تھے۔ آپ سالہا سال تک دہلی میں رہے اور اپنے مرشد کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ وہ ایک ممتاز شاعر تھے۔ سیرالاولیاء کا مصنف ان کے ایک دیوان کا ذکر کرتا ہے جو اب ناپید ہے۔ وہ ایک فصیح واعظ بھی تھے۔ قاضی منہاج السراج مصنف طبقات ناصری انہیں سفید شہباز کہا کرتا تھا۔
ان کی زندگی کے حالات ملاحظہ ہوں : فوائد الفواد، ص : ۷۳، ۷۴؛ سیرالاولیاء، ص : ۱۶۴، ۱۶۶ خیرالمجالس ص : ۱۸۷، ۱۸۸؛ اخبار الاخیار ص ۵۹؛ روضۃ اقطاب ص : ۷۱، ۷۲؛ مرآۃ الاسرار، گلزار ابرار

[3] سیرالاولیاء ص : ۷۸، ۷۹؛ ایک روز جب سید محمد گیسو درازؒ بابا فرید صاحبؒ کے اس چلہ معکوس کے بارے میں بتا رہے تھے تو ایک شخص نے پوچھا جو شخص یہ چلہ کرتا ہے اس کی آنکھوں اور منہ سے خون کیوں بہنا شروع نہیں ہو جاتا اور اس کا کھانا اور دیگر چیزیں کیوں اسے قے نہیں ہو جاتیں؟ سید محمد گیسو درازؒ نے جواب دیا، ایک درویش کے نحیف و لاغر جسم میں خون اور غذا کہاں؟ وہ تو عبادت و ریاضت سے صرف ڈھانچا سا رہ گیا ہوتا ہے۔ جوامع الکلم ص : ۲۳۱

قرونِ وسطیٰ کی تاریخی دستاویزات سے پتہ نہیں چلتا کہ بابا فرید کتنی دفعہ اپنے شیخ کو ملنے کے لئے دہلی گئے اور ہر دفعہ کتنے دن ان کے ساتھ رہے۔ البتہ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے اپنی ریاضت و مجاہدہ کی تکمیل خواجہ صاحب ہی کی نگرانی میں کی۔ ایک دن ایک زائر نے سید محمد گیسو دراز[1] سے پوچھا کہ شیخ قطب الدین نے شیخ فرید کی تربیت کیسے کی۔ سید محمد گیسو دراز نے فرمایا کہ شیخ فرید روحانی استعداد تامہ حاصل کرنے کے بعد شیخ قطب الدین کے سلسلہ میں داخل ہوئے تھے اس وقت انہیں کچھ زیادہ تربیت کی ضرورت نہ تھی لہٰذا وہ شیخ قطب الدین کے ساتھ زیادہ عرصہ تک نہ رہے[2]

---
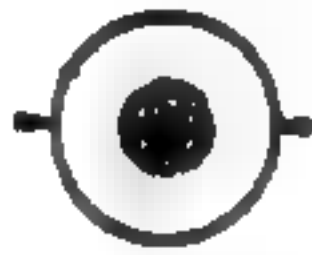
[1] سید محمد گیسو دراز (متوفی ۸۲۵ھ / ۱۴۲۱ء) شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مشہور مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ حیدر آباد دکن میں گلبرگہ کے مقام پر آباد ہوگئے اور وہاں سلسلہ کی تبلیغ و ترویج کی۔ آپ کثیر التصانیف مصنف تھے۔ آپ نے مذہب اور تصوف پر دو درجن سے زائد کتب تصنیف کیں۔ سید محمد حسینی نے آپ کے ملفوظات کو جوامع الکلم میں جمع کیا ہے۔ آپکی سوانح حیات ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار ص: ۱۲۹ - ۱۳۴، مرآۃ الاسرار (مخطوطہ)، شاہ محمد علی سامانی کی سیر محمدی۔

[2] جوامع الکلم، ص: ۲۳۰۔

باب ۴:

عبادت و ریاضت

صوفیانہ زندگی کی اصل غرض وغایت چونکہ معرفتِ الٰہی ہوتی ہے لہٰذا صوفیاء نے ایسے مسالک کی "تلاش وجستجو" کی جن سے واصل باللہ ہوا جا سکے۔ اِس تلاش میں قلب[1] وہ واحد ذریعہ پایا گیا جس سے محدود لامحدود کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتا تھا اس کی مدد سے سلوک کے تمام مقامات طے ہو سکتے تھے اور اس میں پیغاماتِ الٰہی کو اخذ کرنے کی استعداد عبادت و ریاضت سے پیدا کی جا سکتی تھی۔[2]

محمد غوثی کا کہنا ہے کہ برِصغیر پاک و ہند کے جملہ مشائخ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ریاضت و مجاہدہ میں کوئی بزرگ بھی گنج شکرؒ پر سبقت نہیں لے جا سکا۔[3] حقیقتاً ان کی زندگی عبادت، شب بیداری اور روزہ داری کی طویل داستان ہے۔[4] یہ اس عبادت و ریاضت کا ہی نتیجہ

---

[1] قلب کے آفاقی جذبات کا مرکز ہونے کے بارے میں دیکھیں رسالہ "مطلوب فی عشق المحبوب" جو محمد امیر ماہ نے فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ – ۷۹۰ھ/۱۳۵۱–۱۳۸۸ء) کے عہد میں لکھا۔ نیز دیکھیں فیلڈ کا ترجمہ لوائح اور قزوینی ص: ۴۰–۵۰۔ مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ، ص: ۹۷ – ۱۰۱۔

[2] شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ، تفہیماتِ الٰہیہ اور القول الجمیل میں روحانی عروج کے لئے ریاضت و مجاہدہ کی قدر و قیمت پر خوب بحث کی ہے۔ نیز خیر المجالس دیکھیں (ص: ۱۵۰) جہاں شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرماتے ہیں "اول مجاہدہ بعدہٗ مشاہدہ"۔

[3] گلزار ابرار (مخطوطہ)، اقتباس الانوار (مخطوطہ) ورق: ۱۶۶۔

[4] آپ کے ریاضت و مجاہدہ کے متعلق علی اصغر نے مندرجہ ذیل روداد لکھی ہے: (باقی آئندہ صفحہ پر)

تھا کہ نہ صرف ان کی باطنی زندگی نکھر گئی بلکہ اندر بسنے والی خدائی طاقت کے لئے بھی ان کی رُوح کشادہ ہوگئی۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ) " بابا فریدؒ جنگل میں چلے گئے اور وہاں دس برس درختوں کے پتے کھا کھا کر گزارا کرتے رہے۔ جب وہ واپس آئے تو اُن کی والدہ نے پُوچھا کہ اس عرصہ میں انہوں نے کیا کمال حاصل کیا بابا صاحب نے عرض کیا کہ انہوں نے پتوں کے سوا کچھ نہیں کھایا۔ اس پر آپ کی والدہ نے اپنی انگلیوں سے آپ کے بالوں میں کنگھا کرنا شروع کردیا۔ بابا صاحب کے سر میں، جسے سالہا سال سے نہ صاف کیا گیا تھا اور نہ جس میں کنگھا کیا گیا تھا، درد شروع ہوگیا۔ جب آپ کی والدہ نے دیکھا کہ بابا فریدؒ کو درد کا احساس ہو رہا ہے تو فرمایا، فرید! تم نے اپنا وقت بیکار ضائع کیا ہے اور کچھ حاصل نہیں کیا بابا صاحب پھر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں سالہا سال تک گھومتے رہے۔ آپ نے ایک گول لکڑی کے ٹکڑے کو اپنے پیٹ پر باندھ لیا۔ جب بھی کوئی شخص آپ کو کھانے کے بارے میں پوچھتا تو آپ کہہ دیتے کہ میں نے کھانا کھا لیا ہے۔ جب بابا صاحب واپس لوٹے اور سارا ماجرا اپنی والدہ کو سنایا تو انہوں نے کہا، فرید! تم نے سب جھوٹ بولا ہے۔ یہ وقت بھی تم نے ضائع کردیا ہے۔" (جواہر فریدی مخطوطہ)

اس بیان میں مبالغہ آمیزی کی بھرمار ہے۔ اگر آپ بیس یا تیس سال جنگلوں میں گھومتے رہے ہوتے تو ہمارے قدیم ترین ماخذ ضرور اس کا ذکر کرتے۔ بعد کے "تذکروں میں خاص کر جواہر فریدی میں" اکثر مبالغہ آمیز بیانات ہیں۔ بابا صاحب کا ۱۲۰ سال تک زندہ رہنا بتایا جاتا ہے۔ آپ نے جو چلّہ معکوس صرف چالیس روز کیا تھا پورے دس سال کا بتایا جاتا ہے۔

علی اصغر نے ۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۲ء میں بابا صاحب کی درگاہ پر قدیم چیزیں دیکھیں تھیں شاید وہ پہلا شخص ہے جو ان کا حوالہ دیتا ہے۔ ۱۸۳۲ء میں جب کپتان ویڈ پاک پتن گیا تو اس کو بہت سے تبرکات دکھائے گئے جن میں سب سے زیادہ عجیب لکڑی کا ایک صاف گول ٹکڑا (باقی آئندہ صفحہ پر)

پہ بابا فریدؒ کی والدہ تھیں جنہوں نے بابا صاحب کو نماز روزہ کی ڈگر پر ڈالا تھا بابا صاحب کو شکر بہت پسند تھی اور جب بھی وہ فرض نمازیں ادا کرتے تو ان کی والدہ اُن کو تھوڑی سی شکر دے دیتیں۔ بعد میں جب بابا صاحب کو نماز کا شوق ہو گیا اور انہوں نے سخت مجاہدے شروع کر دیئے تو اُن کی والدہ بہت سخت گیر مرشد ثابت ہوئیں۔

جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے بابا فرید رحمۃ اللہ کو چلۂ معکوس[1] کا حکم

(بقیہ گذشتہ صفحہ) تھا جو دیسی روٹی یا چپاتی کے برابر تھا۔ جب بابا صاحب طویل روزے رکھتے اور بھوک تنگ کرتی تو بھوک مٹانے کے لئے آپ ان سخت روٹیوں کو چباتے رہے۔ اے۔ ایس بی ۔ ۱۸۳۷ء، ص : ۱۹۲)۔ یہ قرص چوبیں بڑی حفاظت سے رکھی گئی ہیں اور اب بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

[1] فوائد الفواد میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کہا کرتے تھے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کے بارے میں جو کچھ سن رکھا تھا اس سب پر عمل کیا۔ انہیں پتہ چلا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز معکوس ادا کی تھی چنانچہ انہوں نے بھی فوراً ایسا کیا (ص : ۷)۔ شیخ ابوسعید کے پوتے محمد بن منورؒ کی تصنیف اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید (چاپ تہران ۱۳۱۳ھ) میں ہمیں شیخ کے صلوٰۃ معکوس ادا کرنے کے بارے میں حوالہ جات ملتے ہیں مگر میں احادیث کے کسی ثقہ مجموعہ میں صلوٰۃ معکوس کا حوالہ تلاش نہیں کر سکا۔ معارج الولایت کے مصنف کا یہ کہنا ہے کہ ایک زائر نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے صلوٰۃ معکوس کے جواز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: "در کتبِ علمِ ظاہر نہ دیدم"۔ (علم ظاہر یعنی شریعت میں میں نے اسے نہیں دیکھا) جواہر الکلم میں یہی سوال ایک زائر سے سید محمد گیسو درازؒ سے پوچھا بیان کیا گیا ہے، ص : ۲۲۱، (باقی آئندہ صفحہ پر)

دیا تو باباصاحب کو ایسی تنہا جگہ کی تلاش ہوئی جہاں ایسی مسجد ہو جس کے قریب کنواں ہو۔ شہرت سے اُنہیں انتہا درجہ کی نفرت تھی اور ایسی جگہ کا ملنا جہاں اُن کے مجاہدات سے کوئی واقف نہ ہو سکے، بہت مشکل تھا۔ جب وہ دہلی میں ایسی جگہ تلاش کرنے میں ناکام رہے تو وہ ہانسی چلے گئے وہاں بھی چلّہ معکوس کے لئے کوئی مناسب جگہ نہ مل سکی۔ وہ چلہ گاہ کی تلاش میں گاؤں گاؤں قریہ قریہ پھرے بالآخر وہ اوچ پہنچ گئے جہاں اُنہوں نے مسجد[لہ]

(بقیہ گزشتہ صفحہ) صرف ایک اور چشتی بزرگ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے صلٰوۃ معکوس ادا کی اور وہ خواجہ ابو محمد چشتیؒ تھے۔ سیر الاولیاء، ص: ۴۰۔

شاہ ولی اللہ چشتیؒ لکھتے ہیں:

للچشتیة صلٰوة تسمّی صلٰوة المعکوس لم نجد من سنة ولا اقوال الفقهاء مانشدها به فلذٰلك حذفناها والعلم عند الله (قول الجمیل ص: ۵۳)

(چشتیوں میں ایک نماز ہے جسے نماز معکوس کہتے ہیں، ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث میں اس کی کوئی سند نہیں ملی اور نہ ہی فقہاء کے اقوال میں چنانچہ اس پر یہاں ہم نے بحث نہیں کی۔ اس کا جواز یا عدم جواز صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے)۔

معارج الولایت کے مصنف نے مفصل بیان کیا ہے کہ نماز معکوس کیسے ادا کی جاتی ہے۔ ہندوؤں میں سادھوؤں کے ایک فرقہ، جنہیں اُوردھا مکھی کہا جاتا ہے کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کسی درخت کے چوکھٹے یا شاخ سے سر کے بل اُلٹے لٹک جاتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔ (سی۔ ایم۔ اوئن

لہ امیر خورد جنہوں نے اپنی کتاب ۱۳۵۸ھ میں تالیف کی ہمیں بتلاتے ہیں کہ یہ مسجد اُن کے زمانے تک صحیح وسالم موجود تھی اور لوگ اس میں نماز پڑھتے تھے۔ (سیر الاولیاء، ص: ۷۰)۔

دیکھی جو شہر کے ایک خاموش حصہ میں واقع تھی۔ اس میں کنواں بھی تھا جس کو درختوں کی ٹہنیوں
نے ڈھانپ رکھا تھا اور اس کا مؤذن[1] ایک نیک آدمی تھا جس کا نام خواجہ رشید الدین میناتی
تھا اور جو ہانسی کا رہنے والا تھا اور بابا فریدؒ کا بڑا معتقد تھا۔

(اس بات کا اطمینان کرنے کے لئے کہ آیا مؤذن راز چھپانے کے اہل ہے یا نہیں
بابا فریدؒ تین دن مسجد میں قیام پذیر رہے اور خواجہ میناتی کے طور طریقے دیکھتے رہے۔
ایک دن عشا کی نماز کے بعد آپ نے مؤذن کو ایک رسّہ لانے کے لئے کہا۔ رسّے کے
ایک سرے سے آپ کے پاؤں باندھ دیئے گئے اور اس کا دوسرا سرا کنوئیں پر درخت
کی ایک شاخ سے باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد مؤذن نے آپ کو کنوئیں میں نیچے لٹکا دیا۔
آپ نے مؤذن سے کہا کہ وہ صبح پو پھٹنے سے پہلے آکر آپ کو کنوئیں سے نکال لے۔ رات
بھر اس طرح الٹے لٹکے ہوئے آپ مصروف عبادت رہے۔ اگلی صبح پو پھٹنے سے قبل
مؤذن نے آپ کو کنوئیں سے نکال لیا اور آپ دن بھر مسجد میں عبادت کرتے رہے اس طرح
آپ نے چالیس راتوں کا چلّہ پورا کیا۔[2]

---

[1] وہ شخص جو مسجد کے میناروں یا کسی اونچی جگہ سے لوگوں کو پکار کر نماز کے لئے بلاتا ہے۔

[2] سیر الاولیاء ص: ۷۰، جواہر الکلم ص: ۲۳۱، سے پتہ چلتا ہے کہ بابا صاحب دن کے وقت بھی چلہ جاری رکھتے اور صرف فرض نمازیں ادا کرنے کے لئے باہر آتے۔ ہم عصر ماخذوں میں اس کی تائید میں کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ امیر خورد صاف کہتا ہے: "بدین جملہ چہل شب چلہ معکوس داشت" (اس طرح انہوں نے چالیس رات کا چلہ پورا کیا) مصنف جواہر فریدی اس چلہ کی میعاد بڑھا کر دس سال بنا دیتا ہے۔ شیخ حسام الدین مانکپوری کے ملفوظات میں چلہ کا عرصہ چھ ماہ بتایا گیا ہے۔ دیکھیں معارج الولایت (مخطوطہ)۔

بعد کے مصنفین نے اس چلہ معکوس کی بنا پر بابا صاحب کی عبادت و ریاضت کے بارے میں عجیب و غریب قصے گھڑ لئے ہیں۔ علی اصغر نے اس تمام واقعے کو افسانوی رنگ دیتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ چلہ کے دوران پرندوں نے بابا صاحب کے جسم پر گھونسلے بنا لئے تھے[1]۔ یہ ایک اچھا افسانہ تو ہو سکتا ہے لیکن ثقاہت آمیز تاریخ نگاری نہیں۔ جواہر فریدی اور جعلی ملفوظات کے مصنفین نے بابا صاحب کی جو تصویر کھینچی ہے وہ یقیناً اس شیخ الاسلام فرید الحق والدین سے قطعاً مختلف ہے جس کی تصویر کشی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کرتے ہیں۔ اس عظیم ولی اللہ کی حقیقی شخصیت ان راہبانہ عناصر کے تحت دھند میں گم ہو جاتی ہے جو ان قصوں کہانیوں کا حصہ ہیں۔ بابا صاحب کی ہمعصر تصنیفات میں کہیں بھی بابا فریدؒ سکر کی حالت میں ہوش و حواس گم کئے ہوئے نظر نہیں آتے ہیں۔ راحت القلوب اور فوائد السالکین کے بابا فریدؒ تاریخ کے بابا فریدؒ سے بالکل متضاد دکھائی دیتے ہیں۔

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت و ریاضت کی قوت محرکہ نہ بہشت کی اُمید تھی نہ دوزخ کا ڈر۔ ان کی عبادت و ریاضت سے شیفتگی کا اصل سرچشمہ وہ شدید عشق تھا جو اُن کو اپنے خالق سے تھا۔ اُن کا دلِ عشق کا پرجوش قلعہ تھا اور وہ دن رات عبادت کرتے اور روزے رکھتے رہتے تاکہ ان حدود و قیود کو توڑ سکیں جو اُن کے اور اُن کے محبوب کے درمیان حائل تھیں۔ کھتوال ہو یا ہانسی، اوچ ہو یا اجودھن، ہر جگہ اُن پر استغراق کی حالت طاری رہتی۔

✓ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ابتدائی روابط کے دوران بابا صاحب کو سلوک تصوف کا سطحی کاروزہ رکھنے کے لئے کہا گیا جسے صرف اس حالت

---

[1] "گنجشکاں در زانو ہائے مبارک ایشاں جا ساختند۔" جواہر فریدی (مخطوطہ)

میں افطار کرنا تھا جب افطاری کا سامان پردۂ غیب سے میسّر آتے تھے۔ چنانچہ بابا صاحب نے تین دن مسلسل روزہ رکھا مگر اس دوران افطاری کے لئے انہیں کوئی چیز غیب سے نہ ملی۔ تیسرے روز ایک شخص روٹی لے کر ان کے پاس آیا۔ بابا صاحب نے روٹی سے روزہ افطار کیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے ایک چیل کو دیکھا جو اپنی چونچ میں کسی جانور کی انتڑیاں اُٹھائے لئے جارہی تھی۔ یہ نظارہ بابا صاحب کے لئے اتنا مکروہ تھا کہ آپ نے جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا۔ اِس بات کا جب بابا صاحب نے اپنے مُرشد سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا:

"بابا فرید! آپ نے ایسی روٹی سے روزہ افطار کرلیا تھا جو ایک شرابی لایا تھا۔ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے وہ کھانا آپ کو ہضم نہیں ہوا۔ اب جاؤ اور پھر تین دن تک روزہ رکھو اور پھر غیب سے جو کچھ ملے اسی سے روزہ افطار کرنا"۔

بابا فرید پھر مسلسل تین دن تک روزہ سے رہے۔ کمزوری نے انہیں نڈھال کر دیا اور ان کو خالی معدہ میں جلن محسوس ہونے لگی جس پر آپ نے کنکر اٹھا کر منہ میں رکھ لئے یہ کنکر منہ میں رکھتے ہی شکر بن گئے[2]۔ بابا صاحب کو گمان ہوا کہ کہیں یہ شیطانی کرشمہ

---

[1] لغوی طور پر طَیّ کے معنی ہیں رضا کارانہ طور پر روزہ رکھنا۔ سلوک تصوف میں اس کا مطلب ہے کہ تین دن تک اس طرح روزہ رکھنا کہ افطار کے وقت پانی کے تین چار قطروں کے سوا کچھ نہ کھایا پیا جائے۔ (غیاث اللغات)

[2] سیر الاولیاء ص: ۶۷، امیر خورد نے سنائی کا ایک شعر بھی لکھا ہے ـ

سنگ در دستت تو گہر گردد

زہر در کام تو شکر گردد

(پتھر تمہارے ہاتھ میں موتی بن جاتا ہے اور زہر تمہارے منہ میں شکر بن جاتا ہے)۔

تو نہیں۔ چنانچہ انہوں نے تھوک دیا اور پھر ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ آدھی رات کے وقت انہیں پھر خالی پیٹ میں بھوک کی وجہ سے تکلیف ہوئی تو انہوں نے پھر منہ میں کنکریاں ڈال لیں جو پھر شکر بن گئیں۔ انہوں نے پھر اسے شیطانی کرشمہ سمجھا اور پھینک دیں سحری کے وقت انہیں خیال آیا کہ اگر انہوں نے کچھ نہ کھایا پیا تو شاید وہ صبح کی نماز بھی ادا نہ کر سکیں چنانچہ انہوں نے پھر کنکر اٹھا کر منہ میں ڈال لیے اور نگل گئے۔ اگلی صبح انہوں نے سارا ماجرا اپنے پیر و مرشد کے گوش گزار کیا تو مرشد نے فرمایا:

"تم نے ان سے روزہ افطار کر کے بالکل صحیح کیا ہے۔ پردۂ غیب سے جو کچھ ملے وہ اچھا ہی ہوتا ہے، جاؤ تم شکر کی طرح ہمیشہ میٹھے رہوگے۔"[1]

بقول امیر خورد بابا صاحب کو اسی بنا پر "پیر شکر بار" یا "گنج شکر" کہا جاتا ہے۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

"روزہ آدھا ضبطِ نفس ہے اور ضبطِ نفس آدھا ایمان ہوتا ہے۔"[2]

بابا صاحبؒ روحانی ترقی کے لیے روزہ کو ناگزیر تصور کرتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ بابا فریدؒ روزے کبھی نہیں چھوڑتے تھے[3] اور وہ روزے اس طرح

---

[1] سیر الاولیاء، ص: ۶۷-۶۸، جواہر فریدی (مخطوطہ)، سیر الاقطاب ص: ۱۶۴-۱۶۵، معارج الولایت (مخطوطہ)

[2] کیمیائے سعادت، (لکھنؤ، ۱۹۰۰ء)؛ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے امام غزالیؒ کا یہ مقولہ احیاء العلوم سے دیا ہے۔ فوائد الفواد، ص: ۸۵۔

[3] سیر الاولیاء، ص: ۴۰۱۔ اوائل عمر میں بابا صاحب روزہ داؤدی رکھا کرتے تھے۔ (روزہ داؤدی کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھنا۔ اس کے مقابلے (باقی آئندہ صفحہ پر)

رکھتے تھے کہ سحری کے وقت کچھ بھی نہیں کھاتے تھے۔ کئی بار بابا صاحب نے سوچا کہ حج کیا جائے۔ ایک بار حج کے لئے اوچ تک تشریف بھی لے گئے مگر وہاں سے یہ سوچ کر لوٹ آئے کہ ان کے پیر و مرشد نے تو کوئی حج نہ کیا تھا لہٰذا انہیں اپنے پیر و مرشد کی روایت کے خلاف نہیں کرنا چاہیے[1]۔

اجودھن میں بابا صاحب کی زندگی ایک قلندرانہ زندگی تھی۔ بعض اوقات آپ کی خانقاہ میں بیشمار فتوح آجاتے اور بعض اوقات سارے گھر کو فاقہ کشی کرنا پڑتی۔ بعض دفعہ تو مسلسل فاقوں سے گھر کے بچے جان بلب ہو جاتے لیکن بابا صاحب کے مریدین اور خدمتگاران تمام مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے۔ وہ جنگل سے پیلو اور ڈیلے[3] لا کر اپنے اور اپنے مرشد کے لئے کھانا تیار کر لیتے۔ بابا صاحب نے جو طرزِ زندگی اختیار کر رکھا تھا اس پر تمول یا تنگدستی کچھ بھی اثر انداز نہ ہو سکتا تھا۔ ظاہری احوال سے قطع نظر بابا صاحب کو صرف ایک ہی دُھن تھی اور وہ تھی اپنے خالق سے شیفتگی و وارفتگی

(بقیہ گذشتہ صفحہ) میں مسلسل روزے رکھنا زیادہ آسان ہوتا ہے کیونکہ انسان کا جسم اس کا عادی ہو جاتا ہے اور روزہ رکھنا ایک معمول بن جاتا ہے مگر ایک دن چھوڑنا، ایک دن روزہ رکھنا بڑا صبر آزما اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ دیکھیں فوائد الفواد، ص: ۲۱۔ ایک دن میرٹھ سے ایک مہمان شیخ علی بابا فرید کو دیکھنے ہانسی آیا۔ بابا صاحب نے مہمان کے ساتھ کھانا کھایا، اسے خیال آیا کہ اگر بابا صاحب مسلسل روزے رکھتے تو بہت خوب ہوتا۔ بابا صاحب کے وجدان نے مہمان کے ان خیالات کو بھانپ لیا چنانچہ بابا صاحب نے کھانے سے ہاتھ روک لیا اور فرمایا، "اب سے میں مسلسل روزے رکھا کروں گا"۔ سیر الاولیا ص: ۹۴۔

[1] سیر الاولیاء، ص: ۳۸۶۔

[2] " ص: ۴۰۷۔

[3] خاردار جھاڑیوں کا پھل جو پنجاب میں پایا جاتا ہے اور بطور خوراک استعمال کیا جاتا ہے۔

ان کا دل لبسمل پکار پکار کر کہتا تھا :

"مَیں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے ۔ تم میری راتوں میں سپنا اور میرے دنوں میں خواب بن کر آتے ہو ۔ یہی میرے دل کی پکار ہے اور یہی میری نمازوں کا ماحصل ! مَیں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مجھے تم سے محبّت ہے ۔"

بابا صاحب جب نماز پڑھتے تو دیکھنے والوں کے لئے ایک ہیجان خیز رُوحانی تجربہ ہوتا ۔ جب اپنے حُجرے میں وُہ اکیلے ہوتے تو گھنٹوں زمین پر سر رکھ کر یہ مصرع گنگناتے رہتے :[1]

از بہرِ تو میرم و برائے تو زیم

(مَیں تیرے لئے زندہ ہوں اور تیرے لئے مرتا ہوں) ۔

وُہ اس انداز سے یہ مصرعہ پڑھتے کہ سُننے والے پر رقّت طاری ہو جاتی ۔ آپ اپنے مُریدوں کو تلقین فرماتے کہ اپنی مُناجات میں یہ شعر پڑھا کریں ؎

از حضرت تو سہ چیز میخواہم
وقتِ خوش و آبدیدہ و راحتِ دل

(بارِ الٰہا ! مَیں تجھ سے صرف تین چیزوں کا ملتجی ہوں ، خوش وقت ، چشمِ پُرنم اور راحتِ دل) ۔

---

[1] فوائد الفواد ، ص : ۲۰۲ ، خیر المجالس ص : ۲۲۴ ۔

[2] سیر الاولیاء ص : ۴۲۳ ، ۴۲۴ ۔

باب : ۵

سیر و سیاحت

قرونِ وسطیٰ میں سیاحت، صوفیانہ سلوک کے لئے جزوِ لاینفک تھی۔ اِس کے بہت سے فوائد تھے۔ اوّلاً: اس کے ذریعے ایک صوفی کا ان مختلف طبائع کے لوگوں سے واسطہ پڑتا جو جُدا جُدا دیسوں میں مختلف حالات میں رہتے تھے۔ اِس طرح اسے فطرتِ انسانی کا عمیق مشاہدہ ہو جاتا جو بعد ازاں اس کے لئے انتہائی کارآمد ثابت ہوتا جب وہ کسی ایک جگہ بیٹھ کر کشمکشِ حیات میں لڑکھڑاتے ہوؤں کو سہارا دینے اور صراطِ مستقیم پر چلانے کا مصمم ارادہ کرتا۔

ثانیاً: جب ایک صوفی اپنا ملک چھوڑ چھاڑ کر سیاحت پر چل نکلتا ہے تو اُس کے تمام بندھن جو اسے ایک خاص خطّہ سے باندھے ہوئے ہوتے اور اس طرح اس کی ہمدردیوں اور نقطۂ نگاہ کو محدود کئے ہوتے، خود بخود ٹوٹ جاتے۔ صوفیانہ سیاحت کے فوائد کا مولانا عزالدین محمود بن علی کاشانی نے بالتفصیل جائزہ لیا ہے۔[1] مشاہیر چشتی صوفیاء شیخ عثمان ہرونی، شیخ معین الدین چشتی اور شیخ قطب الدین رحمہم اللہ علیہم اجمعین سالہا سال تک مصروفِ سیاحت رہے۔ بابا فریدؒ کے جعلی ملفوظات آپ کی اسلامی عجمی دنیا میں وسیع سیر و سیاحت کا ذکر کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے بغداد، بخارا، سیوستان، بدخشان، کرمان، قندھار اور غزنی کی سیاحت کی[2] اور خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ اجل شیرازیؒ، شیخ سیف الدین

---

[1] دیکھیں، مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ از جلال الدین ہمائی، ص: ۲۶۳، ۲۶۹

[2] راحت القلوب، (مخطوطہ)، راحت المحبین (مخطوطہ)، اسرار الاولیاء (مخطوطہ) (باقی آئندہ صفحہ پر)

باخرزیؒ اور شیخ اوحدالدین کرمانیؒ وغیرہ سے ملاقات کی۔ برصغیر پاک و ہند میں آپ کشمیر، مالوہ اور اجمیر وغیرہ گئے[1]

مندرجہ ذیل حقائق کے پیش نظر بابا صاحب رحمۃ اللہ کی سیاحت کا بڑا محتاط مطالعہ ضروری ہے:

۱ : ہمارے قدیم مآخذ مثلاً فوائد الفواد، خیر المجالس اور سیر الاولیاء، بابا صاحب کی غیر ممالک میں سیر و سیاحت کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کرتے۔ اگر یہ امر واقعی ہے کہ بابا صاحب نے اس قدر وسیع پیمانے پر سیر و سیاحت کی جیسا کہ جعلی ملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر امیر حسن اور امیر خورد نے کیوں اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ البتہ بعد کے مصنفین مثلاً جمالی، علی اصغر، اللہ دیا وغیرہ بابا صاحب کی سیر و سیاحت کا ذکر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان مصنفین کا اس بارے میں مآخذ اس وقت کا جعلی لٹریچر اور وہ قصے کہانیاں تھیں جو ان تک سابقین سے پہنچیں۔

۲ : بابا صاحب کی غیر ممالک میں سیر و سیاحت کا جو زمانہ بتایا جاتا ہے وہ انتہائی پر آشوب زمانہ تھا۔ منگولوں کی یلغار نے پر رونق اسلامی شہروں کو نیست و نابود کر دیا اور اسلامی تہذیب و تمدن کے مشرقی مراکز صفحہ ہستی سے مٹا دیئے۔ جن جگہوں پر پہلے پر شکوہ محلات اور لائبریریاں کھڑی تھیں اب وہ جگہیں ویرانوں اور بے ڈھنگ کھنڈروں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ جب ابن بطوطہ نے بخارا، سمرقند، بلخ اور ماوراء النہر کی سیاحت کی تو اس وقت بھی ان شہروں کا اکثر حصہ کھنڈروں کی صورت میں موجود تھا۔ ان حالات

(بقیہ گذشتہ صفحہ)، ان کے تتبع میں ابوالفضل (آئین اکبری)، جمالی (سیر العارفین) ص: ۴۰ اور غوثی (گلزار ابرار مخطوطہ) نے بابا صاحب کی غیر ممالک میں سیر و سیاحت کے حوالہ جات دیئے ہیں۔

[1] ہسٹری آف دہلی عربیز، از: پی۔ کے۔ حتی ص: ۴۸۲-۴۸۳۔

کے تحت تاجروں، سیّاحوں اور صوفیوں کے لیۓ سفر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ان علاقوں سے مُہاجرین کا ایک لامتناہی سلسلہ پناہ حاصل کرنے کے لیۓ برّصغیر پاک و ہند میں داخل ہو رہا تھا[له]

۳ : چونکہ بابا فریدؒ رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی مرشد برّصغیر پاک و ہند میں مُقیم تھے لہٰذا بابا صاحب کے لیۓ اس افراتفری کے زمانے میں غیر ممالک کے سفر پر جانا کسی طور ضروری نہ تھا۔

مذکورُالصّدر حالات کے پیشِ نظر یہ بات بعید از قیاس ہے کہ بابا صاحب غیر ممالک کی سیّاحت کے لیۓ کبھی گئے تھے۔ البتہ ان کی سیاحت کا واحد مُصدّقہ واقعہ اُن کا سفرِ قندھار ہے جہاں وہ بارہویں صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیۓ گئے۔

له یہ اُن دنوں تھا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ایک نامور مُرید شیخ بدرالدین غزنویؒ اپنا گھر چھوڑ کر برصغیر پاک و ہند میں آگئے۔ جب آپ لاہور پہنچے تو آپ یہ فیصلہ نہ کر پا رہے تھے کہ آیا دہلی کی طرف بڑھا جائے یا غزنی کو واپس لوٹ جائیں جہاں ان کے والدین اور اقربا رہتے تھے۔ آپ نے قرآن مجید سے فال نکالی۔ چنانچہ آپ کو حکم ہوا کہ دہلی کو چلے جاؤ۔ کچھ عرصہ بعد یہ اطلاع آئی کہ منگولوں نے غزنی فتح کر لیا ہے اور ان کے تمام رشتہ داروں کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ فوائد الفواد ص: ۷۳، سیرالاولیاء ص: ۱۶۵

باب : ۶

ورودِ ہانسی

(ہانسی ضلع حصّار کا ایک قدیم شہر ہے[1] سلطان مسعود غزنوی نے اس پر ۱۰۳۶ء[2] میں قبضہ کر لیا تھا مگر بعد[3] میں چوہان راجپوتوں نے اسے واپس لیا تھا۔ ترائن کی لڑائی کے بعد شہاب الدین غوری[4] نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس میں ایک محافظ فوجی دستہ تعینات کر دیا۔ ۱۱۹۲ء میں ایک ہندو سردار جیتوان نے ہانسی میں مسلمان محافظ فوجی دستے کو محاصرے میں لے لیا اور محاصرے کو اٹھوانے کے لئے قطب الدین ایبک کو خود فوج کشی کرنا پڑی۔ اس کے بعد ہانسی فوجی نقطۂ نگاہ سے بڑی جنگی اہمیت کا حامل بن گیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی[5] کے زیرِ سایہ سلوک کی تکمیل کے بعد باباصاحب نے ہانسی میں سکونت اختیار کر لی۔ ہانسی ایک چھاؤنی تھی اور باباصاحب کا خیال تھا کہ وہاں عامۃ النّاس ان کی عبادت و ریاضت میں مخل نہ ہو سکیں گے لیکن یہاں ایک دلچسپ واقعہ نے انہیں مشہور کر دیا۔[5]

---

[1] امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا (۱) ص : ۲۳۴

[2] تاریخ آلِ سبکتگین ص : ۶۶۴۔

[3] چوہان شہزادے پرتھوی راج اول کا ایک کتبہ آسی (ہانسی) کی فتح کا ذکر کرتا ہے اور یہ کہ ۱۲۲۴ بکری / ۱۱۶۷ھ میں لٹیرے مسلمانوں کے خلاف فوج کی ایک بیرونی قلعہ بند چوکی بنا دیا گیا۔ ملاحظہ ہو انڈین اینٹی کویری ۵ : ۴۱، ص : ۱۸۶/۱۷۔

[4] طبقاتِ ناصری، ص : ۱۲۰۔

[5] سیر الاولیاء، ص : ۶۲۔

مولانا نور ترک[1] جو کہ ایک ممتاز صوفی اور بے مثال مقرر تھے، ہانسی تشریف لاتے
بابا صاحب ان کا وعظ سننے کے لئے گئے۔ اس وقت بابا صاحب پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھے
اور اُن کے چہرے مہرے سے کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ ایک انتہائی مذہبی آدمی ہیں۔ نیز آپ کی

---

[1] مولانا نور ترک ایک شدید مذہبی طبیعت کے آدمی تھے اگرچہ وہ کسی بزرگ کے مرید نہ تھے تاہم
ان کی زندگی صوفیانہ تھی اور غریبی میں ہی گذر بسر کرتے تھے۔ آپ کی روزانہ آمدن ایک دانگ تھی
جو آپ کا آزاد کردہ غلام آپ کو دیتا تھا۔ (اخبار الاخیار ص : ۴۷)۔ ایک دفعہ رضیہ سلطانہ
نے آپ کو کچھ سونا بھیجا مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ (اخبار الاخیار ص : ۴۷)۔ نور ترک
کو اپنے عہد کے علماء کی دُنیا پرستی اور مادّہ پرستی پسند نہ تھی وہ ان کے سونا اور شان و شکوہ
کے لئے لالچ پر اکثر نفرین بھیجتے۔ منہاج جیسے آدمی ایسی تنقید برداشت نہ کر سکتے چنانچہ انہوں نے
ان سے اس طرح بدلہ لیا کہ آنے والی نسلوں کے لئے وہ ان کی ایک بھیانک تصویر کھینچ گئے۔ منہاج
بیان کرتا ہے کہ آپ ملاحدہ کے سردار تھے، (طبقات ناصری، ص : ۱۸۹ - ۱۹۰) رضیہ سلطانہ
کے عہد میں آپ نے جوارِ دہلی، گجرات، سندھ اور دوآب کے لوگوں میں سے مرید اکٹھے کئے جو حنفی
اور شافعی عقائد کی تنقیص کرتے اور سنّی علماء کو ناصبی اور مرجئی کہتے۔ ۷ رجب ۶۳۴ ھ /
۱۲۳۷ ء، ایک ہزار ملاحدہ مسلح ہو کر جامع مسجد میں دو طرف سے جا گھسے اور کچھ مسلمانوں کو شہید
کر دیا۔ جب بھگدڑ مچی تو شہر میں سے کچھ آدمی نصیر الدین بلرمی اور امام ناصر ہتھیاروں سے مسلح
ہو کر آ گئے اور وہ ملاحدہ سے لڑتے رہے جبکہ مسجد سے مسلمان پتھر مارتے رہے (طبقات ناصری
ص : ۱۸۹-۱۹۰)۔ یہ بلوے کے بارے میں منہاج کا خیال ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ مولانا
نور ترک کا اس بلوے سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ منہاج نے خواہ مخواہ اس بلوے کا الزام آپ کے
سر تھوپ دیا ہے جبکہ آپ اس کے ذمہ دار نہ تھے۔ میرے دعویٰ کہ آپ ملاحدہ میں سے نہ تھے،
کا انحصار مندرجہ ذیل باتوں پر ہے : (۱) شیخ نظام الدین اولیاءؒ آپ کے بارے میں (باقی آئندہ صفحہ پر)

مولانا نور ترک سے کوئی ذاتی شناسائی بھی نہ تھی لیکن جونہی آپ نے مسجد میں قدم رکھا تو مولانا نور ترک نے بآوازِ بلند کہا "مسلمانوں صدرِ اہلِ سخن آگیا ہے"۔ سب لوگ اشتیاق سے حضرت باباصاحب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے بعد مولانا نور ترک نے باباصاحب کی تعریف کے پل باندھ دیئے۔ بڑھاپے میں باباصاحب اپنے مریدوں کو بتایا کرتے تھے کہ مولانا نور ترک نے ان کی تعریف میں ایسے الفاظ استعمال کیے جو وہ کسی بادشاہ کی تعریف میں بھی نہ کرتے[1]۔

مولانا نور ترک کی تقریر سے باباصاحب کی شہرت ہانسی میں پھیل گئی اور آپ کے پاس زائرین کا تانتا بندھ گیا۔ ہانسی ہی میں شیخ جمال الدین آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے[2]۔ وہ بابا

(بقیہ گذشتہ صفحہ) فرماتے ہیں کہ آپ بارش کے پانی سے زیادہ پاک تھے۔ (از آبِ آسمان پاکیزہ تر بُود)۔ ملاحظہ ہو: فوائد الفواد، ص: ۱۹۹۔ (۲) ایک ملحد عالم کا ذکر امیر خورد اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے علماء احترام سے نہ کرتے۔ مثلاً "مولانا ترک"۔ (۳) اگر آپ ملحد ہوتے تو شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کبھی نہ کرتے۔ (۴) رضیہ سلطانہ کو ایک ملحد کو روپیہ بھیجنے کا کبھی خیال نہ آتا کیونکہ سُنّی حکمرانوں کی جو خلافت عباسیہ کی اطاعت گذار تھے۔ یہ اعلانیہ حکمتِ عملی تھی کہ ملحدین و کفار کے خلاف سخت ترین اقدام کرتے تھے۔ (۵) اگر نور ترک ملحد ہوتے تو باباشیخ فریدؒ آپ کا وعظ سننے کبھی نہ جاتے۔ سُنّی صوفیاء کے قرونِ وسطیٰ کے ادب میں ایک مثال بھی کسی ملحد عالم کے ساتھ صحبت کی نہیں ملتی۔ (۶) برصغیر پاک و ہند کو چھوڑنے کے بعد نور ترک مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں رہے۔ مکہ ایسے مقدس شہر میں کسی ملحد کو اس طرح رہنے کی اجازت نہ ملتی۔

[1] فوائد الفواد، ص: ۱۹۹۔۲۰۰

[2] جمالی بیان کرتا ہے کہ شیخ کی دہلی سے واپسی کے تھوڑی دیر بعد جمال الدین کو اپنے مرشد سے خرقۂ خلافت مل گیا۔ ص: ۳۳۔

صاحبؒ کے بڑے چہیتے مرید تھے اور اُن کی وجہ سے بابا صاحبؒ بارہ سال[1] تک ہانسی میں قیام پذیر رہے۔ حتمی طور پر اس بات کا تعین کرنا بہت مشکل ہے کہ بابا صاحبؒ حقیقتاً ہانسی میں کتنا عرصہ قیام پذیر رہے۔ غالباً بابا صاحبؒ کا ہانسی میں قیام اُنیس بیس برس رہا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے چند سال بعد انہوں نے ہانسی کو چھوڑا۔

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۱۷۸۔

باب : ۷
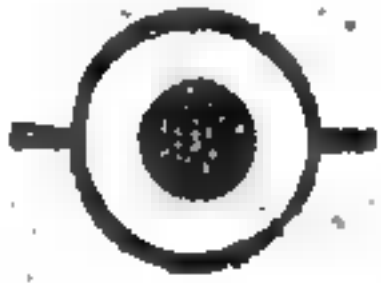
سربراہِ سلسلہ چشتیہ

جب بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے دہلی چھوڑ کر ہانسی میں قیام پذیر ہونے کی اجازت چاہی تو خواجہ صاحبؒ نے بچشم پُرنم فرمایا :

"مولانا فرید الدین ! مجھے معلوم ہے کہ آپ ہانسی چلے جائیں گے ۔"

بابا صاحبؒ نے عرض کی کہ جیسے شیخ حکم دیں گے وہ ویسے ہی کریں گے ۔ خواجہ صاحبؒ نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا : "جاؤ ہماری وفات کے وقت آپ موجود نہ ہوں گے۔"[1] اس کے بعد خواجہ صاحبؒ نے جملہ حاضرین کو فاتحہ پڑھنے کے لئے فرمایا تا کہ بابا فریدؒ کو روحانی مدارج علیا عطا ہوں اور ساتھ ہی آپ نے بابا صاحب کو اپنا مُصلیٰ خاص اور عصا عطا فرمایا ۔ بابا صاحب کو رخصت کرتے وقت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ وہ اپنا خرقہ ، دستار اور چوبی چپل[2] قاضی حمید الدین ناگوری

---

[1] سیر الاولیاء ، ص : ۷۳ ۔

[2] یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خرقہ ۔ دستار ، عصا اور نعلین چوبیں تصوّف کا "ساز و سامان شاہی" ہوتا ہے ۔ وصال کنندہ درویش اپنے مریدوں میں سے بہترین مُرید کے حوالے یہ اشیاء کرتا ، ایسا مُرید جس کو وہ سمجھتا کہ اس کی وفات کے بعد سلسلہ کی تنظیم کو چلا سکے گا ۔ یہ اشیاء بعد ازاں بابا فریدؒ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حوالے کر دیں جنہوں نے اپنی باری پہ یہ اشیاء شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے حوالے کر دیں ۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی رائے میں ان کا کوئی مُرید سلسلہ کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہ تھا ۔ چنانچہ انہوں نے یہ اشیاء کسی کو نہ دیں بلکہ اپنے مریدوں کو وصیت کی کہ یہ اشیاء ان کے ساتھ ہی دفن کر دی جائیں ۔ خیر المجالس ص : ۲۸۷ ۔

کے پاس چھوڑ جائیں گے جو اُن کی وفات کے پانچویں روز بابا صاحب کو مل جائیں گی۔ پھر خواجہ صاحبؒ نے بابا صاحب کو ان الفاظ سے الوداع کہا کہ "میرا مقام تیرا مقام ہے۔" خواجہ صاحب کے ان الفاظ نے آپ کی جانشینی کے بارے میں قطعی فیصلہ کر دیا۔ شیخ بدرالدین غزنوی اور چند دیگر درویش جو خواجہ صاحبؒ کی جانشینی کی آس لگائے بیٹھے تھے، سخت مایوس ہوئے مگر خواجہ صاحب کا فیصلہ اٹل تھا اور اُن کا فرمان حرفِ آخر۔ جس رات حضرت خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکیؒ نے رحلت فرمائی بابا فریدؒ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اُنہیں بُلا رہے ہیں۔ علی الصبح آپ دہلی کے لئے روانہ ہو پڑے۔ جس قاصد کو خواجہ صاحب کی وفات کی اندوہناک خبر بابا فرید رحمۃ اللہ کو پہنچانے کے لئے بھیجا گیا وہ بابا صاحب کو راستے ہی میں ملا۔ بابا صاحب بعجلت تمام دارالخلافہ کو روانہ ہوئے اور چوتھے روز پہنچ گئے قاضی حمیدالدین ناگوریؒ نے جملہ متصوفانہ سامان بابا صاحب کے سپرد کیا۔ بابا فریدؒ نے دوگانہ ادا کیا اور خرقہ پہن کر اپنے مرشد کے گھر پہنچے اور وہاں جا کر اُن کی جائے نشست پر بیٹھ گئے[1]۔ خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بھی خواہش تھی کہ ان کی وفات کے بعد بابا صاحب ان کی بیوہ سے عقد کر لیں مگر بابا صاحب نے اس بارہ میں معذوری ظاہر کر دی[2]۔

بحیثیتِ سربراہِ چشتیہ بابا صاحب کو دارالخلافہ میں قیام کے دوران بڑے دلچسپ تجربات ہوئے۔ اُب تک تو وہ دارالخلافہ کے شور و شغب سے پرے پنجاب کے ایک دُور اُفتادہ گوشے میں زندگی گذار رہے تھے لیکن اَب دہلی میں دُنیا ہی مختلف تھی۔ ہانسی میں جو امن و سکون اُنہیں حاصل تھا دہلی میں وہ کہاں؟ ہر روز آپ کو دعوتوں میں مدعو کیا

---

[1] فوائد الفواد، ص: ۱۸۷-۱۸۸، سیر الاولیاء، ص: ۷۲-۷۴۔

[2] خیر المجالس، ص: ۸۹۔

جاتا اور آپ کا بہت سا وقت بیکار اور بے معنی مصروفیات میں ضائع ہو جاتا۔ آپ جلد ہی اس زندگی سے اُکتا گئے[1]۔ ہر روز وہ دہلی چھوڑ دینے کا ارادہ کرتے مگر کوئی فیصلہ نہ کر پاتے حتیٰ کہ مندرجہ ذیل واقعہ نے آپ کو دہلی چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔

سرہنگا[2] نامی ایک آدمی ہانسی سے دہلی آیا۔ وہ ہر روز بابا صاحب کی ملاقات کیلئے آتا مگر دربان اسے اندر نہ گھسنے دیتا۔ ایک روز جب بابا صاحب باہر تشریف لاتے[3] تو سرہنگا نے، جو کہ ایسے موقعہ کی تلاش میں تھا آپ کے پاؤں پر سر رکھ کر رونا شروع کر دیا اور کہا[4] ہانسی میں تو آپ سے ملنا اس قدر مشکل نہ تھا جتنا کہ یہاں ہو گیا ہے۔ یہ سُنکر بابا صاحب پر رِقّت طاری ہو گئی اور آپ نے اسی وقت ہانسی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ بابا صاحب کے دہلی میں احباب و معتقدین کو آپ کے اس اچانک فیصلہ پر سخت تعجب ہوا۔ انہوں نے بابا صاحب سے عرض کیا کہ شیخ قطب الدینؒ نے تو آپ کے سپرد یہ جگہ کی تھی پھر آپ نے کسی اور جگہ کو کیوں پسند فرمالیا؟ - آپ نے فرمایا :

"میں شہر میں رہوں یا دشت و صحرا میں، مُرشد کی دعا و برکت

---

[1] سیر العارفین، ص : ۳۳ -

[2] فوائد الفواد، ص : ۱۸۸، سیر الاولیاء ص : ۷۳، سرہنگا کے بارے میں نہ امیر خورد نے اور نہ امیر حسن نے کوئی تفصیل دی ہے۔ جمالی اور غلام معین الدین کہتے ہیں کہ وہ ایک مجذوب تھا۔ اس کا نام ایک غیر مسلم یا نومسلم کا دکھائی دیتا ہے۔ سرہنگا چھاؤنی کا ایک افسر ہوتا تھا (ریورٹی، ص : ۱۰۳) یا وزارتِ مالیہ کا (برنی، ص : ۲۸۸)۔ بعد میں وہ اسی نام سے بھی پکارا جانے لگا ہوگا۔ گکھڑوں میں بعدازاں یہ نام عام پایا جاتا تھا۔

[3] جمالی کہتا ہے کہ شیخ جمعہ کی نماز کیلئے باہر تشریف لاتے۔ سیر العارفین، ص : ۳۳ -

[4] سیر الاولیاء، ص : ۷۳، فوائد الفواد ص : ۱۸۸ -

ہمیشہ شاملِ حال رہے گی"۔

ہو سکتا ہے کہ سرہنگا کا واقعہ بابا صاحب کے دہلی چھوڑ دینے کی فوری وجہ بنا ہو لیکن اس کے علاوہ بھی ایسی وجوہ تھیں جنہوں نے بابا صاحب کو اس فیصلے پر مجبور کر دیا۔ وہ دہلی میں رہ کر اپنے دوست شیخ بدرالدین غزنوی کے ساتھ کسی نامناسب رقابت یا منافقت کو دعوت نہیں دینا چاہتے تھے خاص کر جبکہ شیخ بدرالدین سارا عرصہ دہلی میں رہے تھے اور اُن کے مرشدِ گرامی کے ساتھ شریکِ کار رہے تھے۔ بابا صاحب نے یہ بہتر سمجھا کہ وہ دہلی شیخ بدرالدین غزنوی کے لئے چھوڑ دیں تاکہ کوئی کشمکش پیدا نہ ہو۔ بابا صاحب کا دہلی چھوڑ دینا سلسلہ چشتیہ کے وسیع تر مفاد میں ایک نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ آپ کے جانے کے بعد دہلی کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ دارالخلافہ سے دور دراز مقام پر قیام ایک مدبرانہ فیصلہ تھا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کی وفات کے چند ماہ بعد سلطان التمش بھی راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ اس کی وفات کے بعد ترک اُمرار کی سیاسی سازشوں نے نہ صرف شاہی اقتدار کو کمزور کر دیا بلکہ سماجی زندگی کا شیرازہ بھی بکھیر دیا۔ ہر ایک ترک امیر نے چند علمار کو ملازم رکھا ہوا تھا جو اُس کے حق میں رائے عامہ کو اُبھارتے رہتے۔ اس طرح جو عالم کسی امیر کے ساتھ منسلک ہو جاتا اُس کی قسمت کا مدّوجزر بھی اس امیر کے قسمت کے اُتار چڑھاؤ سے وابستہ ہو جاتا۔

اس سازش آلودہ فضا میں کسی ولی اللہ کا سیاست سے کنارہ کش رہنا ناممکن تھا شیخ بدرالدین غزنوی ملک نظام الدین خریطہ دار (خزانچی) سے وابستہ ہو گئے۔ ملک نظام الدین نے آپ کے لئے ایک خانقاہ تیار کرا دی اور آپ کے جملہ اخراجات کا کفیل بن گیا۔ ان مراعات کو قبول کر کے شیخ بدرالدین غزنوی نے سلسلہ چشتیہ کی روایات سے انحراف کیا تھا تاہم دہلی کے سازشی ماحول میں شیخ بدرالدین غزنوی نے کوئی اذکھا

قدم نہیں اُٹھایا تھا۔[1] بہرحال اَب شیخ کے لئے اپنے کئے کے انجام سے کوئی مفر نہ تھا۔ ملک نظام الدین ایک غبن کے مُقدّمہ میں ماخوذ ہوا اور اُس کی تباہی شیخ بدرالدین غزنوی کو بھی لے ڈُوبی۔ انتہائی پریشانی اور کرب کی حالت میں شیخ بدرالدین غزنوی نے بابا صاحب کو لکھا:

"دیوان صاحب کے ایک مُلازم نے درویشوں کے رہنے کیلئے ایک خانقاہ تعمیر کی۔ اَب اس کے خلاف غبن کا مُقدّمہ بن گیا ہے۔ مَیں بہت پریشان و بے چین ہُوں۔ خدارا اس کی رہائی اور درویشوں کی بہتری کے لئے دعا کریں"

باباصاحب نے جواب لکھا:

"جو کوئی اپنے مُرشد کے اُصولوں پر نہیں چلتا اُسے ایسی تکلیفات اور پریشانیوں سے سابقہ پڑتا ہے جس سے اس کا دل بے چین رہتا ہے۔ ہمارے بزرگانِ دین سے کب کسی نے اپنے رہنے کے لئے آپ کی طرح خانقاہ بنائی تھی؟۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور اُن کے پیرو مُرشد خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ خانقاہ بنا کر دکانداری نہیں چلایا کرتے تھے۔ جہاں کہیں بھی وہ گئے یا قیام پذیر ہوئے اُنہوں نے اپنے آپ کو عامۃ النّاس

---

[1] بابا فریدرحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ اگرچہ صحیح معنوں میں متوکل تھے تاہم انہوں نے دہلی میں ایک مسجد کی امامت قبول فرمائی جو کہ ایک ترک نے بنائی تھی اور جو اس کا نگران بھی تھا۔ اُس ترک نے آپ کو ایک مکان بھی دیا۔ مگر شیخ نجیب ایک با اصول آدمی تھے۔ اس ترک امیر نے اپنی لڑکی کی شادی پر ایک لاکھ جتیل خرچ کر دیئے۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے اس اسراف پر اعتراض کیا تو آپ ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے فوائدالفواد، ص: ۷۹، سیرالاولیاء ص: ۷۸۔

سے اخفا میں رکھا۔[1]"

بابا صاحب شیخ بدرالدین غزنوی پر اسی الزام وہی میں حق بجانب تھے اور غالباً آپ کے سیاست سے الگ رہنے کے ارادے نے ہی آپ کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کیا۔

---

[1] فوائد الفواد ص : ۷۹ ، خیر المجالس ، ص : ۱۶۸ ۔

باب ۸:

ورودِ اجودھن

اگرچہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ باباصاحبؒ کو اپنا جانشین مقرر فرما گئے تھے، تاہم باباصاحبؒ کی اپنی منازل ابھی مکمل نہ ہوئی تھیں، وُہ ہمہ وقت کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں وہ امن و سکون کے ساتھ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہ سکتے۔ جب مولانا نور ترک کی مدح نے آپ کو ہانسی میں مشہور کردیا تو آپ کھتوال چلے گئے۔ جونہی زائرین کا کھتوال میں ہجوم ہوا آپ اجودھن تشریف لے گئے جہاں آپ وفات تک قیام پذیر رہے[1]

اجودھن (موجودہ پاکپتن شریف[2]) ایک قدیم شہر تھا جس کا نام یودھیہ (موجودہ جوہیا[3]) قبیلے کے نام پر پڑ گیا۔ یہ دو وجوہات کی بنا پر بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اوّلاً، دریائے

---

[1] امیر خورد بیان کرتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق باباصاحب اجودھن میں سولہ برس قیام پذیر رہے اور ایک دوسری روایت کے مطابق چوبیس سال رہے۔ حتیٰ کہ وہیں وفات پائی۔ (سیر الاولیا، ص: ۶۳)۔

[2] "پاک پتن شریف کا جدید نام (پاکدامنوں کا گھاٹ) بابا فریدؒ کے نام پر پڑ گیا ہے جو برعظیم پاک و ہند کے شمالی علاقے کے سب سے مشہور زاہد تھے اور جنہوں نے سارے جنوب مغربی پنجاب کو حلقہ بگوش اسلام کیا تھا۔" ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر دی امپیریل گزیٹر آف انڈیا، ج: ۱۰، ۱۸۸۶ طبع دوم، ص: ۵۳۲، مزید دیکھیں کننگھم کی اینشنٹ ہسٹری آف انڈیا، ص: ۲۵۰ - ۲۵۱۔

[3] دی امپیریل گزیٹر آف انڈیا (طبع جدید ۱۹۰۸) ج: ۱۹، ص: ۳۲۲، ۳۲۳۔

ستلج پر کشتیوں کا یہ سب سے بڑا گھاٹ تھا۔ ثانیاً، ڈیرہ غازی خان سے ڈیرہ اسمٰعیل خان جانے والی سڑکوں کا یہ سنگم تھا لیکن اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ جو جگہ بابا صاحب نے اپنے لئے چُنی وہاں پسماندہ ہندو قبائل[1] بستے تھے۔ اس جگہ کے اردگرد ریگستان تھے۔ ہر جگہ سانپوں اور درندوں کا دَور دَورہ تھا۔ بابا صاحب کو بھی ایک سانپ نے ڈس[2] لیا جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ کو اجودھن کے قریب ایک درندے نے پھاڑ کھایا۔ یہاں کے باشندوں کے عقائد نہایت گھٹیا[3] تھے۔ وہ ان پڑھ، بدمزاج[4] اور ضعیف الاعتقاد[5] تھے۔ ایک ولی اللہ کے عزلت میں ریاضت و مجاہدہ کیلئے اس سے بہتر اور پُرسکون کوئی جگہ نہ ہو سکتی تھی۔ شہر کے باہر درختوں کے جھنڈ کے نیچے آپ نے اپنا مُصلّٰی بچھا لیا۔ کچھ عرصہ تک آپ کی عبادت و ریاضت میں کوئی شخص مخل نہ ہوا۔ جلد ہی آپ کا مجاہدہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ عزلت صحبت میں بدل گئی آپ کے گھر کا دروازہ ہر کس و ناکس کے لئے کھول دیا گیا۔ آپ نے زائرین کا ہجوم دیکھ کر فرمایا

"میرے پاس اکیلے اکیلے آؤ تاکہ میں ہر شخص کو توجہ[6] دے سکوں"

اجودھن میں قیام کے بعد سب سے پہلے بابا صاحب نے اپنے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل رہ کو کھتوال سے والدہ صاحبہ کو لانے کے لئے بھیجا۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ کھتوال

---

۱ سیر الاولیاء ص: ۸۰، ۸۱۔

۲ سیر الاقطاب ص: ۱۶۸۔

۳ خیر المجالس ص: ۱۸۸، سیر العارفین ص: ۳۳، اخبار الاخیار ص: ۵۱، گلزار ابرار (خطی)

۴ سیر الاقطاب ص: ۱۶۸، کچھ تذکروں میں بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کا بزرگوں پر اعتقاد نہ تھا، یعنی مسلمان بزرگوں پر۔

۵ خیر المجالس ص: ۸۹، سیر العارفین ص: ۳۳۔

۶ فوائد الفواد، ص: ۶۸، سیر العارفین، ص: ۳۴۔

پہنچے۔ عمر رسیدہ والدہ کو گھوڑے پر بٹھایا اور اجودھن کی راہ لی۔ راستہ میں ایک ریگستان سے گذرتے وقت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کو پیاس محسوس ہوئی انہوں نے والدہ صاحبہ کو ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لئے کہا اور خود گھوڑے پر پانی کی تلاش میں نکلے۔ جب واپس پہنچے تو والدہ صاحبہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ہرچند انہوں نے ہر طرف تلاش کیا مگر بے سُود۔ غم بھرے دل کے ساتھ بالآخر وہ اپنے بڑے بھائی کے پاس لوٹ آئے۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ والدہ صاحبہ کی وفات کا سوگ منایا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا پھر اسی ریگستان سے گذر ہوا۔ ان کی والدہ کے دردناک انجام نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ غمگین آنکھوں سے ہر سُو نگاہ ڈالتے کہ شاید ان کی والدہ کے گم ہونے کا معمّہ حل ہو جائے۔ یکدم ان کی نگاہ کچھ ہڈیوں پر پڑی۔ اُنہوں نے اپنے آپ سے کہا "یہ میری والدہ کی ہڈیاں ہیں" اور پھر انہیں ایک تھیلے میں ڈال کر بھائی کے پاس لے آئے۔ بابا صاحب نے کہا کہ ان ہڈیوں کو میرے جانماز پر ڈال دو۔ لیکن جب تھیلا کھولا گیا تو اس میں کچھ بھی نہ تھا۔[1]

حضرت بابا فرالدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت اب پھیلنا شروع ہو گئی تھی جنہیں کہ برصغیر پاک و ہند کی حُدود عبور کر کے دُور دراز ملکوں سے لوگوں کو کھینچ لائی۔ لیکن بابا صاحب اجودھن میں بڑی سخت زندگی گذار رہے تھے۔ مقامی شہریوں اور افسران کے ہاتھوں انہیں کئی مصائب برداشت کرنا پڑے۔ علمائے ظاہر کے لئے اُن کی شہرت اور ہر دلعزیزی ناقابلِ برداشت تھی۔ اجودھن کے قاضی صاحب آپ سے حسد رکھنے لگے اور اُن کی انگیخت پر جاگیرداروں اور دُوسرے سرکاری و نیم سرکاری افسروں نے بابا صاحب کے افرادِ خاندان کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ بزرگانِ دین کی روِش کے مُطابق بابا صاحب اس امتحان میں

---

[1] فوائد الفواد ص: ۱۲۲ - ۱۲۳، اخبار الاخیار ص: ۲۸۷ - ۲۸۸، معارج الولایت (خطی)

بھی پُورے اُترے اور سب کچھ غیر معمولی تحمل کے ساتھ برداشت کر گئے۔ لوگوں سے اُلجھنا یا اُن سے تنازعہ کرنا آپ کا اصُولِ زندگی نہ تھا۔ جب قاضی صاحب کی بابا صاحب کو اِشتعال دلانے کی ہر کوشش بابا صاحب کی متحمل مزاجی کے سبب ناکام ہو گئی تو انہوں نے علمائے ملتان سے بابا صاحب کے بارے میں ان الفاظ سے فتویٰ مانگا:

"ایک تعلیم یافتہ شخص جو دین رہتا ہے۔ گانا سُنتا ہے اور ناچتا بھی ہے۔ آپ کی اس بارہ میں کیا رائے ہے"؟

اِن مختصر کوائف پر علماء نے فتویٰ دینے سے گریز کیا اور انہوں نے قاضی صاحب سے کہا کہ سب سے پہلے ہمیں یہ بتائیں کہ وہ شخص ہے کون جس کے بارے میں آپ فتویٰ مانگتے ہیں جب انہوں نے بابا فرید صاحبؒ کا نام سُنا تو کہا:

"تم نے ایسے بزرگ کے بارے میں پُوچھا ہے جس کے خلاف کوئی مجتہد اُنگلی تک نہیں اُٹھا سکتا"۔[1]

مایوس اور دھتکارے ہوئے قاضی اجودھن واپس لوٹ آئے مگر بجائے اس کے کہ یہ دھتکار ان کے عناد کو ٹھنڈا کرتی اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور وہ بابا صاحب کے خلاف دشمنی میں اور بھی تیز ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے بابا صاحب کو شہید کرانے کے لئے ایک کرائے کے قاتل کا انتظام کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں:

"ایک دن شیخ الاسلام فریدالدینؒ صبح کی نماز کے بعد سجدہ میں گر گئے۔ وہ اکثر اس طرح سجدہ میں کچھ وقت گزارا کرتے تھے۔ چونکہ موسم سخت سرد تھا، آپ پر ایک پوستین ڈال دی گئی۔ اس وقت بابا صاحب کے پاس میرے سوا کوئی خادم موجود نہ تھا۔ اچانک ایک آدمی آیا اور اس نے زور سے

---

[1] فوائد الفواد ص: ۹۶، سیر العارفین، ص: ۴۳۔

السلام علیکم کہا کہ بابا صاحب بھی چونک پڑے اور پوچھا کہ کون ہے ؟ میں نے جواب دیا کہ حضور میں ہوں ، اس پر بابا صاحب نے فرمایا جو شخص آیا ہے وہ درمیانے قد اور ہلکے زرد رنگ کا ترک ہے ۔ جب میں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو وہ ہو بہو ویسا ہی تھا جیسے بابا صاحب نے فرمایا تھا ۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور یہ شخص ایسا ہی ہے پھر بابا صاحب نے پوچھا کہ اس کی کمر پر زنجیر ہے ۔ جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی کمر پر زنجیر بھی تھی ۔ میں نے جواب دیا کہ حضور زنجیر بھی موجود ہے ۔ پھر آپ نے پوچھا کیا اس نے کانوں میں کچھ پہن رکھا ہے ؟ چنانچہ میں نے جواب دیا کہ حضور اس کے کانوں میں بالیاں ہیں ۔ ہر دفعہ جب میں اس کی طرف دیکھتا تھا ، اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ۔ چنانچہ بابا صاحب نے فرمایا کہ اس سے کہو ذلیل ہونے سے پیشتر یہاں سے چلا جائے ۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ وہ شخص سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اٹھا اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا[۱]"

اس کوشش میں بھی ناکام ہونے کے بعد قاضی صاحب نے بابا صاحب کے فرزندوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا ۔ جب انہوں نے بابا صاحب سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا : "تم عنقریب دشمنوں سے نجات پاؤ گے ۔" چنانچہ کچھ عرصہ بعد بابا صاحب کے جملہ دشمنان تتر بتر ہو گئے اور جو رہ گئے وہ آپ کے حلقۂ ارادت سے منسلک ہو گئے[۲]۔

---

[۱] فوائد الفواد ، ص : ۱۵۳ ؛ سیر العارفین کے مصنف کا کہنا ہے کہ اس شخص نے بغل میں ایک کھلا خنجر چھپا رکھا تھا اور یہ کہ اسے قاضی صاحب نے ملازم رکھا ہوا تھا ۔ ص : ۲۴-۲۵ ؛ جمالی اس قاتل کو قلندر بتاتا ہے (ص : ۲۵) ؛ امیر حسن اسے ترک بتاتا ہے (ص : ۱۵۳) ۔

[۲] جمالی کہتا ہے کہ یہ شکایات سن کر بابا صاحب نے اپنے لڑکوں کو نصیحت کی : (باقی آئندہ صفحہ پر)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ قاضی صاحب کے جانشین نے بھی بابا صاحب کی طرف اپنے پیش رو کا رویہ جاری رکھا۔ اس نے اجودھن کے حاکم کو بھی بابا صاحب کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے اُبھارا۔ چنانچہ حاکم اور قاضی صاحب دونوں بابا صاحب کے دشمن ہو گئے۔ حاکم نے بابا صاحب کے فرزندوں کو پریشان اور تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ایک روز آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے نے انتہائی بے بسی اور مظلومیت کے عالم میں آپ سے کہا :

"آپ کے روحانی فضل و کمال کا ہمیں صرف اتنا فائدہ پہنچا ہے کہ حاکم نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔"

اس بات سے بابا صاحب کے دل کو ٹھیس لگی اور انہوں نے اپنا عصا زمین پر دے مارا۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ بیان کرتے ہیں کہ اِدھر عصا زمین پر لگا اُدھر حاکم کے پیٹ میں زبردست درد اُٹھا وہ درد میں چلایا، "مجھے شیخ فریدالدین کے پاس لے چلو۔" تھوڑے عرصہ بعد وہ فوت ہو گیا۔[۱]

بابا صاحب بڑی سخت زندگی بسر کرتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی طرح، جو کہ بابا صاحب کے دوست اور ہمعصر تھے، بابا صاحب کے ہاں تموّل و فراوانی کا نشان تک نہ تھا۔ اُن کی زندگی عسرت و مفلسی کی زندگی تھی۔ زندگی کے آخری ایّام میں وہ بہت ہی تنگ دست ہو گئے تھے۔ فتوح کی آمد بند ہو گئی جبکہ آپ کا کنبہ بہت بڑھ گیا تھا لیکن ان سب مشکلات کے درمیان بابا صاحب کا قلبی سکون غیر متاثر رہا۔ آپ کے ساتھی بھی آپ کی طرح سخت جان اور ہر حالت میں اپنے مرشد کا بڑھ چڑھ کر ساتھ دیتے تھے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ) "جو در رو جفائی ایشاں بجنبید کر کشندہ باشد" سیر الاولیاء، ص : ۴۴۔

[۱] خیر المجالس، ص : ۱۸۲۔

باب ۹:

گھریلو زندگی

دربار کے جاہ و حشم اور ٹنطنے سے دُور بابا صاحب بڑی مسجد اجودھن کے قریب ایک مٹی اور گارے کی چھپّر نُما عمارت میں رہائش پذیر تھے یہیں دن رات وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور رُوحانیت سے محروم لوگوں کے مسائل حل کرتے۔ ان کی زندگی مفلسی، نفس اور گناہ کے خلاف ایک مسلسل جہاد تھی۔ بارہا سُلطانوں اور وزیروں نے آپ کو اپنے اخراجات کے لئے جاگیریں پیش کیں مگر انہوں نے نہایت مستقل مزاجی سے ان جاگیروں کو ٹھکرا دیا اور باوجود کثیر العیال ہونے کے انہوں نے فاقہ کشی کو ترجیح دی مگر اپنے بزرگوں کی روایات سے انحراف گوارا نہ فرمایا۔

بابا صاحب کا گھر:

جب بابا صاحب کا کُنبہ بڑھا تو آپ نے ان کے لئے ایک کچّا مکان تعمیر کر دیا۔[1] بعد میں ایک عقیدت مند نے آپ کے فرزندوں کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اس مکان کو کچّی اینٹوں سے دوبارہ بنانے کی اجازت دے دیں۔ لیکن بابا صاحب اِس مکان میں دمِ واپسیں تک رہے آپ کی زندگی میں ایک اور معتقد نے بھی اجازت چاہی کہ آپ کے لئے پکّی اینٹوں کا مکان بنا دے مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ "مسعود اینٹ پر اینٹ نہیں رکھے گا۔"[2]

---

[1] سیر العارفین، ص: ۲۴۔ مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۵۵۰

[2] سیر الاولیاء، ص: ۹۰۔

باباصاحب کا کنبہ

باباصاحب کی متعدد بیویاں تھیں۔ آپ کثیر العیال تھے۔ سیر الاولیا میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ انہیں خواجہ نظام الدین اولیا نے بتایا کہ بابا فرید الدین کی کئی ایک بیویاں تھیں (حرم بسیار بود)[1]۔ خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مطابق باباصاحب کی دو یا تین بیویاں تھیں (دو حرم بود یا سہ حرم بودند)[2]۔ باباصاحب جملہ بیویوں کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کرتے۔[3] تاہم اتنے بڑے کنبہ کی پرورش باباصاحب کے لئے کافی ٹیڑھا مسئلہ ہوگی خاص کر آپ کے آخری ایام میں جب فتوح کی آمد تقریباً بند ہو گئی تھی، اکثر اوقات کنبہ فاقے سے رہتا۔ خادمہ آتی اور کہتی "خواجہ! آپکے اس بچے کو دو دن سے فاقہ ہے" یا "آپ کی اس زوجہ کو دو دن سے فاقہ ہے"۔ مگر ان اطلاعات سے باباصاحب کا سکون دل غیر متاثر رہتا۔ جیساکہ شیخ نصیر الدین بیان کرتے ہیں کہ ایسی سب اطلاعات باباصاحب کے لئے ہوا کے جھونکوں کی مانند تھیں، ادھر سے آئے اور اُدھر چلے گئے۔[4]

ایک دن آپ کی ایک زوجہ نے کہا، "خواجہ آج میرا ایک بچہ فاقہ سے جاں بحق ہونے والا ہے"۔ باباصاحب نے جو کہ استغراق کے عالم میں تھے، سر اُٹھایا جیسے کہ اس خبر سے

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۶۶ -

[2] خیر المجالس ص : ۸۹ -

[3] سیر الاولیاء ص : ۱۹۴ -

[4] خیر المجالس، ص : ۸۹ : "این سخن بادی بود کہ دریں گوش آمدی وبداں گوش رفتی"

سیر الاولیاء ص : ۶۶، ۶۷ -

انہیں غصہ آ گیا ہو اور کہا :

"بیچارہ مسعود اس معاملہ میں کیا کرے ۔ اگر قدرت نے اس کی موت کا ہی فیصلہ کر رکھا ہے اور وہ فوت ہو جاتا ہے تو اُس کی ٹانگوں کو رسّی باندھ کر باہر پھینک دو اور واپس آ جاؤ۔" [۱]

باباصاحب کے اِس قول کو اُن کی پوری زندگی کے پس منظر میں دیکھنا چاہیئے ۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا قطعاً غلط ہوگا کہ باباصاحب کو اپنی اولاد کی کوئی فکر نہ تھی یا یہ کہ باباصاحب پر اپنے متعلقین کے بارے میں جو فرائض عائد ہوتے تھے وہ اُن کی طرف سے غفلت برتتے تھے ۔ دراصل باباصاحب کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے تھے جب وہ گھریلو مسائل یا دُنیاوی پریشانیوں کو اپنے سکونِ قلب کو تباہ کرنے کی قطعاً اجازت نہ دیتے تھے ۔ [۲]

ایک دن پٹیالی [۳] سے ایک آدمی نے آپ کو آپ کے عزیز ترین فرزند نظام الدین کا سلام پہنچایا ۔ آپ پر اس وقت اس قدر استغراق اور محویت کا عالم طاری تھا کہ وہ اپنے لڑکے کو بھی نہ پہچان سکے اور سلام لانے والے سے بار بار پوچھتے "بھئی کس کا ذکر کر رہے ہو ؟" اس شخص نے آخر بڑی مشکل سے آپ کو یہ سمجھایا کہ اُن کے اپنے بیٹے نے یہ سلام کہا ہے ۔ [۴]

---

[۱] سیرالاولیاء ص : ۶۷ ، اخبارالاخیار ص : ۵۲ ۔

[۲] پروفیسر محمد حبیب اس بات کا دوسرا مطلب لیتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طرح شیخ اپنے گھروالوں کو صبر و رضا کا سبق دیتے تھے ۔

[۳] ضلع ایٹاہ میں ایک چھوٹا سا قصبہ تھا ۔ ابوالفضل آئینِ اکبری میں اسے قنوج سرکار بتاتا ہے (آئینِ اکبری ، مطبع کلکتہ ، ج : ۱ ، ص : ۳۵) ۔ اس وقت یہ دریائے گنگا کے کنارے واقع تھا ۔ (دیکھیں خسرو کا دیباچہ غرۃ الکمال) ۔

[۴] فوائدالفواد ، ص : ۲۲۳ ، ص : ۱۶۰ بھی دیکھیں ۔ باباصاحب نے ایک زائر (باقی آئندہ صفحہ پر)

اِن واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کسی طور درست نہ ہوگا کہ بابا صاحبؒ اپنے افرادِ کنبہ کی طرف سے غافل تھے بلکہ یہ آپ کے انتہائی اِستغراق اور محویت کے عالم کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایسے قصّے بھی کتابوں میں مذکور ہیں جن سے بابا صاحبؒ کی اپنے لڑکوں اور پوتوں کے لئے گہری محبّت و شفقت مترشح ہوتی ہے۔ ایک روز جب آپ اپنی چارپائی پر بیٹھے تھے آپ کا پوتا علاؤالدین جو اس وقت دُودھ پیتا بچّہ تھا، آپ کے پاس آیا اور چارپائی کی ایک پٹی کا سہارا لے کر زمین پر کھڑا ہوگیا۔ بابا صاحبؒ نے اپنے مُنہ سے تھوڑا سا پان نکالا اور علاؤالدین کے مُنہ میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد بابا صاحب چارپائی سے اُٹھ کھڑے ہوئے، وضو کیا اور جاءِ نماز کی طرف جانے لگے تھے کہ دیکھا علاؤالدین جا نماز پر تشریف جائے بیٹھے ہیں اور کھیل میں مست ہیں۔ آپ کے خادم عیسیٰ نے چاہا کہ علاؤالدین جا نماز چھوڑ دیں لیکن بابا صاحب نے عیسیٰ کو منع کر دیا کہ بچّے کے کھیل میں مخل مت ہو۔[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے آخری اَیّام میں بابا صاحبؒ کا کنبہ بہت بڑھ گیا تھا جن میں لڑکے، لڑکیاں، پوتے اور پوتیاں شامل تھیں۔ آپ کے کچھ پوتے آپ کی زندگی ہی میں اجودھن چھوڑ کر اس کے قرب و جوار میں جا بسے تھے۔[2]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) کو جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خانقاہ میں آپ سے مل چکا تھا، بڑی مشکل سے پہچانا۔

[1] سیر الاولیاء، ص: ۱۹۴۔ شیخ نے عیسیٰ کو ہندی زبان میں کہا "عیسیٰ اسے بیٹھے رہنے دو"۔

[2] فوائد الفواد، ص: ۱۴۷: ایک روز بابا صاحب کا ایک پوتا محمد جسے پیار سے "مامن" کہتے تھے اور جو قریب کے ایک گاؤں میں رہتا تھا، بابا صاحب کو ملنے آیا۔ کسی نے بابا صاحب سے شکایت کر رکھی تھی کہ 'مامن' کو شراب نوشی کی عادت ہو چکی ہے۔ جونہی وہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

بابا صاحبؒ کے ملبوسات بستر وغیرہ:

بابا صاحب نے تمام عمر کبھی اچھے کپڑے نہیں پہنے تھے۔ غربت اور طبعی میلان کی بنا پر آپ چیتھڑے پہننے پر مجبور رہے۔ زندگی کے آغاز میں جب شیخ جلال الدین تبریزیؒ آپ کو کھتوال[1] میں ملے تو آپ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بعدازاں جب آپ مولانا نور ترک سے ملے تو اس وقت بھی آپ چیتھڑوں جیسے لباس[2] میں تھے۔ سالہا بعد جب آپ دہلی آئے تو وہاں بھی آپ نے میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے تھے[3]۔ اجودھن میں قیام کے دوران وہ اسی حالت میں رہتے رہے۔ جب کبھی کوئی شخص آپ کو کپڑوں کا نیا جوڑا دیتا تو وہ آپ کسی ضرورت مند کو دے دیتے تھے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ) بابا صاحب کے سامنے آیا۔ بابا صاحب نے پوچھا "محمد ماہن لوگ کہتے ہیں کہ تم منشیات کا استعمال کرتے ہو؟" نہیں جناب، ماہن نے جواب دیا، "میں منشیات استعمال نہیں کرتا لوگوں نے آپ کے پاس غلط شکایت کی ہے۔" بابا صاحب نے جو فطرتِ انسانی پر عمیق نظر رکھتے تھے معاملہ کو طول نہیں دیا اور فرمایا "جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہوگا۔" یہ صرف ماہن ہی جانتا تھا کہ بابا صاحب کے اس فرمان کا مطلب کیا ہے؟ فوائد الفواد، ص ۱۴۷ ۔ ۱۴۸۔

[1] سیر الاولیاء، ص: ۶۴ ۔

[2] سیر الاولیاء، ص: ۶۴ ۔

[3] جب بابا صاحب دہلی میں تھے تو شیخ بدرالدین غزنوی کا ایک وعظ سننے گئے جنہوں نے آپ کی بہت تعریف کی لیکن آپ اس وقت اتنے میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوتے تھے کہ اس اجتماع میں کوئی شخص آپ کو پہچان نہ سکا۔ جب آپ گھر آئے تو ایک شخص نے آپ کو کپڑوں کا ایک نیا جوڑا دیا۔ باباصاحبؒ نے تحفہ قبول فرمالیا اور نئے کپڑے (باقی آئندہ صفحہ پر)

آپ کے پاس کوئی بستر نہ تھا۔ صرف ایک گلیم یعنی کمبل تھا جس پر وہ دن کے وقت بیٹھا کرتے تھے۔ رات کے وقت یہ کمبل ایک ڈھیلی بُنی ہوئی چارپائی پر ڈال لیتے یہ کمبل اتنا چھوٹا تھا کہ یہ ساری چارپائی پر پورا نہ آتا تھا۔ پائنتی کی طرف ایک نمدا رکھ لیا کرتے[1] اگر آپ کمبل کو اوڑھ لیتے تو چارپائی کی پائنتی ننگی رہ جاتی۔ آپ کے پاس کوئی سرہانہ نہ تھا سرہانے کی جگہ اپنے مرشدِ گرامی کا عصا ادب سے چوم کر رکھ لیتے۔

خوراک اور روزے:

بابا صاحبؒ مسلسل روزے[2] رکھتے۔ وہ سحری[3] کے وقت کچھ نہیں کھاتے تھے اور سارا دن کوئی تھکن یا پژمردگی کا اظہار کئے بغیر عبادت کرتے رہتے، ہر قسم کے زائرین کی

(بقیہ گذشتہ صفحہ) زیبِ تن کر لئے مگر فوراً ہی اتار کر شیخ نجیب الدین متوکل کو دے دیئے اور فرمایا: "مجھے اپنے میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑوں میں جو فرحت حاصل ہوتی ہے وہ ان نئے کپڑوں میں کہاں ہے"۔ سیر الاولیاء، ص: ۶۲ نیز دیکھیں اخبار الاخیار ص: ۵۱ — [2] : سید محمد گیسو درازؒ ہمیں بتاتے ہیں کہ بابا صاحب کے پاس ہر وقت چار جوڑے ہوا کرتے تھے پہلا جوڑا وہ خود پہنے ہوتے، دوسرا دھوبی کے پاس دھلنے گیا ہوتا، تیسرا محفوظ رکھا ہوتا تاکہ فوری ضرورت میں وقت پر نماز ادا کرنے کے لئے استعمال ہوسکے اور چوتھا کسی حاجتمند کے لئے رکھا ہوتا۔ جوامع الکلم ص: ۱۵۱، معارج الولایتؒ

---

[1] فوائد الفواد ص: ۵۱، ۵۲، سیر الاولیاء ص: ۶۵، اخبار الاخیار ص: ۵۱۔

[2] فوائد الفواد، ص: ۱۸۴، سیر الاولیاء، ص: ۶۴۔

[3] سیر الاولیاء، ص: ۳۸۹: سحر- دن چڑھنے سے قبل: نیز وہ کھانا جو صبح ہونے سے پہلے کھایا جاتا ہے تاکہ غروبِ آفتاب تک روزہ رکھا جاسکے۔

خبر گیری کرتے۔ افطار کے وقت آپ کے پاس شربت اور منقہ لایا جاتا۔ آپ شربت کا تیسرا حصہ[1] یا آدھا پیالہ نوش فرماتے اور باقی شربت حاضرین میں تقسیم فرما دیتے۔ اس کے بعد گھی میں دو چپڑی ہوئی روٹیاں لائی جاتیں۔ ایک روٹی حاضرین میں تقسیم کر دی جاتی اور دوسری آپ کے سامنے رکھ دی جاتی آپ اس میں بھی دوسروں کو شامل کر لیتے۔ بابا صاحب ہمیشہ جوار[2] کی روٹی کھاتے۔ چوبیس گھنٹوں میں بابا صاحب کی خوراک صرف یہ ایک تہائی پیالہ شربت، منقہ کے چند دانے اور آدھی روٹی ہوتی تھی۔ جب آپ کے جماعت خانہ میں کھانے کے لئے کپڑا بچھایا جاتا تو آپ اپنے مریدوں کے ساتھ کھانے میں شمولیت نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے کہ آپ خود کھانا کھلانے میں مشغول ہوتے تھے۔

بابا صاحبؒ کا روزانہ معمول:

بابا صاحبؒ کی زندگی انتہائی نظم و ضبط کی زندگی تھی، ہر روز کے معمولات ضابطے کے مطابق عمل میں آتے اور ان سے معمولی سا انحراف بھی نہ ہونے پاتا۔ وہ ہر روز[3] غسل فرماتے روزانہ صبح کی نماز کے بعد دو گھنٹے سجدہ ریز رہنا ان کا معمول[4] تھا۔ جب آپ مشغول عبادت ہوتے تو آپ کے حجرے کا دروازہ بند کر دیا جاتا اور جب تک آپ مصروف عبادت رہتے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ ہوتی۔ خلوت میں ان کے جذبات کن کیفیات کے حامل ہوتے کوئی نہیں بتا سکتا۔ وہ سجدہ میں مختلف[5] اشعار

---

[1] فوائد الفواد، ص: ۵۱، سیر الاولیاء، ص: ۶۵، اخبار الاخیار، ص: ۵۱۔

[2] سیر الاولیاء، ص: ۳۸۶۔

[3] سیر الاولیاء، ص: ۳۸۶۔ امیر خورد کی ایک روایت کے مطابق بابا صاحبؒ ہر نماز سے قبل غسل فرمایا کرتے تھے۔

[4] فوائد الفواد، ص: ۱۵۲۔

[5] فوائد الفواد، ص: ۲۳۰۔

سے پڑھتے رہتے۔ نمازِ ظہر کے بعد زائرین کو شرفِ ملاقات بخشتے[1] جب تک ہر زائر کی مشکل سُن نہ لیتے آرام نہ فرماتے۔ وہ فرمایا کرتے تھے :

"جب تک ایک حاجتمند بھی ہمارے دروازے پر موجود ہے، عبادت میں کوئی لُطف نہیں ہو سکتا"

ملاقات کے بعد بابا صاحب اپنے حجرے میں جا کر مشغولِ عبادت ہو جاتے۔ ہر رات افطاری کے بعد آپ شیخ نظام الدین اولیاء کو اگر وُہ اجودھن میں موجود ہوتے طلب فرماتے بعض اوقات مولانا شہاب الدین یا مولانا رکن الدین بھی موجود ہوتے۔ بابا صاحب ان سے دن کے حالات دریافت فرماتے "امروز چہ گذشتہ و چہ حال بود"[2] اور جماعت خانہ کے افراد کے حال پر گہری توجّہ فرماتے۔

بابا صاحب کے ذاتی خُدّام :

شیخ بدرالدین اسحٰق بابا صاحب کے خادمِ اعلیٰ تھے۔ بقول شیخ نظام الدین اولیاء شیخ بدرالدین اسحٰق بابا صاحب کی خدمت اس تندہی[3] اور توجّہ سے کرتے کہ اتنی خدمت دس خدمتگار بھی نہ کر سکتے۔ وہ ہر وقت بابا صاحب کی خدمت میں موجود رہتے۔ جب بابا صاحب حجرہ کا دروازہ بند کر لیتے تو مولانا بدرالدین اسحٰق دروازہ کے باہر بیٹھ جاتے[4]

ایک دفعہ بابا صاحب نے مولانا بدرالدین اسحٰق کو طلب فرمایا۔ اس وقت مولانا نماز پڑھ رہے تھے لیکن بابا صاحب کی آواز

---

[1] سیرالاولیاء ص : ۲۴۲۔

[2] فوائدالفؤاد ص : ۱۶۰۔

[3] سیرالاولیاء ص : ۱۷۷۔

[4] خیرالمجالس ص : ۲۲۴۔

سُن کر نماز ہی میں پکار اُٹھے "لبیک"۔[1]

مولانا بدر الدین اسحٰق کے علاوہ دیگر مُریدین بھی تھے جو بابا صاحب کی ذاتی خدمت بجا لاتے تھے۔ خواجہ احمد سیوستانی وضو کے لئے پانی لاتے اور بابا صاحب کی دُوسری ضروریات کی دیکھ بھال کرتے تھے۔[2] بعض اوقات وہ بابا صاحب کے کپڑے بھی دھو دیتے۔ ایک دفعہ بابا صاحب نے انہیں کپڑے دھو کر لانے کو کہا۔ وہ دریا پر گئے اور کپڑے دھو کر بابا صاحب کے پاس لے آئے۔ بابا صاحب نے انہیں پھر ان کپڑوں کو دھونے کے لئے کہا۔ خواجہ احمد کو محسوس ہوا کہ انہوں نے پہلی بار کپڑے ٹھیک طرح سے نہیں دھوئے کیونکہ انہوں نے کپڑے دھونے کے بعد وضو کیا تھا حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ وضو کر کے کپڑے دھوتے۔ جب وہ دوبارہ کپڑے دھو کر بابا صاحب کے پاس لے گئے تو آپ نے انہیں پھر دھونے کو کہا۔ خواجہ احمد سخت سراسیمہ ہوئے کیونکہ اس دفعہ انہوں نے اپنے مُرشد کے کپڑے دھونے میں ہر قسم کی احتیاط کی تھی۔ انہوں نے دُھلائی میں نقص پر غور کرنا شروع کیا تو دیکھا کہ درخت کی جس شاخ پر وہ کپڑے دھو کر ڈال دیتے رہے ہیں وہ ناپاک تھی۔[3]

ایک مُرید عیسیٰ نامی تھا جو بابا صاحب کے نجی قسم کے کام کیا کرتا تھا۔ امیر خورد اُس کی بابت لکھتے ہیں[4]:

"عیسیٰ در خلوت خدمت کردی و حرمی راکہ نوبت او بودی

---

[1] فوائد الفواد ص : ۲۳۱

[2] ایک دفعہ خواجہ مشک نہ اٹھا سکے کیونکہ ان کی کمر میں سخت درد تھا۔ بابا صاحب نے انہیں بلایا اور ان کی کمر پر اپنا ہاتھ رکھا۔ امیر خورد بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد خواجہ کو اپنی طویل عمر میں کبھی درد نہ ہوا۔ سیر الاولیاء ص : ۸۶

[3] سیر الاولیاء ص : ۸۹۔

[4] سیر الاولیاء ص : ۱۹۴۔

بخدمت شیخ شیوخ العالم فرستادی و نوبت این شغل نگاہداشتی تا عدل دریں کار مرعی ماند۔"

امیر خورد نے اخی مبارک[1] باباصاحب کے ایک غلام کا بھی ذکر کیا ہے اس کے ذمے کیا کام تھا تفصیل معلوم نہیں۔

قبرستان میں عبادت:

باباصاحب اکثر شہر کے باہر قبرستان میں جہاں بہت سے شہداء محوِ استراحت تھے[2] جا کر عبادت کیا کرتے۔ ایک دفعہ باباصاحب سخت بیمار پڑ گئے۔ آپ نے شیخ نظام الدین اولیاؒ اور چند دوسرے مریدین کو طلب فرمایا اور کہا کہ قبرستان مذکورہ میں جا کر ان کی صحت کے لئے دعا کریں۔ چنانچہ وہ کھانے پینے کا سامان لے کر قبرستان کے ایک بالا خانے میں چند دن کے لئے جا بسے اور قبرستان میں دعا کرتے رہے۔ جب جماعت خانہ میں واپس لوٹے اور باباصاحب سے عرض کیا کہ ان کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے تو آپ نے کچھ دیر خاموش رہ کر فرمایا: "تمہاری دعا سے مجھے ذرا بھی افاقہ نہیں ہوا"۔ شیخ نظام الدینؒ یہ سن کر خاموش رہے مگر ان کے دوست علی بہاری جو اُن کے پیچھے کھڑے تھے نے جواب دیا "ہم ناقص ہیں جبکہ حضور کی مقدس ذات کامل ٹھہری۔ ناقصوں کی دعا کاملین کے حق میں کیا اثر پذیری دکھا سکتی ہے؟" چونکہ باباصاحب علی بہاری کا جواب نہ سن سکے لہٰذا شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اُن کا جواب باباصاحب کے سامنے دہرایا۔ باباصاحب نے شیخ نظام الدین اولیاؒ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "میں نے اللہ تعالیٰ سے

---

[1] سیر الاولیاء ص: ۱۸۳۔

[2] سیر الاولیاء ص: ۹۰۔

دعا کی ہے کہ وہ آپ کی سب دعائیں قبول فرما لیا کرتے۔" پھر آپ نے شیخ نظام الدینؒ کو ایک عصا دیا اور حکم دیا کہ پھر مولانا بدر الدین اسحٰقؒ کے ساتھ قبرستان میں جاکر دعا کریں۔ دونوں بزرگوں نے رات بھر قبرستان میں دعا کی اور جب وہ واپس آئے تو بابا صاحب نے ان کی دعا کی اثر پذیری کی تعریف کی۔[1]

بابا صاحبؒ پر سحر کا اثر :

ایک دفعہ بابا صاحب سخت بیمار پڑ گئے اور انہوں نے کئی روز تک کچھ کھایا نہ پیا۔ خانقاہ میں ہر شخص فکر مند و پریشان تھا۔ تجربہ کار حکیم کو بلایا گیا انہوں نے بابا صاحب کی نبض اور پیشاب دیکھا مگر مرض تشخیص نہ کر سکے۔ بابا صاحب کی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی مگر کوئی شخص بھی ان کی مرض نہ بتا سکا۔ بابا صاحب نے اپنے فرزند شیخ بدر الدین سلیمانؒ اور اپنے مرید شیخ نظام الدین اولیارؒ کو بلایا اور کہا کہ ان کی صحت کے لئے دعا کریں، شیخ بدر الدین نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا تمہارے والد سحر کا شکار ہو گئے ہیں۔ شیخ بدر الدین نے خواب ہی میں اس شخص سے پوچھا کہ اس کارستانی کا ذمہ دار کون ہے؟ بوڑھے نے بتایا کہ یہ کارروائی شہاب الدین جادوگر کے لڑکے کی ہے۔ شیخ بدر الدین نے مزید پوچھا کہ اس جادو کا توڑ کیسے کیا جائے۔ بوڑھے نے کہا کہ شہاب الدین کی قبر کے پاس بیٹھ کر فلاں دعا پڑھو۔ دوسرے دن یہ خواب شیخ بدر الدین نے اپنے مریض باپ کو بتایا جنہوں نے شیخ نظام الدین اولیارؒ کو حکم دیا کہ اس دعا کو زبانی یاد کر کے شہاب الدین کی قبر پہ جا کر پڑھیں۔ شہاب کا اجودھن

---

[1] فوائد الفواد، ص : ۵۲۔

[2] فوائد الفواد، ص : ۵۹۔

میں ہر کوئی جانتا تھا چنانچہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو شہاب کی قبر تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ دعا پڑھتے پڑھتے شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اس خالی قبر کو جو شہاب کے لیے بنائی گئی تھی، کھودنا شروع کر دیا۔ یکدم ان کے ہاتھ میں آٹے کا بنا ہوا انسانی بُت آ گیا جس پر گھوڑے کے بال بندھے ہوتے تھے اور جس کے سارے جسم میں سوئیاں چُبھی ہوئی تھیں۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اس بُت کو بابا صاحب کے پاس لے آئے جنہوں نے فرمایا کہ اس کے بال کھول دو اور سوئیاں نکال دو جیسے جیسے سوئیاں نکلتی گئیں بابا صاحب کی حالت بہتر ہوتی گئی۔ بُت کو دریا میں پھینک دیا گیا۔[1] جب اجودھن کے حاکم کو اس کا پتہ لگا تو اسے بہت غصّہ آ گیا اور اس نے شہاب کے لڑکے کو پکڑ لیا اور بیڑیاں پہنا کر بابا صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ ساتھ ہی حاکم نے بابا صاحب کو کہلا بھیجا کہ اس شخص کی سزا موت ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس کا سر قلم کر دوں۔ بابا صاحب نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے صحت عطا کر دی ہے اور اس کے شکرانے کے طور پر میں نے اس شخص کو معاف کر دیا ہے۔ آپ بھی اس کا قصور معاف کر دیں۔[2]

ایامِ عسرت :

زندگی کے آخری ایام میں بابا صاحب کو مفلسی اور ناداری نے گھیر لیا حتیٰ کہ ماہِ رمضان میں بھی افطاری کے لئے گھر میں کچھ نہ ہوتا۔ سارے ماہِ رمضان میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ بابا صاحب کے ساتھ رہے لیکن انہیں ایک دن بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہوا۔

---

[1] جوامع الکلم کے مصنف کا بیان ہے کہ بابا صاحب کو دریا پر لیجایا گیا جہاں انہوں نے غسل کیا اور بُت کو دریا میں پھینک دیا گیا۔ "شیخ را بہمہ در لب آب آنجائی کہ فریداں می گویند بردند"۔ ص: ۱۳۹

[2] فوائد الفواد ص: ۱۷۸، سیر الاولیاء ص: ۳۹-۴۰

جب وہ دہلی جانے لگے تو بابا صاحبؒ نے انہیں ایک سلطانی (اشرفی) دی اور یہ اشرفی بابا صاحبؒ کے گھر والوں کے پاس آخری سکہ تھا۔ شیخ نظام الدینؒ نے جب دیکھا کہ تمام کو بابا صاحبؒ کے سارے کنبے کو بھوکا رہنا پڑے گا تو انہوں نے وہی اشرفی بابا صاحب کو نذر کر دی۔[1]

بہرحال یہاں بابا صاحب کی اس مفلسی کی وجوہات بیان کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ اس وقت آپ کی شہرت پورے عروج پر تھی اور آپ کے مرید ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر فتوح کا آنا کیسے بند ہو گیا۔

◉

---

[1] سیر الاولیاء ص ۹۶۔

باب ۱۰:

جماعتی زندگی

قرونِ وسطی کے مسلمان صوفیاء جماعتی زندگی پر بڑا زور دیتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ یکہ و تنہا رہ کر بے نیازانہ غور و فکر تصوّف کے اعلیٰ نصب العین سے لگا نہیں کھاتا کیونکہ یہ طریق کار انسان کو خود غرض بنانے کے علاوہ اس کی ہمدردیاں محدود کر دیتا ہے۔ اور اسے کشمکشِ حیات کی سرگرمی عمل اور معاشرتی زندگی سے کاٹ دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے خانقاہیں اور جماعت خانے تیار کئے جہاں مختلف طبائع اور خیالات کے لوگ مل جل کر اکٹھے رہتے اور اس طرح ان کے کردار میں جو بھی کشاکش، آویزش یا داغی اچھاؤ ہوتا وہ دور ہو جاتا اور ان کی شخصیتوں کو سلسلہ کے اندازِ فکر کے مطابق ڈھال دیا جاتا۔ نیز انہیں یہاں سب سے مشکل بات یعنی انسانی خواہشات کو اخلاقی و روحانی اقدار کے تابع کرنا عملی طور پر سکھائی جاتی۔ مل جل کر مصائب و آلام کا مقابلہ کرنے اور اکٹھے عبادت و ریاضت کرنے سے ان کی بہترین روحانی خوبیوں کو جلا ملتی اور انہیں ربانی مقصدِ حیات سمجھ آ جاتا۔ چنانچہ خانقاہیں اور جماعت خانہ صوفیانہ تربیت کا جزو لاینفک بن گئے۔

جماعت خانہ کے باسی:

روحانی تہذیب و تربیت کے نقطہ نگاہ سے بابا صاحب کا جماعت خانہ قرونِ وسطیٰ میں برِ عظیم پاک و ہند کے بڑے مرکزوں میں سے ایک تھا۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا جس میں جملہ درویش زمین پر سوتے۔ عبادت کرتے اور مطالعہ کرتے۔ یہاں صوفیانہ اصولوں کو عملی جامہ پہنتے دیکھا جا سکتا تھا۔ دور و نزدیک سے روحانی طور پر فاقہ زدہ لوگ ہجوم

ور ہجوم پہنچتے ۔ ہم یہاں جماعت خانہ کے چند افراد کا ذکر کرتے ہیں :

یہ ہیں مولانا بدرالدین اسحٰق ، جو کسی وقت دہلی کے علمائے عظام[1] میں سے تھے مگر اب بابا صاحب کے ایک معمولی خادم ۔ ان کا کام زائرین کا خیر مقدم کرنا ۔ جماعت خانہ کے باسیوں کے آرام و آسائش کی دیکھ بھال کرنا اور بابا صاحب کی دن رات خدمت کرنا ہے[2] دیکھیے ! ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں ۔ جب یہ سجدہ کرتے ہیں تو جا نماز ان کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے[3]۔

یہ ہیں سید محمود کرمانی[4] جو کسی وقت کرمان میں بہت بڑے کاروباری آدمی تھے ۔ لیکن اب بابا صاحب کے ہاں ایک فاقہ کش درویش ۔ یہ اجودھن میں بابا صاحب کو ملنے آیا کرتے تھے ، ایک دن انہوں نے یکا یک دولت و ثروت کی زندگی کو تیاگ کر اپنی بیوی رانی جو کہ ملتان کے ٹکسال کے افسر کی لڑکی تھی کے ہمراہ اجودھن میں قیام کا فیصلہ کر لیا ۔ بی بی رانی ایک نہایت عابدہ زاہدہ خاتون تھیں ۔ جس طرح بہن ، بھائیوں کی دیکھ بھال کرتی ہے وہ جماعت خانہ کے درویشوں کی خدمت کرتی ہیں ۔ ایک دن آپ نے مولانا بدرالدین اسحٰق سے کہا : "میرے بھائی ! اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے رونا بند کر دیں تو میں آپ کی آنکھوں میں سرمہ لگا دوں "۔ مولانا نے جواب دیا "بہن میں کیا کروں آنسو میرے بس میں نہیں ہیں[5]"۔ بی بی رانی نہایت مہربان اور شفیق خاتون ہیں ۔ ایک روز جب آپ نے شیخ نظام الدین اولیاء کو پلے پھیلے

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۱۸۰ ۔

[2] سیر الاولیاء ص : ۱۸۰ - ۱۸۱ ۔

[3] سیر الاولیاء ص : ۱۸۲ ۔

[4] یہ سیر الاولیاء کے مصنف کے دادا تھے ۔

[5] سیر الاولیاء ص : ۱۸۱ ۔

پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو اُن کو جسم ڈھانپنے کے لئے ایک چادر دے دی اور اُن کے کپڑے دھو کر سی دیئے۔[1]

یہ ہیں نظام الدین اولیاءؒ دہلی اور بداؤں کے تعلیمی اداروں کے شاہکار۔ توقع تھی کہ ان کی زندگی اعلیٰ اور شاندار ہوگی لیکن وہ بھی باباصاحب کے چیلوں میں شامل ہو کر درویشوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ جب وہ پہلی دفعہ باباصاحب کے پاس آئے تھے تو باباصاحب نے حکم دیا کہ ان کے لئے چارپائی لائی جائے۔ نظام الدین اولیاءؒ کے لئے یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جس سے باباصاحب نے انہیں نوازا تھا۔ اگرچہ نظام الدین اولیاءؒ عمر میں ابھی چھوٹے تھے مگر ریاضت و مجاہدہ میں بڑے پختہ کار تھے۔ چند دن ہوئے وہ اپنے ایک پرانے ہم جماعت سے ملے جسے ان کی غربت و افلاس دیکھ کر سخت حیرانگی اور صدمہ ہوا لیکن آپ اپنے عقیدہ پر اس قدر ثابت قدم ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی بات بھی اس راستہ سے انہیں منحرف نہیں کر سکتی جو اُنہوں نے اپنا لیا ہے۔[2]

یہ ہیں حمید، جو کسی وقت دہلی میں ملک طغرلؒ[3] کے خدام میں سے تھے۔ حمید باباصاحب کے جماعت خانہ میں کیسے پہنچے ایک دلچسپ داستان ہے۔ ایک دن حمید اپنے آقا طغرل کے سامنے کھڑے تھے کہ ایک صورت نے نمایاں ہو کر آپ کو کہا، "حمید! اس شخص کے سامنے کیوں کھڑے ہو؟" یہ کہہ کر صورت غائب ہو گئی۔ حمید کچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ سب کچھ

---

1. سیر الاولیاء، ص: ۱۱۵۔
2. سیر الاولیاء، ص: ۲۳۹۔
3. طغرل سلطان بلبن کا ایک ترکی غلام تھا وہ اپنی فیاضی، جرأت اور ہوشیاری کے لئے بہت مشہور تھا سلطان نے اسے لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا جہاں اس نے بغاوت کر دی اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور مغیث الدین لقب اختیار کیا۔ بلبن نے بنفس نفیس اس کے خلاف فوج کشی کی بالآخر اسے قتل کر دیا گیا۔ تاریخ فیروز شاہی، ص: ۹۱-۹۲۔

کیا ہے ۔ اس نے تین دفعہ اس صورت کو ظاہر ہو کر وہی سوال کرتے دیکھا کر حمید تم اس شخص کے سامنے کیوں کھڑے ہو ؟ حمید نے جواب دیا کیوں مجھے کیوں کھڑا نہیں ہونا چاہیئے ۔ آخر میں اس کا خادم ہوں وہ میرا آقا ہے جب مجھے تنخواہ دیتا ہے ۔ مجھے کیوں اس کے سامنے کھڑا نہیں ہونا چاہیئے ۔ صورت نے جواب دیا "حمید ! تم ایک عالم دین ہو اور یہ شخص جاہل مطلق ۔ تم ایک آزاد آدمی ہو اور یہ ایک غلام ، تم ایک پرہیزگار آدمی ہو یہ ایک گنہگار" ۔ اس پر حمید نے ملک طغرل کی نوکری چھوڑ چھاڑ بابا صاحب کے جماعت خانہ کی راہ لی ۔ کبھی کبھی حمید وعظ کرتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے ہیں۔[1]

یہ ہیں مولانا جمال الدین ہانسوی ، جو کبھی ایک خوشحال خطیب ہوا کرتے تھے مگر اب ایک فاقہ کش درویش ۔ وہ ہانسی میں رہتے ہیں مگر اکثر جماعت خانہ میں آتے جاتے ہیں ۔ جب ان کا قیام جماعت خانہ میں ہوتا تو وہ دوسروں کے ساتھ مل کر جماعت خانہ میں سب کام کرتے ۔ آپ بابا صاحب کے عزیز ترین مریدوں میں سے تھے ۔[2]

یہ صوفی صاحب ہیں ، مجھے معلوم نہیں کہ یہ کہاں سے آئے ہیں مگر ہر وقت ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے ہیں ۔ ایک روز آپ کے کپڑے اتنے غلیظ تھے کہ مولانا بدرالدین اسحٰق آپ سے کہے بغیر نہ رہ سکے کہ آپ اپنے کپڑے دھو کیوں نہیں لیتے ۔ آپ خاموش رہے کچھ دن بعد مولانا نے آپ سے پھر یہی سوال کیا مگر ذرا سختی سے ۔ آپ نے ایک ترحّم انگیز عاجزانہ آواز میں جواب دیا "ان کپڑوں کو دھونے کی فرصت کہاں" ؛ ان الفاظ سے مولانا پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ اس کے بعد جب بھی مولانا کی نظر آپ پر پڑتی تو مولانا

---

[1] فوائد الفواد ، ص : ۲۰۴ ، سیرالعارفین ، ص : ۵۴ - ۵۵ -

[2] فوائد الفواد ، ص : ۴۲ -

[3] ملاحظہ ہو آئندہ باب نمبر ۱۳ -

کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑتے۔[1]

یہ نصیر ہیں، جو طالب علم ہیں اور اپنا مطالعہ چھوڑ کر جماعت خانہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ سلسلہ میں داخل کرتے وقت آپ کا سر مونڈ دیا گیا لیکن ان کا سر بالوں کے بغیر اتنا عجیب و غریب لگتا کہ آپ نے ایک جوگی سے پوچھا کہ کیا ایسی کوئی دوا ہے جس سے بال اُگ سکیں۔ انہیں یہاں رہتے کچھ عرصہ ہو گیا ہے اور اب یہ حالت ہے کہ کل جب خواجہ معین الدین کے پوتے خواجہ وحید الدین کا سر مونڈا گیا تو انہوں نے بھی اپنا سر منڈوا لیا۔[2]

یہ ہیں بقعہ نویسندہ ہیں، نوکری چھوڑ، بال بچّوں کو بھائی کے حوالے کر کے یہ جماعت خانہ میں ریاضت و مجاہدہ[3] کے لئے آ گئے ہیں۔

بابا صاحب کے جماعت خانہ میں کثرت سے ایسے لوگ موجود تھے جو پہلے تاجر، سرکاری ملازم اور عالم وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ یہاں ان میں سے صرف چند کا ذکر کیا گیا ہے۔[4]

جماعت خانہ کا انتظام :

جماعت خانہ کا انتظام اسکے باسیوں کے اپنے ہاتھوں میں تھا۔ وہ مختلف فرائض انجام دیتے۔ مولانا بدرالدین اسحٰقؒ جماعت خانہ کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے۔ مولانا جمال الدین ہانسویؒ کریر اور ڈیلے توڑ کر لاتے۔ مولانا حسام الدین پانی بھرتے

---

[1] فوائد الفواد ص : ۲۴۴، سیر الاولیاء، ص : ۲۲۰۔

[2] فوائد الفواد ص : ۲۳۸۔

[3] خیر المجالس، ص : ۱۴۷۔

[4] جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ جماعت خانہ میں پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے حفاظ اور علم زہد میں مشغول ہیں۔ سیر الاولیاء ص :

اور باورچی خانہ کے برتن صاف کرتے۔ جب کبھی جماعت خانہ کے باسیوں کو پیٹ بھر کھانا ملتا تو سارا کنبہ ان لوگوں کی کوششوں پر خوشی مناتا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے[۱]:

"دراں شب کہ ڈیلہ درخانہ شیخ سیری خوردیم مارا روز عید بودی"[۲]

لیکن جب کبھی کھانا کافی نہ ہوتا تو بابا صاحب اپنی زنبیل[۳] اپنے ہمسائیگاں کے ہاں لیجانے کی اجازت دے دیتے۔ آپ سے قبل کسی چشتی بزرگ نے زنبیل گھمانے کی اجازت دی نہ ایسا کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابا صاحب بھی زنبیل گھمانے کی صرف اسی وقت اجازت دیتے تھے جب دیکھتے تھے کہ مریدین کی تنگدستی کی وجہ سے حالت بہت نازک ہوگئی ہے اور اُدھار مانگنے سے ایسا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ بابا صاحب اپنے مریدین کو کبھی قرض نہ لینے دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک خادم نمک اُدھار لے آیا۔ بابا صاحبؒ نے وہ کھانا کھانے سے انکار فرما دیا[۴] جو اس نمک سے تیار کیا گیا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے شیخ نظام الدین اولیاءؒ جماعت خانے میں قیام پذیر تھے ان کا کام ان ڈیلوں کو پکانا تھا جو اُن کے ساتھی جنگل سے توڑ کر لاتے۔ ایک روز جب وہ ڈیلے اُبال رہے تھے کہ پتہ چلا کہ جماعت خانہ میں نمک نہیں ہے۔ وہ قریب ہی ایک پنساری کی دکان پر گئے اور کچھ نمک اُدھار خرید لائے۔ جب سالن تیار ہوگیا تو

۱؎ فوائد الفواد ص: ۲۴، خیر المجالس ص: ۱۸۸، سیر الاولیاء ص: ۸۶، ۲۰۹، سیر العارفین ص: ۶۱، ۶۲۔

۲؎ خیر المجالس ص: ۱۵۰۔

۳؎ خیر المجالس ص: ۱۵۰۔ سیر الاولیاء ص: ۶۶۔

۴؎ سیر الاولیاء ص: ۶۶، سیر العارفین ص: ۶۲۔

آپ نے بابا صاحب کے سامنے رکھا۔ جونہی بابا صاحب نے سالن کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آپ نے فرمایا، میرا ہاتھ بوجھل ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے لقمہ منہ تک پہنچانے کا حکم نہ ہو۔ شاید اس سالن میں کوئی چیز مشتبہ ہے۔ یہ کہہ کر بابا صاحب نے روٹی کا لقمہ واپس تھالی میں رکھ دیا۔ جب شیخ نظام الدین نے یہ الفاظ سُنے تو کانپ اُٹھے وہ آگے بڑھے اور قدموں میں سر رکھ کر عاجزانہ عرض کی، "مخدومی! شیخ جلال، مولانا بدرالدین اسحٰق اور مولانا حسام الدین باورچی خانے کے لئے لکڑیاں، ڈھیلے اور پانی لاتے ہیں۔ خاکسار ڈھیلوں کو بڑی احتیاط سے پکا کر خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہے۔ خاکسار کو کوئی بات اس میں مشتبہ نظر نہیں آئی البتہ حقیقت سے آپ واقف ہیں"۔ بابا صاحب نے پوچھا کہ نمک کہاں سے لایا گیا؟ شیخ نظام الدین نے پھر قدموں میں سر رکھ کر پوری بات عرض کر دی۔ اس پر بابا صاحب نے فرمایا:

"درویشاں اگر بفاقہ بمیرند از برائے لذتِ نفس قرض نگیرند زیرا کہ قرض و توکل بُعد المشرقین است بھم راست نیاید۔"

(درویش فاقوں سے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں مگر اپنی ذلیل خواہشات کے لئے قرض نہیں لیتے۔ قرض اور توکل دو متضاد باتیں ہیں جنہیں بُعد المشرقین ہے)۔

اس نصیحت کے بعد بابا صاحب نے حکم دیا کہ اس سالن کو جماعت خانہ سے ہٹا دو۔[1] ایسے مواقع بھی آئے جب بابا صاحب کے پاس کھانے کے نیچے بچھانے کے لئے کپڑا تک نہ ہوتا۔ اس وقت سادی زمین پر کھانا رکھ کر کھایا جاتا۔[2]

---

[1] سیر الاولیاء ص: ۶۶، سیر العارفین ص: ۶۲۔

[2] فوائد الفواد ص: ۵۵۔

زائرین اور اُن کے مسائل :

باباصاحب کا جماعت خانہ آدھی رات[1] تک کھلا رہتا تھا ہر قسم کے لوگ، عُلمائے دین، سیاستدان، فوجی سپاہی، ہندو یوگی، قلندر مختلف مقاصد لے کر وہاں آتے۔ بابا صاحبؒ ہر ایک زائر کے نجی مسائل غور سے سُنتے۔ اجنبی اور شناسا سب کو ایک جیسی گرمجوشی اور محبّت سے ملتے[2]۔ ان کی گفتگو شکستہ دِلوں کی ڈھارس بندھا دیتی، جو کوئی بھی آپ سے گفتگو کرتا آپ پر فریفتہ ہو جاتا۔

جماعت خانہ کی فضا کیسی تھی اور وہاں کیسے کیسے لوگ باباصاحب کے پاس لائے جاتے تھے اس کا کسی قدر اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے جو قدیم ترین ماخذوں سے لئے گئے ہیں، لگایا جاسکے گا۔

۱ : ایک دفعہ ایک شخص توبہ کرنے کے لئے باباصاحب کے پاس اجودھن میں حاضر ہوا۔ راستہ میں ایک گانے بجانے والی ساتھ ہولی۔ یہ ایک بدچلن عورت تھی اس عورت نے کوشش کی کہ اپنے عشوہ وادا سے اِس شخص کو اپنے دامِ محبت میں گرفتار کرلے مگر وہ اس کے قابو میں نہ آتا تھا۔ ایک مرحلہ پر ایسا ہوا کہ اِس شخص اور عورت کو ایک ہی بہلی پر سوار ہونا پڑا۔ اس عورت نے اس موقع سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا۔ جونہی اس آدمی نے اس عورت کی طرف ہاتھ بڑھایا اُس کے چشمِ تصوّر کے سامنے ایک آدمی نمودار ہوا اور اس نے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا، "تم شیخ فریدؒ کے پاس تائب ہونے جا رہے ہو یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ آدمی ڈر گیا اور پھر اس نے اس عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب وہ جماعت خانہ میں پہنچا تو سب سے پہلی بات جو باباصاحب نے اس سے کہی وہ یہ تھی "اللہ تعالیٰ نے اس

---

[1] فوائدالفواد، ص : ۴۸، سیرالاولیاء ص : ۶۵۔ [2] فوائدالفواد ص : ۴۸۔

دن تمہیں خوب بچا لیا[1]۔" یہ شخص جو تائب ہونے کے لئے آیا تھا بابا صاحب کے لئے ایک مشکل مسئلہ بھی لایا تھا اور وہ یہ کہ توبہ کو کس طرح اتنا مؤثر بنایا جائے کہ ایسے واقعات دوبارہ سرزد نہ ہوں۔

۲ : ایک محصّل جس سے حاکم اجودھن سخت ناراض ہو گیا تھا، فکرمند اور پریشان خاطر بابا صاحب کے پاس آیا اور عرض کی کہ حاکم کے پاس اس کی سفارش کر دیں۔ بابا صاحب نے ایک خادم کے ذریعے حاکم کو یہ لطیف پیغام بھیجا[2]:

"بمنت ایں درویش ازیں نویسندہ دلریش محترز باید بود۔"

(اس پریشان خاطر محصّل کو اس درویش کی خاطر معاف کر دیں[3]۔

حاکم نے بابا صاحب کی بات سنی ان سنی کر دی۔ محصّل پھر فکرمند و پریشان بابا صاحب کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا:

"میں نے تمہاری سفارش حاکم کے پاس کر دی تھی مگر اس نے سنی ان سنی کر دی، شاید تم نے خود بھی بے کسوں کی فریاد ان کو اسی طرح دھتکارا ہے۔"

محصّل نے تائب ہوتے ہوئے عرض کی کہ میں آئندہ کسی کے ساتھ سختی نہیں کروں گا، اگرچہ وہ میرا دشمن ہی کیوں نہ ہو[4]۔

۳ : شمس نے جو کہ سنام کا رہنے والا تھا، جماعت خانہ میں آ کر بابا صاحب

---

[1] فوائد الفواد، ص : ۲۱۹ - ۲۲۰ ؛ سیر الاولیاء ص : ۸۵۔

[2] فوائد الفواد، ص : ۱۴۷ میں ہے : "کسی را جانب والی فرستادہ"، سیر العارفین ص : ۳۸، میں ہے "خادمی را بداں والی فرستاد"۔

[3] سیر العارفین ص : ۳۸۔

[4] سیر العارفین، ص : ۳۸ - ۳۹، فوائد الفواد، ص : ۱۴۷، بہت سے لوگ ایسے مسائل بابا صاحب کے پاس لاتے، دیکھیں : خیر المجالس ص : ۲۳۹ - ۲۳۸۔

کی اجازت سے ایک قصیدہ پڑھا۔ جب اس نے قصیدہ ختم کیا تو بابا صاحب نے پوچھا کیا چاہتے ہو۔ شمس نے عرض کی کہ مجھے بوڑھی والدہ کی دیکھ بھال کرنا ہے اور میں مالی طور پر سخت پریشان ہوں۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ حاجتمندوں اور غریبوں میں تقسیم کرنے کے لیے کچھ لاؤ۔ اس نے ۵۰ جیتل پیش کیے جو حاضرین میں تقسیم کر دیئے گئے۔ پھر بابا صاحب نے اس کی خوشحالی کے لیے دعا کی اور شمس کو سلطان بلبن کے لڑکے بغرا خاں کے ماتحت بطور دبیر ملازمت مل گئی۔[۱]

۴ : ایک روز ایک عمر رسیدہ آدمی بابا صاحب کے پاس آیا اور اپنا تعارف کرواتے ہوئے اس نے بابا صاحب کو یاد کروایا کہ وہ انہیں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خانقاہ میں ملا تھا۔ اس بوڑھے کے ہمراہ اس کا لڑکا بھی تھا جو نہایت بے ادب اور گستاخ تھا۔ وہ بابا صاحب سے بڑے تند و تیز لہجے میں بحث کرنے لگ گیا۔ اس وقت شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور بابا صاحب کے لڑکے مولانا شہاب الدینؒ دروازہ پر کھڑے تھے۔ جب انہوں نے اس نوجوان کو بابا صاحب سے اس طرح گستاخانہ لہجے میں بات کرتے دیکھا تو مولانا شہاب الدینؒ کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے لڑکے کے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔ لڑکا غصے سے بپھر گیا اور مولانا شہاب الدینؒ کو مارنے کو اٹھا مگر شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ بابا صاحب نے اپنے فرزند شہاب الدین کو حکم دیا کہ باپ بیٹے کو خوش کرو۔ چنانچہ مولانا نے کچھ کپڑا اور نقدی باپ بیٹے کو دی جو خوش و خرم اور مطمئن ہو کر جماعت خانہ سے چلے گئے۔[۲]

۵ : ایک روز ایک شخص بابا صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس کی مصیبت

---

[۱] فوائد الفواد، ص : ۱۲۷۔

[۲] فوائد الفواد، ص : ۱۲۰۔

اور مفلسی میں کچھ مدد کریں۔ بابا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہر شب سورۂ جمعہ[1] پڑھا کرو۔

۶ : ایک درویش غریبانہ لباس پہنے بابا صاحب کے پاس آیا۔ آپ نے اسے کچھ دے دلا کر رخصت کیا مگر درویش پھر بھی کھڑا رہا اور بابا صاحب سے کنگھی مانگی جو انہوں نے نکال کر جا نماز پر رکھی تھی چونکہ کنگھی بہت معمولی تھی اور بابا صاحب اسے عرصہ دراز سے استعمال کرتے رہے تھے، آپ نے درویش کی درخواست کو نظر انداز کر دیا اس پر درویش نے غل غپاڑہ شروع کر دیا اور کہا کہ اگر بابا صاحب اسے کنگھی دے دیں گے تو ان پر بہت سی نوازشیں ہوں گی۔ بابا صاحب نے فرمایا "جاؤ چلے جاؤ اور مجھے تنگ مت کرو۔ مجھے تمہاری اور تمہاری نوازشوں کی کوئی ضرورت نہیں[2]، میں انہیں دریا میں پھینکتا ہوں۔"

۷ : ایک قلندر اس وقت جماعت خانہ میں پہنچا جس وقت بابا صاحب اپنے حجرہ میں مصروفِ عبادت تھے، وہ آپ کی جا نماز پر بیٹھ گیا جو کہ حجرہ کے باہر پڑا تھا۔ مولانا بدرالدین اسحٰقؒ نے اس کی مہمان داری کی اور اس کے لئے کھانا لائے۔ کھانا کھانے کے بعد قلندر نے اپنے چمڑہ کے بٹوے سے کچھ بھنگ کے پتے نکالے اور ان سے کوئی مرکب بنانے لگ پڑا۔ کچھ قطرے بابا صاحب کے جا نماز پر گرے۔ مولانا بدرالدین نے آگے بڑھ کر قلندر کو روکنا چاہا کہ وہ بابا صاحب کی جا نماز پلید نہ کرے۔ اس پر قلندر کو غصہ آ گیا اور وہ اپنا کشکول مولانا کے سر پر مارنے لگا تھا کہ بابا صاحب کمرے سے باہر نکل آئے اور انہوں نے قلندر کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا "اسے میری خاطر معاف کر دو۔" قلندر نے جواب دیا کہ "درویش کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے اور جب اٹھا لیتے ہیں تو اسے

---

[1] فوائد الفواد ص : ۵۷۔

[2] خیر المجالس ص : ۲۰۲ ، کہا جاتا ہے کہ جب درویش واپس لوٹا تو شہر کے قریب ایک دریا میں غرق ہو گیا۔

نیچے نہیں لاتے۔" باباصاحب نے فرمایا پھر اپنے سامنے دیوار پر ڈبے مارو۔ قلندر نے کشکول دیوار پر ڈبے ماری جس سے وہ دیوار گر گئی[1]

تعویذات کے لئے ہجوم:

روزانہ لوگوں کا ایک جم غفیر باباصاحب سے تعویذات[2] لینے جماعت خانے آتا۔ ایک روز باباصاحب نے اپنے پیر و مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے عرض کیا لوگ مجھ سے تعویذ مانگتے ہیں آپ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا میں تعویذ لکھ دیا کروں؟ شیخ قطب الدین نے جواب دیا کہ کسی کام کا ہونا یا نہ ہونا نہ تمہارے بس میں ہے اور نہ میرے۔ تعویذ اللہ تعالیٰ کے نام اور قرآن مجید کی آیات ہوتی ہیں۔ تم لوگوں کو تعویذ لکھ دیا کرو۔ اس کے بعد باباصاحب نے لوگوں کو تعویذات لکھ کر دینا شروع کر دیا لیکن اتنی زیادہ تعداد میں تعویذات اپنے ہاتھ سے لکھ کر دینا آپ کے بس کی بات نہ تھی چنانچہ آپ نے یہ کام مولانا بدرالدین اسحٰق کے سپرد کر دیا ایک روز مولانا بدرالدین جماعت خانے میں موجود نہ تھے چنانچہ باباصاحب نے شیخ نظام الدین اولیاؒ

---

[1] خیر المجالس ص: ۱۳۰ - ۱۳۱۔

[2] فوائد الفواد ص: ۲۰۰، لوگوں کا تعویذات میں اتنا گہرا اعتقاد تھا کہ وہ دور دراز جگہوں سے تعویذات لینے جماعت خانے آتے۔ ایک دفعہ جب شیخ نظام الدین اولیاؒ اجودھن چلے تو اُن کے ہمسایہ محمد نے جو کہ سخت بیمار تھا باباصاحب سے تعویذ لانے کو کہا۔ جب شیخ نظام الدین اولیاؒ نے محمد کی درخواست باباصاحب کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ میری طرف سے تم ہی تعویذ لکھ دو۔ چنانچہ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے ایک کاغذ پر اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل نام لکھ دیئے اور باباصاحب نے پڑھ کر اپنے دستِ مبارک سے محمد کو دینے کے لئے واپس کر دیا۔ وہ نام یہ ہیں: "اللہ الشافی، اللہ الکافی، اللہ المعافی"

کو تعویذ لکھنے کے لئے کہا. چونکہ تعویذات لینے والے لاتعداد تھے شیخ نظام الدینؒ تعویذ لکھتے لکھتے تھک گئے. باباصاحب نے فرمایا کہ ہم آپ کو لوگوں کو تعویذ لکھ کر دینے کی اجازت دیتے ہیں[1].

ایک روز باباصاحب کی ریش مبارک سے ایک بال گر پڑا. شیخ نظام الدین اولیاؒ نے بڑے احترام سے اسے اٹھایا اور اسے باباصاحب کی اجازت سے بطور تعویذ استعمال کرنا شروع کر دیا[2].

کبھی کبھار باباصاحب تعویذ لینے والوں کو فرماتے کہ شیرینی لاؤ. جب کبھی کسی حاجتمند سے باباصاحب شیرینی مانگتے تو اس کا یہ مطلب لیا جاتا کہ حاجتمند کی[3] مراد بر آئیگی. بعض اوقات حاجت براری کے لئے آپ قرآن پاک کی آیات یا کوئی اور دعا[4] پڑھنے کو بتاتے اور ساتھ ہی کچھ نوافل وغیرہ پڑھنے کی تلقین فرماتے[5]. ایک روز آپ نے جماعت خانہ کے درویشوں کو کہا کہ ان کی صحت یابی کے لئے ایک لاکھ دفعہ سورۂ فاتحہ تلاوت کریں.

---

[1] فوائدالفواد ص : ۲۰۰.

[2] فوائدالفواد ص : ۹۳.

[3] فوائدالفواد ص : ۱۲۷.

[4] باباصاحب نے شیخ نظام الدین اولیاؒ کو ایک دعا پڑھنے کو کہا اور فرمایا "ایں دعا را یادگیر و مواظبت نمائی تا ترا خلیفہ خود گردانم". (یہ دعا یاد کرلو اور پڑھا کرو تاکہ میں تمہیں اپنا خلیفہ بناؤں).
سیر الاولیاء ص : ۱۱۲.

[5] فوائدالفواد ص : ۵۷ نیز ص : ۲۵-۲۶ ، ۵۷-۵۹. بابا فرید نے ایک دعا شیخ نظام الدین کو سکھائی اور انہیں اپنے سینے پر ہاتھ پھیرنے کو کہا.

بیعت :

امیر خورد نے بیان کیا ہے کہ بابا صاحب کس طرح کسی کو بیعت فرمایا کرتے تھے :
جو شخص بھی مرید ہونے کے لئے آتا آپ اسے سب سے پہلے سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص[1] اور کچھ مزید آیات کی تلاوت کے لئے فرماتے پھر آپ اس سے حلف لیتے کہ وہ آپ کی، بزرگان سلسلہ کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مکمل اطاعت کرے گا اور پھر اسے فرماتے[2] :

"با حضرت عزت عہد کردی کہ دست و پائے وچشم نگاہداری و برنہج شرع باشی"۔

(اللہ تعالیٰ سے پکا وعدہ کرو کہ تم اپنے ہاتھوں، پاؤں اور آنکھوں کو قابو میں رکھو گے اور شریعت کے بتائے ہوئے راستے پر چلو گے)۔

جب بابا صاحب کسی کو خرقہ عطا کرتے تو ساتھ یہ آیت تلاوت فرماتے :

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

(تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے اور عاقبت متقین کے لئے ہے[3])۔

جنہیں خرقہ عطا کیا جاتا[4] بابا صاحب انہیں تلقین کرتے کہ وہ اپنے ہاتھوں، آنکھوں اور زبانوں سے کسی شخص کو اذیت نہیں دیں گے۔ بابا صاحب انہیں نصیحت کرتے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک پر مرکوز کر دیں اور سارا وقت مراقبہ میں گذاریں اور نفسانی

---

[1] قرآن، پ : ۳۰۔

[2] سیر الاولیاء، ص : ۳۲۳۔

[3] سیر الاولیاء، ص : ۳۲۳

[4] سیر الاولیاء، ص : ۳۲۳

خواہشات کو قریب نہ پھٹکنے دیں۔

جس شخص کو مُرید کیا جاتا اسے سَر کا حلق کروانا پڑتا[1] یہ سلسلہ چشتیہ کی ایک مقبولِ عام رسم تھی۔ یہ مُرید کے اللہ کی راہ میں سب کچھ قُربان کر دینے کے ارادے کی ظاہری علامت خیال کی جاتی تھی۔ بعض اوقات مولانا بدرالدین اسحٰق نئے مُریدوں کا سر مُونڈ دیتے تھے۔

فتوح اور اُن کی تقسیم :

بابا صاحب کے جماعت خانے میں بےشمار فتوح آتے تھے۔[2] ہر زائر کچھ نہ کچھ لے کر آیا کرتا۔[3] بابا صاحب کی عادت تھی کہ دوسروں کی لائی ہوئی اشیاء میں سے ہر زائر کو کچھ نہ کچھ دے دیتے۔ فتوح کی مُناسب تقسیم مولانا بدرالدین اسحٰق کے ذمہ تھی۔ بابا صاحب کا حکم تھا کہ جتنے فتوح آئیں سب تقسیم کر دیئے جائیں اور فردا کے لئے کچھ بچا کر نہ رکھا جائے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کے خلاف ہے۔

---

[1] تصوف میں اس کے معنی کے لئے دیکھیں: فوائد الفواد، ص: ۱۶۱۔

[2] قرونِ وُسطیٰ کے صوفیاء کرام روزی کی دو قسموں پر اعتقاد رکھتے تھے، زمین احیاء، زمین کی پیداوار جسے صوفی اور اس کے کنبہ نے کاشت کیا اور فتوح یعنی نذ تحفے وغیرہ جو لوگ خود بخود اس کے گھر لے آئیں۔ چشتی بزرگان فتوح کو زمین احیاء پر ترجیح دیتے تھے کیونکہ مؤخر الذکر کی وجہ سے حکومت کے کارندوں سے واسطہ پڑتا تھا مگر فتوح کے قبول کرنے کے بارے میں بڑے سخت قواعد تھے ان کے لئے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑتا۔ تھا اور جب آئیں اُسی وقت خرچ کر دیئے جائیں۔ دیکھیں: فوائد الفواد ص: ۲۱-۱۲۴-۱۲۵، سیرالاولیاء ص: ۱۶۰-۱۶۱۔

[3] فوائد الفواد، ص: ۲۰۰، فوائد الفواد ص: ۱۶۰۔

سہروردی خانقاہ ⊙ ایک تضاد

اجودھن سے تھوڑی دُور شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی مُلتان میں خانقاہ بھی سہروردی مرکز کے حالات چشتی جماعت خانہ کے حالات سے بالکل مختلف تھے۔ اس کی ساخت اور تنظیم امیرانہ تھی۔

شیخ بہاؤ الدینؒ کی خانقاہ بڑی پُرتکلف تھی اس کا رقبہ بہت وسیع تھا اور یہ ہر قسم کے سامان سے آراستہ تھی۔ خانقاہ کے ہر باسی کے لیے علیحدہ جگہ کی گنجائش رکھی گئی تھی اور ان بے شمار زائرین کے لیے بھی جو خانقاہ میں آتے تھے۔ اس کے برعکس بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ جسے جماعت خانہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا، ایک مُصلح کل ادارہ تھا۔ خانقاہ کے جُملہ افراد کو خواہ وہ وہاں کے باسی ہوتے یا زائر، ایک بڑے کمرے میں رہنا پڑتا جہاں وہ سوتے بھی عبادت بھی کرتے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کی خانقاہ ہر کس و ناکس کے لیے نہ تھی[1] اس میں صرف اُن لوگوں کو ٹھہرنے کی اجازت ہوتی جنہیں شیخ بہاؤ الدینؒ قابلِ توجہ سمجھتے۔ چشتی جماعت خانہ کا باورچی خانہ سب کے لیے کھلا تھا کھانے کے اوقات میں جو کوئی بھی وہاں موجود ہوتا اسے کھانے کی دعوت دی جاتی۔[2] اگرچہ سہروردی شیخ نہ صرف خود اچھا کھانا پسند فرماتے تھے بلکہ اوروں کو بھی کھلا کر خوش ہوتے[3]

---

[1] فوائد الفواد، ص: ۱۳۶۔

[2] چشتی بزرگ اسے اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے کہ ہر زائر کو مدعو کیا جائے۔ اگر گھر میں کچھ نہ ہوتا تو وہ مصلّٰی یا بیگم کی چادر بیچ دیتے مگر زائر کو مایوس نہ کرتے، دیکھیں خیر المجالس ص: ۵۰، نیز سیر الاولیاء ص: ۴۳-۴۷، کس طرح بابا صاحب نے اپنے ہاتھ سے باجرا پیسا اور پھر ایک درویش کو روٹیاں پکا کر دیں۔

[3] فوائد الفواد ص: ۱۰۵۔

تاہم ان کا دستر خوان ہر کس و ناکس کے لئے کھلا ہوا نہیں تھا[1]۔ ان کے دستر خوان سے صرف وہی لوگ کھانا کھا سکتے جنہیں دعوت دی گئی ہوتی۔ شہروردی خانقاہ میں اناج کا مستقل ذخیرہ رہتا اس میں اناج کے لئے گودام، صندوق اور تجوریاں موجود ہوتیں تھیں[2]۔ بابا فریدؒ کے جماعت خانہ میں ایسا کوئی انتظام نہ تھا۔

شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ عامۃ الناس کو خانقاہ میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا، "مجھے عوام الناس سے کوئی سروکار نہیں[3]" اس کے برعکس بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا جماعت خانہ ہر قسم کے آدمیوں کے لئے کھلا رہتا تھا[4]۔

شیخ بہاؤالدینؒ ہر وقت لوگوں سے نہیں ملتے تھے۔ اس کے لئے اوقات مقرر تھے اور اوقات مقررہ کے علاوہ کوئی شخص ان کے معمول میں خلل انداز نہیں ہو سکتا تھا، اس کے برعکس بابا فریدؒ کو ہر شخص ہر وقت مل سکتا تھا۔

بابا صاحبؒ اتنی تنگدستی کی حالت میں رہتے تھے کہ وہ اپنے بچوں کو بھی پیٹ بھر کھانا نہیں دے سکتے تھے۔ لہٰذا ان کے بچوں کو کئی کئی دفعہ فاقہ کرنا پڑتا۔ شیخ بہاؤالدینؒ کی حالت اس سے مختلف تھی۔ ان کے پاس قرونِ وسطیٰ کے اقطاع[5] دار کے سے ذرائع آمدن تھے دولت سے جو کچھ بھی خریدا جا سکتا تھا وہ سب ان کے بچوں کے لئے موجود تھا۔ انہوں نے اپنے بچوں کے لئے اتالیق اور اُستاد بھاری مشاہروں پر مقرر کر رکھے تھے[6]۔

---

[1] فوائد الفواد ص : ۱۳۶۔

[2] ایضاً ص : ۲۲۳-۲۲۴۔

[3] ایضاً ص : ۱۳۶۔

[4] ایضاً ص : ۴۷۔

[5] ایضاً ص : ۲۲۳۔ [6] : ایضاً، ص : ۲۲۳، جوامع الکلم، ص : ۵۹۔

باب : ۱۱

آخری ایّام اور وصال

(پانچ محرم الحرام ۶۶۴ھ کا دن تھا (۱۵ اکتوبر ۱۲۶۵ء) ضعیف العمر باباصاحب جن کی صحت مسلسل روزوں، شب بیداری اور ریاضت و عبادت سے گر چکی تھی[1] انتڑیوں کی تکلیف[2] سے صاحبِ فراش تھے۔ رات کو عشار کی باجماعت نماز میں شریک ہوئے مگر فوراً بعد غش کھا گئے۔ سارا جماعت خانہ اور وہ مسجد جہاں سالہاسال تک مذہبی سرگرمیوں کا آپ منبع و مرکز رہ چکے تھے اب افسردگی اور غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آپ نے یکدم آنکھیں کھولیں اور پوچھا کیا میں نماز ادا کر چکا ہوں ؟ خُدّام نے عرض کی جی حضور ! آپ نے فرمایا ایک دفعہ پھر نماز پڑھ لوں کیا خبر ہے پھر کیا ہو ؟ چنانچہ آپ نے دوبارہ نماز ادا کی اور پھر بیہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر جاگے اور چونک کر پریشانی کی حالت میں خُدّام سے پھر وہی سوال کیا اور تیسری بار عشار کی نماز ادا کی۔ نماز ختم کرتے ہی آپ پھر بیہوش ہو گئے اور پھر آہستگی سے "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْم" پڑھتے ہوئے مالکِ حقیقی سے

---

[1] ان دنوں وہ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ کھڑے ہو کر نوافل ادا نہ کر سکتے لہٰذا نوافل بیٹھ کر ادا فرماتے (فوائد الفواد ص : ۱۸۴)۔ اپنی زندگی کے آخری رمضان میں باباصاحبؒ بیماری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے۔ (فوائد الفواد، ص : ۵۲)۔

[2] یہ موذی مرض "خلہ" تھی۔ 'خلہ' کے لفظی معنی سوئی یا سوجے کی طرح کی کسی تیز گھونپنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس کا مطلب ہے کہ انتڑیوں میں ہوا جو شدید درد پیدا کرے۔

سے جا ملے[1] تا آپ اس قرن کے چار بڑے مشائخ میں سے آخری شیخ تھے جو تین تین سال کے وقفہ[2] کے بعد واصل بحق ہو گئے۔ سب سے پہلے شیخ سعد الدین[3] حمویؒ کا انتقال ہوا۔ تین سال بعد شیخ سیف الدین باخرزیؒ چل بسے[4] ان کے تین سال بعد شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ[5] راہیٔ ملکِ بقا ہوئے اور ان کے تین سال بعد بابا صاحبؒ وفات پا گئے۔

بابا صاحبؒ کی وفات سے چند روز قبل دہلی سے سید محمد کرمانی اجودھن پہنچے تھے انہوں نے دیکھا کہ بابا صاحب حجرہ کے اندر ایک چارپائی پر پڑے ہیں اور دروازہ کے باہر

---

[1] سیر الاولیاء، ص : ۹۱۔

[2] فوائد الفواد، ص : ۱۳۰، شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک دفعہ حاضرین کو بتایا، "وہ عہدِ مبارک کتنا بابرکت تھا جب یہ پانچوں بزرگ دنیا میں جلوہ گر تھے، شیخ ابو الغیث یمنیؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ سعد الدین حمویؒ، شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ اور شیخ الاسلام فرید الدینؒ (فوائد الفواد ص : ۲۲۱)
امیر خورد لکھتا ہے ؎

شیخ اعظم فرید ملت دیں — شیخ ابو الغیث و شیخ سیف الدین
شیخ سعدی حمویہ شیخ الوقت — شیخ صاحب نفس بہاؤ الدین
بود ہر پنج پیر در یک عصر — ہر یکے بادشاہِ دُنیا و دین

[3] محمد بن المؤید بن ابی بکر بن ابی الحسین بن محمد حموی (المتوفی : ۶۲۵ھ / ۱۲۲۷ء بمطابق نفحات الانس، ۶۵۸ھ / ۱۲۵۹ء بمطابق تاریخ گزیدہ، ۶۴۹ھ / ۱۲۵۱ء بمطابق مجمل فصیحی، اور ۶۵۶ھ / ۱۲۲۶ء بمطابق - فوائد الفواد) آپ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے نامور مرید تھے (وفات : ۱۲۲۶ء)، اور آپ کے شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور شیخ صدر الدین قونویؒ سے گہرے مراسم تھے۔ آپ کثیر التصانیف تھے اور آپ کی بعض کتابیں مثلاً علوم الحقائق و حکم الدقائق (قاہرہ) صوفی حلقوں میں آج بھی قدر و منزلت کی حامل ہیں۔ آپ کا مزار خیرآباد میں ہے۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

آپ کے صاحبزادگان اور مریدین آپ کے جانشینی کے بارے میں بحث مباحثہ کر رہے ہیں۔ سید محمد کرمانی کی انتہائی خواہش تھی کہ اپنے مرشد کی قدمبوسی کریں مگر صاحبزادگان نے انہیں یہ کہہ کر روکا کہ یہ وقتِ ملاقات نہیں مگر سید محمد نے انکی بات سُنی ان سُنی کردی اور حُجرہ کا دروازہ کھول کر بابا صاحب کے قدموں میں جا گرے۔ بابا صاحب نے آنکھیں کھولیں اور نہایت مُشفقانہ لہجے میں پُوچھا، "سید کیسے ہو؟ اور کب یہاں آئے؟" سید محمد نے جواب دیا حضور ابھی آیا ہوں۔ سید محمد کی خواہش تھی کہ اس جواب کے بعد شیخ نظام الدین اولیاؒ کا سلام بابا صاحب کی خدمت میں عرض کریں مگر یہ خیال کر کے باز رہے کہ کہیں صاحبزادگان کو کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے۔ انہوں نے اپنے آپ سے کہا اگر میں سُلطان المشائخ کے حوالے سے شروع کروں تو شیخ الشیوخ العالم (یعنی بابا صاحب) انہیں دعا و برکت دیں گے اور یہ بات شیخ کبیر یعنی بابا فریدؒ کے فرزندوں کو ناگوار گزرے گی چنانچہ سید محمد نے دہلی کے دیگر بزرگان کا ذکر پہلے شروع کردیا اور بہ سبیلِ تذکرہ شیخ نظام الدین

(بقیہ گذشتہ صفحہ) آپ کے مختصر حالات کے لئے دیکھیں، تاریخ گزیدہ جسے براؤن نے مدون کیا، نفحات الانس ص: ۲۷۷ - ۲۷۸، مجالس العشاق (جسے نول کشور نے ۱۳۱۴ھ میں طبع کیا) ص: ۷۸ - ۸۰، تاریخ تصوف در اسلام، ڈاکٹر قاسم غنی، ص: ۳۹۲، ۴۳۱، ۴۹۹، ۵۰۳، ۵۴۵، ۵۴۷۔ [۴] شیخ سیف الدین (متوفی ۶۵۸ھ/ ۱۲۵۹ء بمطابق نفحات الانس)، باخرز کے رہنے والے تھے جو کہ نیشاپور اور ہرات کے درمیان ہے (لینڈز آف ایسٹرن کیلیفیٹ، ص: ۳۵۷) آپ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے مرید تھے جنھوں نے آپ کو بخارا بھیجا جہاں آپ نے تصوف کے اصولوں کی اشاعت کی اور بہت سے مرید بنالئے۔ آپ فردوسی سلسلہ کے بانی تھے آپ بخارا میں مدفون ہیں۔ آپ کے حالات کیلئے ملاحظہ ہوں: تاریخ گزیدہ، نفحات الانس، حبیب السیر (بمبئی: ۱۸۵۷)

[۵] شیخ بہاؤالدین زکریاؒ (متوفی ۶۶۱ھ/ ۱۲۶۲ء) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ تھے (متوفی: ۶۳۴ھ) آپ نے ملتان اور بالائی سندھ میں سلسلہ سہروردیہ کی بنا ڈالی۔ ملاحظہ ہو: فوائد الفواد، سیر العارفین، اخبار الاخیا

اولیاءؒ کا سلام بھی پہنچا دیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا نام سُن کر بابا فرید صاحبؒ نے اشتیاق سے پوچھا "وہ کیسے ہیں، کیا وہ خوش و خرم ہیں؟" اور پھر بابا صاحب نے صُوفیانہ ساز و سامان کی جملہ اشیاء از قسم جُبّہ، مُصلّٰی اور عصا، سید محمد کے حوالے کرتے ہوئے ہدایت کی کہ یہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے سپرد کر دینا۔ اس بات سے صاحبزادگان کو سخت مایوسی ہوئی اور انہوں نے سید محمد کرمانی سے سخت جھگڑا کیا کہ انہی نے ان کو اپنے والد کی بیش قیمت وراثت[1] سے محروم کر دیا ہے۔ زندگی کے آخری لمحوں میں بابا صاحب کی اپنے فرزند نظام الدین کو جو کہ سلطان بلبن کی فوج میں ایک افسر تھے اور پٹیالی میں رہتے تھے، اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو ملنے کی شدید خواہش تھی۔ آخری دموں پر آپ نے فرمایا "مگر وہ تو دہلی میں ہے۔" شیخ نظام الدین اولیاءؒ شوال کے مہینے میں دہلی سے روانہ ہو چکے تھے مگر بابا صاحب نے انہیں بتا رکھا تھا کہ جس طرح وہ خود اپنے مرشد کے وصال کے وقت موجود نہ تھے اسی طرح شیخ نظام الدینؒ بھی بابا صاحبؒ کے وصال کے وقت موجود نہ ہوں گے۔ اپنے لڑکے کا ذکر کرتے ہوئے بابا صاحب نے فرمایا: "نظام الدین آ رہا ہے مگر میں اُسے نہ مل سکا تو اس کا آنا کس کام کا۔" نظام الدین صاحب نے اپنے والد گرامی کو پٹیالی میں خواب میں دیکھا تھا اور اجودھن کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب وہ اجودھن پہنچے تو غروب آفتاب کا وقت تھا۔ شہر کے دروازے بند کئے جا چکے تھے اور وہ فصیل شہر کے باہر ایک سرائے میں ٹھہر گئے۔ اگلی روز جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے والد کا جنازہ نکلتے دیکھا۔ بابا صاحبؒ کے وُرثاء نے بابا صاحب علیہ الرحمہ کو شہر سے باہر اُس قبرستان میں دفنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا جہاں اور کتنے ہی شہداء محوِ استراحت تھے اور جہاں خود بابا صاحب اکثر و بیشتر مراقبہ و عبادت کے لئے جایا کرتے تھے۔ نظام الدین

---

[1] سیر الاولیاء، ص: ۱۲۱، ۱۲۲

صاحب نے جو حکومت سے وابستگی کی بنا پر دنیا میں کامیاب رہنے کا ڈھب جان چکے تھے، اپنے بھائیوں کو نہایت زیرکی سے بابا صاحب کو شہر سے باہر دفن کرنے سے باز رکھا۔ انھوں نے اپنے بھائیوں اور عزیزوں کو بتایا کہ اگر بابا صاحب کو شہر سے باہر دفن کیا گیا تو لوگ اُن کے مزار پر آکر فاتحہ پڑھ کر واپس چلے جائیں گے اس طرح بابا صاحب کے کنبے کا کون خیال رکھے گا۔ نظام الدین صاحب کا مشورہ فوراً قبول کر لیا گیا۔ جنازہ فوراً واپس بابا صاحب کی رہائش گاہ پر لایا گیا اور آپ کو اس جگہ دفن کیا گیا جہاں اب آپ کا مزارِ پُر انوار موجود ہے[1]۔

بابا صاحب وفات کے وقت بھی دنیاوی ساز و سامان سے اسی طرح بے نیاز تھے جس طرح تمام عمر رہے یہاں تک کہ کفن کے لئے گھر میں کوئی روپیہ پیسہ نہ تھا۔ امیر خورد کی دادی اماں نے ایک سفید چادر کفن پر ڈالنے کے لئے دی[2]۔ آپ کے حجرہ کا دروازہ اکھاڑ کر آپ کی لحد کے لئے کچی اینٹیں مہیا کی گئیں[3]۔ جس شخص نے بابا صاحب کا پکا مکان بنانے کی خواہش کی تھی مگر بابا صاحب نے منع کر دیا تھا، اُس نے بابا صاحب کی قبر پر قبہ بنوا دیا۔ اس مقبرہ کی بعد ازاں فیروز شاہ تغلق نے مرمت کروائی[4]۔

---

[1] سیر الاولیاء، ص: ۸۹-۹۱۔

[2] جب شیخ نظام الدین اولیاؒ حاضرین کو یہ تفصیلات سنا رہے تھے تو آپ نے یہ شعر پڑھا۔

پنبہ علاج را بسیم کفن داری نبود   خانہ بر دوشِ فنا سامان داری ہم نداشت

فوائد الفواد، ص: ۲۱۲۔

[3] سیر الاولیاء ص: ۸۹۔

[4] فوائد الفواد، ص: ۲۱۲۔

[5] دی پنجاب گزیٹر ج: ۲، ص: ۵۔

باب : ۱۲

اَولادِ اَمجاد

حضرت فریدالدین مسعود گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کے پانچ فرزند تھے اور تین لڑکیاں۔ سیرالاولیاء[1] میں ان کے مندرجہ ذیل نام دیئے گئے ہیں :

۱ : خواجہ نصیرالدین

۲ : خواجہ شہاب الدین

۳ : خواجہ بدرالدین سلیمان

۴ : خواجہ نظام الدین

۵ : شیخ یعقوب

۶ : بی بی مستورہ

۷ : بی بی شریفہ

۸ : بی بی فاطمہ

۱ : خواجہ نصیرالدین[2] :

خواجہ نصیرالدین باباصاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ جواہرِ فریدی کے

---

[1] سیرالاولیاء ص : ۱۸۶۔

[2] حالات زندگی ملاحظہ ہوں : سیرالاولیاء ص : ۱۸۶، گلزار ابرار (خطی) ص: ۵۵۶، اخبارالاخیار ص: ۶۹، جواہر فریدی (مخطوطہ) باب : ۲، ۳، معارج الولایت (مخطوطہ) جلد اوّل ص : ۲۶۹ (باقی آئندہ صفحہ پر)

مُصنّف کا بیان ہے کہ آپ بابا صاحب کے متبنیٰ تھے مگر اسے تسلیم کرنے کے لئے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ علی اصغر نے بابا صاحب کے لڑکوں کے بارے میں چند نازیبا اور اہانت آمیز قصے بیان کئے ہیں جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بابا صاحب کی کرامات کو ثابت کیا جائے۔ یہ سب قصے کہانیاں ناقابلِ اعتبار ہیں اور انہیں بازاری افواہیں سمجھ کر رد کر دینا چاہیئے[1]۔

خواجہ نصیرالدین ایک متقی اور مخلص درویش تھے۔ فتوح پر انحصار کرنے کی بجائے وہ شیخ حمیدالدین سوالی ناگوری کی طرح خود کاشتکاری کر کے گذارہ کرنے کو ترجیح دیتے[2] تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے بایزید تھے جو اپنے والدِ ماجد کی طرح پرہیزگار اور مخلص درویش

(بقیہ گذشتہ صفحہ) مطلوب الطالبین (مخطوطہ) ص: ۹۹ ب، ۱۰۰ ا۔

[1] تفصیلات ملاحظہ ہوں: جواہرِ فریدی، باب: ۲، فصل: ۳۔ یہ قصے کہانیاں مصنف میں تاریخی سمجھ بوجھ کا فقدان اور روحانی دیوالہ پن ظاہر کرتی ہیں۔ تصوف کے بارے میں اس کی سمجھ بوجھ بڑی گھٹیا قسم کی تھی۔ تنقید کی طرف سے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایسی تنقید جو قرونِ وسطیٰ کے نامور مسلم علمار کیا کرتے تھے۔

[2] آپ کے متعلق امیر خورد لکھتے ہیں:

"روزگار بعبادت باری تعالیٰ و بہ زراعت و حرافت کہ لقمہ حلال است گذرانیدہ و خدائے تعالیٰ را در خلا و ملا طاعت کرد"۔

(وہ اپنا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں گذارتے۔ نیز زمین کاشت کرنے میں جو کہ ایک جائز ذریعہ کمائی ہے۔ وہ خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرتے)۔ سیرالاولیاء ص ۱۸۶۔

تھے۔ شیخ بایزید کے صاحبزادے شیخ کمال الدین تھے جو موضع دھر میں آباد ہو گئے
اور انہوں نے اس علاقہ میں سلسلۂ چشتیہ کی تبلیغ و ترویج کی۔ شیخ کمال شیخ نظام الدین
اولیاءؒ کے چہیتے مرید اور خلیفہ تھے[۱]

۲: خواجہ شہاب الدینؒ :

بابا صاحب رحمۃ اللہ کے دوسرے فرزند کا نام عوارف المعارف کے مصنفؒ
کے نام پر رکھا گیا[۲]۔ آپ ایک اجل عالم تھے اور بابا صاحب بھی آپ کی دلفریب اور لبھا دینے
والی گفتگو کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ بابا صاحب کے جماعت خانے میں رہتے
تھے اور عبادت و ریاضت کی درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے[۳]۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ
کے آپ سے بڑے خوشگوار تعلقات تھے۔ آپ کی ہم عصر یا نیم ہمعصر تصانیف میں آپ کے

---

[۱] شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے آپ کو ایک سکہ دیا اور حکم دیا کہ مالوہ میں آباد ہو جائیں، سیرالاولیاء ص: ۱۹۸،
اس علاقہ میں آپ بہت مقبول و ہر دلعزیز ہو گئے اور دور و نزدیک سے لوگ جوق در جوق آپ کے پاس آتے۔ آپ کی
قبر پر سلطان محمود خلجی نے ایک خوبصورت مقبرہ بنوا دیا اور آپ کی خانقاہ کے نام ایک جاگیر وقف کر دی، گلزار ابرار مخطوطہ

[۲] مختصر حالات کے لئے دیکھیں: فوائد الفواد، ص: ۷۵، سیرالاولیاء ص: ۱۸۶-۱۸۹،
اخبار الاخیار ص: ۶۹-۷۰، مرآۃ الاسرار (مخطوطہ)، جواہر فریدی (مخطوطہ) باب دوم فصل
سوم، معارج الولایت (مخطوطہ)، مطلوب الطالبین (مخطوطہ)۔

[۳] شیخ نظام الدین اولیاءؒ ہمیں بتاتے ہیں کہ آپ یعنی شہاب الدین اس روز پیدا ہوئے جس روز
عوارف المعارف سب سے اول باباصاحبؒ کے پاس لائی گئی۔ فوائد الفواد، ص: ۷۵۔

[۴] محمد بلاق چشتی کا بیان ہے "شیخ شہاب الدین لشکر پیشہ بود"۔ مطلوب الطالبین مخطوطہ
ص: ۱۰۰۔ اس کی تائید قدیم ماخذوں سے نہیں ہوتی۔

بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ علی اصغر کے مطابق آپ کے چھ بیٹے تھے یعنی شیخ حسام الدین، شیخ عبدالحمید، شیخ مسعود، شیخ محمد، شیخ علی شیر، شیخ جمشید[۱]۔ شیخ شہاب الدینؒ کے ان صاحبزادوں کی اولاد دہلی، فتح پور، چاندواڑہ، جون پور، ٹانڈہ، سرے رہتاس گڑھ، پھلواڑی، بہار اور بنگال کی دوسری جگہوں پر آباد ہو گئی۔

۳ : شیخ بدرالدین سلیمان[۲] :

آپ بابا صاحب کے تیسرے فرزند تھے۔ بابا صاحب کے گھر لنے نے آپ ہی کو بابا صاحبؒ کا جانشین بنایا[۳]۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو سلسلہ چشتیہ میں خلافت بزرگان چشت سے بلاواسطہ ملی تھی[۴]۔ کہا جاتا ہے کہ چشت میں سجادہ نشینی کے بارے میں کوئی تنازعہ تھا خواجہ زور اور خواجہ عوز چشت سے دہلی تشریف لائے تاکہ شیخ علی چشتی کو راضی کر کے واپس گھر لے جائیں تاکہ وہ اپنے مرحوم بھائی کے سجادہ نشین بنیں۔ بلبن شیخ علی چشتی کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا اور اس نے دھمکی دی کہ اگر شیخ واپس چلے گئے تو وہ تخت و تاج سے دستبردار

---

[۱] جواہر فریدی (مخطوطہ)، باب دوم، فصل سوم۔

[۲] مختصر حالات ملاحظہ ہوں: سیرالاولیاء ص: ۱۸۸-۱۸۹، اخبارالاخیار ص: ۷۰، مراۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۵۵۷، جواہر فریدی (مخطوطہ) باب: ۲، فصل: ۳، معارج الولایت (مخطوطہ) ج: ۱، ص: ۲۷۰-۲۷۱، مطلوب الطالبین (مخطوطہ) ص: ۱۰۰ الف۔

[۳] کوئی ہم عصر یا نیم ہم عصر آخذ یہ بیان نہیں کرتا کہ آپ نے خلافت اپنے والد ماجد حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ یہ سہو قابل افسوس بھی ہے اور معنی خیز بھی۔

[۴] سیرالاولیاء، ص: ۱۸۸-۱۸۹۔

ہو جائے گا[1]۔ دونوں فرستادہ واپسی پر اجودھن سے گذرے تو شیخ فریدؒ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور انہیں اپنے پاس سے دو ٹوپیاں دے کر عرض کی کہ میرے بچوں شیخ بدرالدین اور شیخ نظام الدین کو پہنا دیں[1]۔

شیخ علاؤ الدین[2] اپنے والد شیخ بدرالدین سلیمان کے جانشین ہوئے۔ سجادہ نشینی کے وقت آپ کی عمر ۱۶ برس تھی۔ نصف صدی[3] سے زائد عرصے تک آپ نے شیخ فریدؒ کی خانقاہ کو رونق بخشی اور ہر طرف سے لوگ آپ کی طرف کھنچے چلے آتے۔ آپ کی شہرت سکندریہ تک[4] پھیل گئی۔ امیر خسروؒ، امیر خورد، ضیاء الدین برنی اور دیگران نے آپ کی مسلسل روزہ داری، شب بیداری، عبادت و ریاضت کی تعریف کی ہے۔ امیر خسروؒ آپ کے متعلق لکھتے ہیں ؎

---

[1] سیرالاولیاء ص: ۲۱۲؛ ضیاء الدین برنی بیان کرتے ہیں کہ بلبن بزرگوں کو بہت ماننے والا تھا۔ (تاریخ فیروز شاہی، ص: ۴۶) اس نے چند بزرگوں کے نام بھی دیئے ہیں جن کی سلطان بڑی عزت کرتا تھا اس فہرست میں شیخ علی کا نام نہیں ہے۔ مراۃ الاسرار (ص: ۵۵۷) اور معارج الولایت (مخطوطہ ج: ۱، ص: ۲۷۱) کے مصنف کا بیان ہے کہ بلبن شیخ علی کا مرید تھا۔ کوئی قدیم ماخذ اس کی تائید نہیں کرتا۔

[2] سیرالاولیاء ص: ۱۸۸-۱۸۹، شیخ بدرالدین سلیمان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چشتی بزرگانِ پاک و ہند کی طرح سر نہیں منڈوایا تھا (محلوق نبود) بلکہ آپ نے لمبے بال رکھے ہوئے تھے جن کے درمیان سے مانگ نکال لیتے تھے (فرق کرد) جیسے کہ چشت کے بزرگ کیا کرتے تھے۔ سیرالاولیاء ص: ۱۸۸

[3] جستہ جستہ حالات دیکھیں: سیرالاولیاء ص: ۱۹۳-۱۹۶، تاریخ فیروز شاہی برنی ص: ۳۴۷، سیرت فیروز شاہی (مخطوطہ)، اخبارالاخیار ص: ۹۴-۹۵، معارج الولایت (مخطوطہ) جلد اول۔

[4] سیرالاولیاء ص: ۱۹۳، اخبارالاخیار، ص ۹۵۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

علائے دنیا و دین شیخ و شیخ زادۂ عصر — کہ شد بہ ترتبیہ قائم مقام شیخ فرید
ز تاب نور تجلّی چو کرد رُخش عرق — ہزار چشمۂ خورشید از جبین بچکید
بگو کہ دید ثریا بلندی قدرش — کہ تا قیامت خواہد بر آسمان خندید
خہی بروشنی از بدر زادہ خورشیدی — ز بدر زادنِ خورشید تا بدار کہ دید
چو ساکنانِ سپہر از حوادث امین گشت — کسے کہ در سپر ذیل عصمت تو خزید
ز بہر سبحۂ تو چرخ مہر ز انجم کرد — ز مشتری رگِ جانش برائے رشتہ کشید
زہے نخفتہ شب در سوادِ حسنت تو — چو پیر در شبِ قدر و چو طفل در شبِ عید

حیات بخش جہانی دمِ مسیحی تست
چہ حدِ گفتنِ خسرو کہ عمر تو بزید[1]

ضیاء الدین برنی نے آپ کو نیکی اور خلوص کا پتلا بیان کیا ہے[2]۔ اور کہا ہے کہ آپ کا وجودِ مسعود علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں برّصغیر پاک و ہند پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھا۔ آپ مسلسل روزے رکھتے اور عیدین کے دو اور تشریق[3] کے تین دن چھوڑ کر کسی دن[4] بھی کسی نے انہیں کھاتے نہیں دیکھا، سوائے نماز جمعہ[5] کے وہ اپنی خانقاہ سے باہر نہیں آتے تھے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ) ۵؎ : رحلہ ابن بطوطہ جلد دوم ص : ۱۲۰ - یہ عرب سیاح آپ کا صحیح نام یاد نہ رکھ سکا اور آپ کے دادا شیخ فرید کے نام کے ساتھ گڈمڈ کر گیا۔

۱؎ اخبار الاخیار، ص : ۹۴-۹۵ -

۲؎ تاریخ فیروز شاہی، ص : ۳۴۷، سیرت فیروز شاہی کے گمنام مصنف کا بیان ہے کہ آپ نے ساری زندگی ذکر اور عبادت میں صرف فرمادی (مخطوطہ ص : ۱۷۰)۔

۳؎ مکہ میں قربانی کے بعد تین دن، عید کے بعد اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا منع ہے۔

۴؎ سیر الاولیاء ص : ۱۹۴ -

۵؎ ایضاً ص : ۱۹۴ -

سیر الاولیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ شیخ علاؤالدین کی رُوحانی عظمت کی شہرت آپ کی زندگی ہی میں دُور دُور تک پھیل گئی اور آپ کا نامِ نامی عظیم المرتبت مشائخ میں سے گِنا جانے لگا۔ اس طرح اجودھن، دیپال پُور اور کشمیر کی جانب پہاڑیوں میں رہنے والے لوگوں نے آپ کی محبّت اور عقیدت میں عمارات اور خالی قبریں بنا رکھی ہیں جن کو وہ مقبرے کہتے ہیں۔ ان مقبروں پر وہ نذر و نیاز لیتے ہیں، خیرات تقسیم کرتے ہیں اور قرآنِ مجید ختم کرتے ہیں[۱]۔

جب کبھی کوئی شخص آپ سے بیعت کی خواہش کا اظہار کرتا تو شیخ علاؤالدین فرماتے "اسے باباصاحبؒ (بابافریدؒ) کے مزار پر لے جاؤ اور اس کے درویشانہ ٹوپی پہنا دو"[۲]۔ سلطان محمد بن تغلق آپ کے تقویٰ سے اِس قدر مرعوب ہوا کہ آپ کا مُرید ہو گیا[۳]۔ آپ کے وقت بابا فریدرحمۃ اللہ کا جماعت خانہ مظلوم اور ستم رسیدہ افراد کے لئے امن و پناہ گاہ بن گیا۔ امیر خورد بیان کرتے ہیں کہ آپ کا رُعب و دبدبہ اس قدر تھا کہ جو لوگ ان کے جماعت خانہ میں پناہ گزیں ہوتے انہیں سُلطان بھی ہاتھ نہ لگا سکتا تھا[۴]۔

۱؎ "چنانکہ صیت عظمت و کرامت او ہم در حیات عزیز او میان عالم منتشر شد و اسم مبارک او میان اسامی اولیاء مذکور و مشہور گشت چنانچہ در دیار اجودھن و دیپالپور و جبالی کہ سمت کشمیر است خلق آں دیار از غایت محبت و اعتقاد مقابر ساختہ اند و قبرہا کردہ و بنام روضہ متبرکہ او تیمن و تبرک می گیرند و دراں موضع صدقات و ختمات می کنند"۔ سیر الاولیاء، ص: ۱۹۳۔

۲؎ سیر الاولیاء، ص: ۱۹۴۔

۳؎ سیر الاولیاء، ص: ۱۹۶، اخبار الاخیار ص: ۹۵، تینوں عظیم تغلق سُلطان حضرت شیخ کے معتقد تھے۔ ملاحظہ ہو: "تاریخ فیروز شاہی"، شمس سراج عفیف ص: ۲۷، ۳۲۱۔

۴؎ سیر الاولیاء ص: ۱۹۶۔

سیر الاولیاء میں ایک بڑا معنی خیز قصہ شیخ علاؤ الدین کے بارے میں بیان کیا گیا ہے:

ایک دفعہ دہلی سے ملتان جاتے ہوئے سہروردی سلسلہ کے مشہور و معروف بزرگ شیخ رکن الدین ملتانی بابا فرید صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوئے[1]۔ جب وہ مزار سے باہر آ رہے تھے تو آپ شیخ علاؤ الدین سے ملاقی ہوئے اور ان سے بغلگیر ہو کر فرمایا "اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر مستقل مزاج بنایا ہے کہ کوئی شخص بھی آپ کو اپنے مقام سے نہیں ہلا سکتا لیکن میں اپنے چند دنیادار رشتہ داروں کی وجہ سے در در کی خاک چھان رہا ہوں"۔ جب شیخ رکن الدین روانہ ہو گئے تو شیخ علاؤ الدین گھر گئے اور غسل کیا، کپڑے تبدیل کئے[2]۔ جب یہ بات شیخ رکن الدین کو بتائی گئی تو انہوں نے فرمایا "تمہیں شیخ علاؤ الدین کے مقام کا علم نہیں۔ ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ مجھ سے دنیاداری کی بو آتی ہے جبکہ آپ اس نجاست سے پاک و صاف ہیں[3]"۔

شیخ علاؤ الدین کو بابا فرید علیہ الرحمہ کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ محمد بن تغلق نے آپ کے مزار پر ایک شاندار مقبرہ بنوا دیا[4]۔

---

[1] ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شیخ پر دوسروں کی ناپاکی کا وہم طاری رہتا ہے اور میں اس چیز سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ وہ یعنی شیخ نہ کسی سے ہاتھ ملاتے ہیں اور نہ کسی کے نزدیک جاتے ہیں۔ جہاں ان کا کپڑا کسی دوسرے سے مس ہوتا ہے وہ اسے دھو لیتے (رحلہ ابن بطوطہ مترجمہ ڈاکٹر ایم۔ ایم حسین، ص: ۲۰، عربی متن، ج: ۲، ص ۱۳۰) شیخ کے اس وہم کے لئے ابن بطوطہ نے لفظ 'وسواس' استعمال کیا ہے۔

[2] سیر الاولیاء ص: ۱۹۶۔

[3] سیر الاولیاء ص: ۱۹۶۔

[4] سیر الاولیاء ص: ۱۹۶، رحلہ ابن بطوطہ، ج: ۲، ص: ۱۳۰، ابن بطوطہ انہیں عالم بتاتا ہے۔

شیخ علاؤالدین کے دو فرزند تھے۔ شیخ معزالدین اور شیخ علم الدین[1]۔ شیخ معزالدین مولانا وجیہہ الدین پائلی کے شاگرد تھے[2]۔ وہ اپنے والد کے جانشین ہوئے مگر محمد بن تغلق نے پہلے آپ کو دہلی بھیجا اور پھر گجرات بھیج دیا جہاں وہ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے[3]۔ محمد بن تغلق، شیخ علم الدین کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا[4]۔ اس نے آپ کو شیخ الاسلام مقرر کر دیا۔ آپ بھی اپنے والد کے پہلو میں محو استراحت ہیں۔

اجودھن میں شیخ معزالدین کے فرزند افضال الدین فضیل اپنے والد کے جانشین ہوئے آپ کے بھی دو صاحبزادے تھے۔ شیخ ممنوّر اور شیخ سعدالدین۔ اول الذکر اپنے والد کے جانشین ہوئے[5]۔ شیخ علم الدین کے فرزند شیخ مظہر الدین اپنے والد کی وفات کے بعد شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز ہوئے[6]۔

---

[1] سیرالاولیاء ص: ۱۹۶، مولانا وجیہہ الدین پائلی شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک مخلص مرید تھے۔ وہ اپنے عہد کے ایک نامور عالم تھے اور فقہ اسلامی کی سمجھ بوجھ میں ان سے کوئی لگا نہ کھاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ جب آپ بابا فریدؒ کے مزار پر گئے تو آپ نے لحد میں سے ایک آواز سنی، "ابو حنیفہ پائلی خوش آمدید"۔ آپ دہلی میں حوض شمسی کے پاس مدفون ہیں۔ سیرالاولیاء ص: ۲۹۶، مختصر حالات کے لیے دیکھیں: سیرالاولیاء ص: ۲۹۶-۲۹۸ اخبارالاخیار ص: ۹۸، گلزار ابرار (مخطوطہ)

[2] سیرالاولیاء ص: ۱۹۶

[3] سیرالاولیاء ص: ۱۹۶۔

[4] سیرالاولیاء ص: ۱۹۷۔

[5] سیرالاولیاء ص: ۱۹۷۔

شیخ بدرالدین سلیمان کی اولاد ملک کے مختلف حصوں میں جاکر آباد ہوگئی۔ ان میں سے کچھ اجودھن میں رہے باقی گجرات کی طرف ہجرت کر گئے۔ حیدرآباد کے کچھ فریدی خاندان اپنا شجرۂ نسب شیخ بدرالدین سلیمان تک لے جاتے ہیں۔

۴ : شیخ نظام الدینؒ[1] :

آپ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے چہیتے فرزند تھے اور بقول شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ[2] بابا صاحب چاہتے تھے کہ شیخ نظام الدین ان کی روحانی عظمت کے واحد وارث ہوں[3] بابا صاحبؒ شیخ نظام الدین کی بے لاگ اور جرأت مندانہ گفتگو کا کبھی برا نہ مانتے[4] وہ

---

[1] مختصر حالات کے لیے دیکھیں: سیرالاولیاء ص: ۱۸۹-۱۹۰، خیرالمجالس، ص: ۲۲۴، اخبارالاخیار ص: ۷۰، مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۵۵۷-۵۵۸، جواہر فریدی (مخطوطہ) باب ۲: فصل سوم، معارج الولایت (مخطوطہ) ج: ۱، ص: ۲۷۱-۲۷۲، مطلوب الطالبین (مخطوطہ) ص: ۱۰۰ ا۔

[2] سیرالاولیاء ص: ۱۸۹-۱۹۰۔

[3] خیرالمجالس، ص: ۲۲۴، کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ بابا فریدؒ اپنے لڑکوں اور مریدوں کے ساتھ ایک کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ بابا صاحبؒ اور آپ کے مرید شیخ نظام الدین اولیاؒ کے علاوہ سب سو رہے تھے یکدم بابا صاحب نے آواز دی "نظام"! شیخ نظام الدین اولیاؒ جو جاگ رہے تھے، نے جواب دیا جی حضور! بابا صاحب نے فرمایا میں نے اپنے لڑکے نظام کو آواز دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بابا صاحبؒ نے پھر آواز دی۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے جواب دیا حاضر جناب! بابا صاحب نے فرمایا ادھر آؤ! مسعود اپنے لڑکے نظام کو برکت دینا چاہتا تھا مگر اللہ یہ برکت تمہیں دینا چاہتا ہے۔

[4] سیرالاولیاء ص: ۱۸۹-۱۹۰۔

بڑی دُنیاوی عقل و دانش کے مالک تھے۔ اِن کی بہادری کا بھی شُہرہ تھا۔ امیر خورد انہیں "حیدرِ ثانی" کہتے ہیں[1]۔ آپ غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ - ۶۸۶ھ/۱۲۶۶ء - ۱۲۸۷ء) کی فوج میں سپاہی تھے اور اجودھن[2] کے مقام پر منگولوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ مقتولین میں سے آپ کی نعش شناخت نہ کی جا سکی[3]۔ آپ کا ایک لڑکا خواجہ ابراہیم تھا جس کی شادی امیر خورد کی خالہ سے ہوئی تھی۔ ان کے لڑکے خواجہ عزیز الدین کو شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے تربیت دی اور وہ انہی کے پاس جماعت خانہ میں رہتا تھا۔ شیخ بدرُ الدین اسحٰقؒ کے لڑکوں محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ کے جماعت خانہ میں آنے سے پہلے خواجہ عزیز الدین کھانے سے قبل قرآنی آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ پسندیدگی سے سر ہلاتے اور فرماتے "مرحبا مرحبا"۔ خواجہ عزیز الدین شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی قبر کی پائنتی میں دفن ہوئے۔ امیر خورد آپ کی ایک ہمشیرہ[4]

---

[1] سیر الاولیاء، ص : ۱۹۰۔

[2] سیر الاولیاء، ص : ۱۹۰ لیکن مرآۃ الاسرار کے مصنف کا کہنا ہے کہ شیخ نظام الدین کی وفات کے بارے میں دو روایات ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب منگولوں نے اجودھن پر حملہ کیا تو آپ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ سلطان علاؤ الدین خلجی کی فوج میں تھے اور رنتھمبور کی مہم میں فوت ہوئے۔ نیز دیکھیں : معارج الولایت (مخطوطہ)، جلد اوّل ص : ۲۷۱)۔

[3] یہ امیر خورد کا کہنا ہے۔ (سیر الاولیاء ص : ۱۹۰)، مولانا عبدالرحمٰن چشتی (مرآۃ الاسرار مخطوطہ، ص : ۵۵۸) اور غلام معین الدین (معارج الولایت (مخطوطہ)، جلد اول ص : ۲۷۱) کہتے ہیں کہ آپ رنتھمبور میں مدفون ہیں اور لوگ آپ کی قبر کی زیارت کرتے تھے۔

[4] سیر الاولیاء، ص : ۱۹۹

اور اُس کے گھرانے کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

۵ : شیخ یعقوب[۱] :

آپ بابا فرید صاحبؒ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے انہوں نے مولانا بدرالدین اسحٰق کے ساتھ قرآن پڑھا تھا۔ وہ وجدانی فہم و فراست کے مالک تھے نیز وہ نہایت مہذب اور ایثار پیشہ تھے انہوں نے ملامتیہ[۲] صوفیاء کے اطوار اختیار کر لیے تھے اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ سیرالاولیاء کے مصنف کے مطابق آپ امروہہ[۳] کے قریب کہیں گم ہو گئے۔

شیخ یعقوبؒ کے دو بیٹے تھے۔ خواجہ عزیزالدین اور خواجہ قاضی۔ دونوں کو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے تعلیم و تربیت دی۔ خواجہ عزیزالدین کو انہوں نے دیوگیر بھیج دیا[۴] جہاں وہ محمد بن تغلق سے کہیں پہلے آباد ہو گئے۔ سالہا سال بعد جب امیر خورد سلطان محمد بن تغلق کے پیچھے دیوگیر پہنچے تو وہ شیخ عزیزالدین کی روحانی عظمت و سطوت[۵] سے بہت متأثر ہوئے۔ شیخ عزیزالدین کو دیوگیر میں شہید کر دیا گیا[۶]۔ خواجہ قاضی چبوترہ یاراں[۷] پر دفن

---

[۱] مختصر حالات ملاحظہ ہوں: سیرالاولیاء ص: ۱۹۰، ۱۹۱، اخبارالاخیار ص: ۷۰، مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۵۵۸، معارج الولایت، (مخطوطہ)، جلد اول، ص: ۲۴۲-۲۴۳۔

[۲] ملامتیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صحیح عبادت کا معیار یہ ہے کہ لوگ ایک درویش کو کتنا حقیر جانتے ہیں۔ اس بنا پر وہ نہ صرف ترک ارکانِ اسلام کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ بڑے سے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں تاکہ لوگ اُن کو توہین و حقارت کی نظر سے دیکھیں۔

[۳] سیرالاولیاء ص: ۱۹۱، مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۵۵۸۔

[۴] سیرالاولیاء ص: ۱۹۸، شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے شیخ کمال الدین مذکورالصدر (باقی آئندہ صفحہ پر)

ہیں۔

۶ : بی بی مستورہ[۱] :

آپ نہایت عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں۔ آپ کے دو لڑکے تھے خواجہ عزیزالدین صوفی اور خواجہ کبیرالدین، شیخ نظام الدین اولیاءؒ دونوں سے محبت کرتے تھے[۲]۔ دونوں نے اپنی زندگی شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے جماعت خانہ میں بسر کی، خواجہ عزیزالدین قاضی محی الدین کاشانی کے شاگرد تھے[۳]۔ آپ بہت اچھے خوش نویس تھے[۴]۔ آپ نے شیخ نظام الدین

(بقیہ گذشتہ صفحہ) کو مالوہ اور شیخ عزیزالدین کو دیوگیر جانے کو کہا اور دونوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک جلالی (اشرفی) عنایت کی۔ عزیزالدین نے اپنے دوست سے پوچھا یہ ایک جلالی سے کیا بنے گا۔ کمال الدین نے جواب دیا شیخ نے ہمیں جلالی (عزت) دی ہے، مطمئن رہو۔ [۵] : سیرالاولیاء، ص: ۱۹۷،
[۶] سیرالاولیاء ص: ۱۹۷، [۷] سیرالاولیاء ص: ۱۹۷۔

---

[۱] مختصر حالات کے لئے دیکھیں: سیرالاولیاء ص: ۱۹۱، مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۵۵۹ جواہر فریدی (مخطوطہ)۔

[۲] ایک دفعہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ مولانا وجیہہ الدین پائلی سے ناراض ہوگئے۔ کیونکہ وہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرشد کی اولاد خواجہ عزیزالدین کے مقابلہ میں مجلس میں اونچی جگہ پر بیٹھتے تھے۔ سیرالاولیاء ص: ۲۰۲، نیز اخبارالاخیار، ص: ۹۵۔

[۳] قاضی محی الدین کاشانی شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک نامور مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ اپنے علم وفضل کی بنا پر بہت ممتاز تھے۔ ان کی زندگی کے حالات ملاحظہ ہوں: سیرالاولیاء ص: ۲۹۴-۲۹۶ خیرالمجالس ص: ۱۵۰-۱۵۱، ۲۰۲-۲۰۳، [۴] سیرالاولیاء ص: ۲۰۲، اخبارالاخیار ص: ۹۵۔

اولیاءؒ کے ملفوظات کو "تحفۃ الابرار فی کرامت الاخیار[1]" کے نام سے مدون کیا۔ ان ملفوظات کے متن پر شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے خود نظرِ ثانی کی۔

آپ کے لڑکے قطب الدین حسن کو شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے خلافت ملی اور انہوں نے چشتی صوفیانہ اصولوں[2] کی ترویج داشاعت کی۔ شیخ کبیر الدین نے بھی اپنے بھائی کی طرح ریاضت و مجاہدہ کو اپنا رکھا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ آپ کے بارے میں بہت اعلیٰ رائے رکھتے تھے[3]۔

۷ : بی بی شریفہ[4] :

بی بی صاحبہ اپنی نوعمری ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں اور پھر آپ نے شادی نہیں کی۔ آپ کی طبیعت شدید طور پر مذہبی تھی اور بابا فرید رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے، "اگر مرشد کا خلافت نامہ اور سجادہ عورت کو دینے کی اجازت ہوتی تو میں بی بی شریفہ کو دے دیتا[5]۔" بابا صاحب نے آپ کے متعلق مزید فرمایا :

لو کان النساء کمثل ھذا لقد فضلت النساء علی الرجال[6]

---

[1] ملفوظات اب ناپید ہیں۔

[2] سیر الاولیاء ص : ۲۰۳ -

[3] سیر الاولیاء ص : ۲۰۳ ضمیمہ -

[4] سیر الاولیاء ص : ۱۹۱، سرارۃ الاسرار ص : ۵۵۸-۵۵۹، گلزار ابرار (مخطوطہ) جواہر فریدی (مخطوطہ) -

[5] سیر الاولیاء ص : ۱۹۱ -

[6] سیر الاولیاء ص : ۱۹۱ -

(اگر دُوسری عورتیں بھی بی بی شریفہ کی مانند ہوتیں تو عورتیں مَردوں پر سبقت لے جاتیں)۔

۸ : بی بی فاطمہ :

آپ کی شادی شیخ بدرالدین اسحٰق سے ہوئی جو کہ باباصاحبؒ کے ایک مُخلص مُرید تھے آپ کے دو لڑکے تولد ہوئے۔ خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد مُوسیٰ۔ مولانا بدرالدین اسحٰق کی وفات کے بعد جب ان کے کُنبے کا کوئی آسرا نہ رہا تو شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے سید محمد کرمانی کو اجودھن بھیجا تاکہ وہ بی بی صاحبہ سے درخواست کریں کہ وہ دہلی میں آکر رہائش پذیر ہو جائیں بی بی فاطمہ کو دہلی آئے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے کہ یہ افواہ پھیل گئی کہ بی بی فاطمہ سے شیخ نظام الدین اولیاءؒ خود نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو اس کا پتہ چلا تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ اسی رنج کی بنا پر وہ اجودھن چلے گئے اور جب دہلی لوٹے تو بی بی فاطمہ کا اِنتقال ہو چکا تھا[1] خواجہ محمد امام اور خواجہ مُوسیٰ کو شیخ نظامُ الدین اولیاءؒ نے بڑی محبت سے تعلیم و تربیت دی۔ خواجہ محمد امام نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے خلافت نامہ بھی حاصل کیا انہوں نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی زندگی ہی میں لوگوں کو بیعت کرنا شروع کر دیا تھا[2]

---

[1] سیر الاولیاء، ص : ۱۹۲ تا ۱۹۳۔

[2] خواجہ امام اور خواجہ موسیٰ کے بارے میں دیکھیں سیر الاولیاء، ص : ۱۹۹-۲۰۲۔

باب : ۱۳

خلفائے عظام

سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ بابا فرید صاحب علیہ الرحمہ کے بیشمار خلفا تھے[1] البتہ امیر خورد مندرجہ ذیل خلفاء کا ذکر کرتے ہیں :

۱ : شیخ نجیب الدین متوکلؒ
۲ : مولانا بدرالدین اسحاقؒ
۳ : شیخ جمال الدین ہانسویؒ
۴ : شیخ نظام الدین اولیاءؒ
۵ : شیخ عارفؒ
۶ : شیخ علی صابرؒ
۷ : مولانا فخرالدین صفاہانیؒ[2]

---

[1] سیر الاقطاب ، ص : ۱۷۵ ، معین الدین عبداللہ (معارج الولایت ، مخطوطہ ج : ۱ ، ص : ۲۹۷) باباصاحبؒ کے خلفاء کے بارے میں عجیب غریب باتیں بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شیخ فرید کے دُنیا میں ایک ہزار ، سمندر میں اٹھارہ ہزار ، ہوا میں چارسو ، آسمان پر چارسو ، اور کرہ قافنہ میں چار سو خلفاء ہیں۔ یہ سارا بیان اساطیری ہے اور ہمارے مقصد کے لئے ناقابلِ اعتبار۔

[2] سیر الاولیاء ص : ۱۸۵-۱۹۷ ، شیخ فریدالدین صفاہانیؒ کا سیر الاولیاء میں سرسری ذکر ہے (ص : ۳۴۵) اس بزرگ کے مفصل حالات معلوم نہیں۔ آپ بلگرام میں ہاتش پذیر ہو گئے۔ شیخ فریدؒ کے ایک دوسرے خلیفہ شیخ وحیدؒ تھے جن کے متعلق سید گیسو درازؒ کا بیان ہے کہ بابا فریدؒ کے خلیفہ تھے (جوامع الکلم ص : ۲۴۱) مگر ان کے بھی مفصل حالات معلوم نہیں

بعد کے مصنفین نے دوسرے بہت سے نام بھی گنوائے ہیں۔ شیخ اللہ دیا اور مولانا معین الدین عبداللہ نے شیخ شمس الدین ترک پانی پتی[1]، شیخ دہاروؔ[2]، شیخ زین الدین دمشقی[3]، شیخ علی شکر ریز، شیخ علی شکر بار، شیخ محمد سراج، شیخ محمد جمال کامل[4]، مولانا داؤد پالہی[5]، محمد شاہ غوری[6]، مولانا محمد ملتانی[7]، مولانا علی بہاری[8]، محمد نیشاپوری[9]، مولانا حمید الدین[10]،

۱۔ آپ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے۔ اللہ دیا بیان کرتا ہے کہ آپ نے بابا فرید رحمۃ اللہ سے بھی خلافت حاصل کی تھی۔ مگر اس بیان کی تائید قدیم ماخذوں سے نہیں ہوتی۔ آپ کی زندگی کے حالات ملاحظہ ہوں: سیر الاقطاب ص: ۱۸۴ تا ۱۹۷ مرآۃ الاسرار (مخطوطہ)، ص: ۶۰۹-۷۰۳۔

۲۔ سیر الاقطاب ص: ۱۷۷، ہمارے قدیم ماخذ ان کا ذکر نہیں کرتے۔

۳۔ سیر الاقطاب، ص: ۱۷۷، معین الدین عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ زین الدین شیخ فریدؒ کی اولاد میں سے تھے (معارج الولایت، مخطوطہ، ج: ۱، ص: ۲۸۳)۔

۴۔ سیر الاقطاب کے علاوہ کوئی کتاب بھی علی شکر ریز کا ذکر نہیں کرتی اور نہ ہی شیخ علی شکر بار، شیخ محمد سراج اور شیخ محمد جمال کامل کا۔ معین الدین عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ غالباً شیخ علی صابر اور شیخ علی لاحق بعد میں شیخ علی شکر ریز اور شیخ علی شکر بار مشہور ہو گئے۔ معارج الولایت (مخطوطہ) جلد اول ص: ۲۹۶

۵۔ مولانا داؤد پالہی بابا فریدؒ کے نامور مرید تھے خلیفہ نہیں تھے۔ آپ کے تقویٰ اور خلوص کی بہت تذکروں اور تصوف کی کتابوں میں تعریف کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: خیر المجالس ص: ۱۱۸ - ۱۱۹، اخبار الاخیار ص: ۷۰، گلزار ابرار (مخطوطہ)، معارج الولایت، مخطوطہ جلد اول، ص: ۲۰۹

۶۔ فوائد الفواد (ص: ۶۴) اور سیر الاولیاء ص: ۸۵، دونوں کتب آپ کا ذکر بابا فرید رحمۃ اللہ کے، نہایت مخلص اور صادق مرید کے طور پر کرتے ہیں تاہم بابا صاحب نے آپ کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔

۷۔ فوائد الفواد ص: ۵۵، میں آپ کا ذکر بطور زائر کے آیا ہے جو گلہ سے گلے ہے (باقی آئندہ صفحہ پر)

شیخ یوسف[1]، شیخ منتجب الدین[2]، شیخ علی لاحق[3] اور مولانا تقی الدین[4] کا ذکر بطور بابا صاحب رحمۃ اللہ کے خلفاء کے کیا ہے۔ اس فہرست کو کسی قسم کی اہمیت دینا دشوار ہے کیونکہ ابتدائی ماخذوں سے اس کی تائید و تصدیق نہیں ہوتی۔ آپ کے چند مقتدر خلفاء کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

(بقیہ گذشتہ صفحہ) بابا فرید صاحب کے جماعت خانہ میں آیا کرتے تھے۔ معین الدین کے اس بیان کی کہ آپ بابا فرید کے خلیفہ تھے کسی ہم عصر یا نیم ہم عصر ماخذ سے تائید نہیں ہوتی۔ معارج الولایت جلد اول ص: ۲۵۷۔ [8]: فوائد الفواد ص: ۵۲-۵۹، میں آپ کا سرسری ذکر آیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ معین الدین عبداللہ نے کس بنا پر آپ کو بابا صاحب کا خلیفہ شمار کیا ہے (معارج الولایت جلد اول ص: ۲۵۷)۔ اتنی سی بات کہ آپ بابا صاحب کے ان تین پیارے مریدوں میں سے تھے جنہیں قبرستان میں دعا کے لئے بھیجا گیا تھا، یہ ثابت نہیں کرتی کہ آپ کو خلافت بھی دی گئی تھی۔ [9]: قدیم ماخذوں میں آپ کا ذکر بطور بابا صاحب کے ایک مرید کے آیا ہے۔ (فوائد الفواد، ص: ۸۶) اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ بابا صاحب نے آپ کو خلافت بھی دی۔ ——— [10]: معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بابا فرید سے خلافت ملی تھی جنہوں نے آپ کو ایک گاؤں میں آباد ہونے کو کہا، بابا صاحب نے فرمایا: "تو دراں دیہہ برو ساکن شو کہ ترا ایں زمان مثل ستارہ شدی کہ ستارہ در مقابل مہتاب نور ندہد تو دراں دیہہ برو ساکن شو" فوائد الفواد ۲۰۵۔

---

[1] فوائد الفواد ص: ۲۱-۲۲ میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ بابا صاحب نے آپ کو کوئی روحانی کام کرنے کے لئے نہیں دیا تھا۔

[2] اگرچہ قدیم ماخذوں میں صراحتاً ذکر نہیں لیکن آپ کو بابا صاحب کا خلیفہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ امیر خورد بیان کرتے ہیں کہ جب بابا صاحب نے شیخ نظام الدین اولیاء کو خلافت نامہ دیا تو فرمایا کہ اسے مولانا جمال الدین کو ہانسی میں اور قاضی منتجب الدین کو دہلی میں دکھا لینا (سیر الاولیاء ص: ۱۱۶) (باقی آئندہ صفحہ پر)

۱ : شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ[1] :

آپ بابا صاحب رحمۃ اللہ کے سب سے پرانے مرید تھے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ بابا صاحب جس کسی کو بھی خلافت نامہ دیتے اُسے تاکید کرتے کہ شیخ جمال سے اس کی تائید کروالیں۔ امیر خورد نے ایک درویش کا ذکر کیا ہے جس نے کسی طرح سے بابا صاحب سے خلافت نامہ لے لیا لیکن جب وہ شیخ جمال کے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی منتجب الدین ان بزرگ ترین خلفاء میں سے تھے جن پہ بابا صاحب کو بڑا اعتماد تھا۔ معین الدین عبداللہ کا بیان ہے کہ آپ مولانا برہان الدین غریب کے بڑے بھائی تھے اور اپنے مرشد کے حکم سے دیوگیر میں آباد ہو گئے تھے۔ (معارج الولایت، جلد اول ص : ۲۶۱-۲۶۲) مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے مولانا منتجب الدین کے حالات معارج الولایت کی بنیاد پہ لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہو : روضۃ الاولیاء ص : ۱۴ تا ۱۶۔ [3] : معارج الولایت میں شیخ علی لاحق کے بارے میں ایک الجھا ہوا بیان ہے (معارج الولایت، ج : ۱ ص : ۲۶۶-۲۶۷)۔ اس بیان کو بعد کے مصنفین نے حرف نقل کر دیا ہے۔ دیکھیں : خزینۃ الاولیاء ج : ۱ ص : ۳۱۴، [4] : معین الدین عبداللہ کا بیان ہے کہ آپ مولانا داؤد پالہی کے برادر تھے، معارج الولایت : ج اول، ص : ۲۶۸۔

---

[1] آپ کی زندگی کے مختصر حالات کے لئے ملاحظہ ہو : فوائد الفواد، ص : ۴۲ تا ۵۴، وغیرہ، سیر الاولیاء ص : ۱۷۸-۱۸۴، جوامع الکلم، ص : ۲۳۳، اخبار الاخیار ص : ۶۷-۶۸، گلزار ابرار (مخطوطہ)، مرارۃ الاسرار (مخطوطہ) ص : ۵۸۵-۵۸۷، جواہر فریدی (مخطوطہ)، معارج الولایت (مخطوطہ) جلد : ۱، ص : ۲۵۰-۲۵۲، سیر الاقطاب ص : ۱۷۰، ان آپ کے بارے میں جو قصے بیان کئے گئے ہیں وہ ناقابل اعتبار ہیں

پاس تصدیق کے لئے گیا تو شیخ صاحبؒ نے نہ صرف اس خلافت نامہ کی تصدیق کرنے سے انکار کردیا بلکہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ شیخ جمالؒ کے اس فعل پر وہ درویش سخت برافروختہ ہوا اور شکایت لے کر بابا صاحبؒ کی خدمت میں آیا۔ بابا صاحب نے معذوری ظاہر کرتے ہوئے فرمایا :

"جسے ہمارے جمال نے پھاڑ دیا ہم وہ سی نہیں سکتے۔"[1]

شیخ جمالؒ سے بابا صاحب کو بڑی اُنس و محبت تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسی تعلق و محبت کی وجہ سے بابا صاحب ہانسی میں بارہ برس تک رہے۔[2] آپ فرمایا کرتے تھے : "جمال ہمارا جمال ہے۔"[3] کہا جاتا ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے اپنے جملہ مریدین کا شیخ جمالؒ سے تبادلہ چاہا تھا مگر بابا صاحبؒ نے جواب دیا کہ "مال کا تو تبادلہ ہو سکتا ہے مگر جمال کا نہیں۔"[4] جب شیخ جمالؒ بابا صاحب سے بیعت ہوئے تو اُس وقت وہ ہانسی میں خطیب تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے بابا صاحب اپنے خاص مریدین سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ حکومت سے ہر قسم کا تعلق قطع کرلیں۔ چونکہ خطیب کی آسامی بھی سرکاری آسامی تھی اس لئے شیخ جمال کو اسے چھوڑنا پڑا۔ ایک دفعہ شیخ نظام الدین

---

[1] سیرالاولیاء ص : ۱۷۹، "پارہ کردہ جمال را نتوانیم دوخت"۔ بعد کے مصنفین نے اس واقعہ کے بارے میں عجیب قصے گھڑ لئے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ خلافت نامہ کلیر (ضلع سہارنپور) کے مشہور و عظیم ولی کامل کا تھا۔ چشتی سلسلہ کی صابری شاخ حضرت جمال کی کافی عرصہ سے مخالف چلی آرہی ہے اور اس بارے میں کافی لٹریچر بھی معرضِ وجود میں آیا ہے لیکن اب یہ جھگڑا قریباً قریباً ختم ہو چکا ہے۔

[2] سیرالاولیاء ص : ۱۷۸۔

[3] ایضاً ص : ۱۷۸۔

[4] گلزار ابرار (مخطوطہ)۔

اولیاءؒ اجودھن جاتے ہوئے شیخ جمالؒ کے پاس ہانسی ٹھہرے۔ شیخ جمالؒ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے درخواست کی کہ وہ باباصاحبؒ کو ان کی تنگدستی اور مفلسی کی اطلاع دیں۔ جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے باباصاحب کو مذکورہ اطلاع دی تو باباصاحبؒ نے فرمایا:

"اُورا بگوئی چوں ولایت بکسی دادہ شود اُورا واجب است استمالت"۔[1]

(جب کسی کو ولایت دی جاتی ہے تو اُسے اس کا بوجھ بھی اٹھانا ہوتا ہے)۔

شیخ جمال الدینؒ ہر سال ایک دفعہ اپنے پیرو مرشد کی زیارت کے لئے اجودھن آتے۔[2] جب آپ کی صحت لمبے سفر کی متحمل نہ ہو سکتی تو آپ اپنی خادمہ کو بطور قاصد باباصاحبؒ کے پاس بھیج دیتے۔ باباصاحبؒ نے ایک دفعہ اس خادمہ سے پوچھا: "کہو ہمارا جمال کیسا ہے؟" خادمہ نے عرض کیا:

"جب سے وہ خواجہ کے مرید ہوئے ہیں اُنہوں نے گاؤں، مال و منال اور خطیب کا عہدہ سب چھوڑ چھاڑ دیئے ہیں اور اُن کے گرد فاقہ مستی اور مصائب نے گھیرا ڈال لیا ہے۔"

اس اطلاع پر باباصاحبؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "الحمدللہ! جمال خوش ہے۔"[3]

شیخ جمال الدین رحمہ اللہ بہت بڑے عالم تھے۔ ان کی دو تصانیف

---

[1] سیر الاولیاء ص: ۱۸۰۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ بیان کرتے ہیں کہ 'استمالت' کے معنی ہیں سب سے کٹ کر دل کا اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا۔ "توجہ القلب الی اللہ من کل الوجوہ"

[2] فوائد الفواد ص: ۲۴۔

[3] سیر الاولیاء ص: ۱۸۰-۱۸۱۔

فارسی دیوان[1] اور ملہمات[2] جو عربی میں ایک رسالہ ہے، دستبرد زمانہ سے بچ گئی ہیں۔ شیخ جمالؒ اپنے مرشد کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ آپ کی خادمہ جس کا نام امّ المومنین تھا، آپ کے وصال کے بعد آپ کے لڑکے[3] مولانا برہان الدین کو بابا صاحبؒ کے پاس لے گئی۔ مولانا برہان الدین اس وقت ابھی نوعمر تھے مگر بابا صاحبؒ نے انہیں خلافت نامہ عطا فرمادیا[4] اور کہا کہ دہلی جا کر شیخ نظام الدینؒ سے استفادہ کرو۔ خادمہ بہت حیران

---

[1] اس دیوان کی دو جلدیں ہیں ایک جلد غزلوں پر مشتمل ہے اور دوسری میں رباعیات اور قطعے ہیں۔ (راسے بہرجی رفیع الدین تحصیلدار دہلی نے ۱۸۸۹ میں چشمہ فیض پریس دہلی سے شائع کیا) اس دیوان کا ایک نسخہ مخطوطہ کی صورت میں اپسالہ یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی ہے۔ (بلوتھیکا، نمبر ۳۶۰) دیکھیں: اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن مسلنی، ج: ۱، ۱۹۴۸، ص: ۱۶۷-۱۷۴۔

[2] 'ملہمات' ۱۳۰۶ھ میں الور سے چھپی (یوسفی پریس) یہ حکمت تصوف سے پُر ہے اس کے خیالات بہت بلند اور انداز بیان بہت دلنشیں ہے۔ نیز دیکھیں: کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو عربک لٹریچر ص: ۸۲-۸۵

[3] شیخ جمالؒ کے دو لڑکے تھے۔ بڑا لڑکا مجذوب تھا مگر بعض اوقات ہوش میں آجاتا اور بڑی عقلمندی کی باتیں کرتا۔ ایک دفعہ اس نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے کہا "علم حجاب اکبر است"۔ جب اسے وضاحت کرنے کے لئے کہا گیا تو اس نے کہا علم حقیقت سے جدا ہوتا ہے اور جو چیز حقیقت سے جدا ہو وہ حجاب بن جاتی ہے۔ سیر الاولیاء ص: ۱۸۴۔ شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کے مفصل حالات کے لئے دیکھیں: شیخ سراج الحق کی کتاب "سراج النسب" جو ۱۳۱۳ھ میں شائع ہوئی اور ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپی۔

[4] بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو وہ جا نماز اور عصا بھی دیا جو شیخ جمال علیہ الرحمۃ چھوڑ گئے تھے اور فرمایا: "میں تمہیں وہی اختیار دیتا ہوں جو تمہارے باپ کو حاصل تھا"۔ سیر الاولیاء ص: ۱۸۲-۱۸۴۔

تھی کہ باباصاحب نے ایک نابالغ بچّے کو خلافت نامہ عطا فرما دیا ہے اُس نے عرض کیا: "خواجہ! بُرہان الدین ابھی بالا ہے۔" باباصاحب نے جواب دیا: "پونوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے۔" (یعنی ہلال کا چاند بھی بالا ہوتا ہے)۔[1]

شیخ برہان الدین کچھ عرصہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس رہے مگر اس عرصہ میں اُنہوں نے کسی کو بیعت نہیں کیا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ جب تک حضرت نظام الدین محمدؒ موجود ہیں میرے لئے یہ سزاوار نہیں کہ میں کسی کو حلقہ ارادت میں لوں۔ شیخ قطب الدین منورؒ[2] جو کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک ممتاز خلیفہ تھے آپ کے صاحبزادے تھے۔

۲: شیخ نجیب الدین متوکلؒ[3]:

آپ باباصاحب رحمۃ اللہ کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ دھلی میں تعلیم حاصل

---

[1] سیرالاولیاء، ص: ۱۸۳۔

[2] آپ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ کا بہت احترام کرتے۔ جب کبھی آپ دہلی جاتے تو شیخ نظام الدین اولیاءؒ آپ کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھواتے مگر آپ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے احترام میں چارپائی پر نہ سوتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ جب بھی شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو ملنے جاتے تو اپنے کپڑے بدلتے اور خوشبو لگاتے۔ سیرالاولیاء، ص: ۱۸۳ - ۱۸۴۔

[3] آپ ان تین عظیم بزرگوں میں سے ایک تھے جنہوں نے محمد بن تغلق کے عہد میں ایک نہایت نازک دور میں سلسلہ چشتیہ کی روایات کو برقرار رکھا اور احکام سلطانی کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دو بزرگ شیخ نصیر الدین چراغؒ اور شیخ شمس الدین یحییٰؒ تھے۔ زندگی کے حالات ملاحظہ ہوں: سیرالاولیاء، ص: ۲۴۷ - ۲۵۳، تاریخ فیروز شاہی عفیف، ص: ۴۲۳ - ۴۲۴، اخبارالاخیار، ص: ۸۷ - ۸۸، مراۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۶۴۱ تا ۶۴۳، گلزار ابرار (مخطوطہ) معارج الولایت (مخطوطہ) جلد اول ص: ۲۹۸ - ۳۰۲، (باقی آئندہ صفحہ پر)

کرنے کے لئے آتے تھے مگر یہیں کے ہو رہے ۔ آپ کی زندگی بڑی عسرت سے بسر ہوتی تھی۔ ایک دفعہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی مجلس میں ذکر کیا :

"شیخ نجیب الدین متوکل ستر برس شہر میں رہے لیکن نہ آپ کے پاس کوئی جائیداد تھی نہ وظیفہ ۔ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ راضی برضا رہے اور خوش وقتی سے گذر کی ۔ میں نے ان جیسا شہر بھر میں نہیں دیکھا۔" [۱]

آپ کے گھر کا صرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں آپ مع بیوی اور دو فرزندوں کے رہا کرتے تھے[۲] ایک دفعہ کچھ قلندر عید کے روز انہیں مبارکباد کہنے آ گئے۔ آپ کے پاس ان کی مہمان نوازی کے لئے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آپ نے سوچا کہ کوئی چیز بیچ کر ان کی ضیافت کی جائے۔ آپ نے اپنی بیوی کے دامن کی طرف دیکھا مگر وہ تو پھٹا ہوا تھا اور اُس پر پیوند لگے تھے جس کی کوئی قیمت نہ پڑ سکتی تھی۔ پھر آپ نے جا نماز کی طرف دیکھا اُس کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی۔

(بقیہ گزشتہ صفحہ) مطلوب الطالبین مخطوطہ، ص: ۱۱۹ ا - [۴] : آپ کی زندگی کے مختصر حالات کے لئے دیکھیں : فوائد الفواد ص : ۱۴، ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲۸ - خیر المجالس ص : ۷۵ تا ۷۹، سیر الاولیاء ص : ۱۶۷ - ۱۶۹، سیر العارفین ص : ۹۷ - ۱۰۲، اخبار الاخیار ، ص : ۵۹ - ۶۰ ، گلزار ابرار (مخطوطہ) مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) معارج الولایت (مخطوطہ) . [۵] : مولانا جمالی نے سیر العارفین میں (ص : ۳۶) بابا صاحبؒ کے بھائیوں کے نام دیئے ہیں آپ کے سب سے بڑے بھائی عزالدین کہتوال میں وفات پا گئے تھے (سیر العارفین ص : ۳۲)۔ امیر خورد بتلاتے ہیں کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ (برادر بابا صاحبؒ) کے ایک بھائی بدایوں میں رہتے تھے۔ سیر الاولیاء، ص : ۱۶۷۔

[۱] سیر الاولیاء - ص : ۱۶۷۔

[۲] خیر المجالس - ص : ۷۵ - اس کمرہ کے اوپر ایک ٹوٹا ہوا چھپر تھا جہاں آپ زائرین سے ملتے تھے۔

جب مہمانوں کی ضیافت کے لئے تمام کوششیں رائیگاں گئیں تو شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے انہیں ٹھنڈا پانی پیش کر دیا۔[۱] دہلی کی ایک نیک دل اور بزرگ خاتون بی بی فاطمہ[۲] شیخ نجیبؒ کے فاقہ زدہ کنبہ[۳] کی امداد کیا کرتی تھی۔

بابا صاحبؒ نے آپ کو خلافت عطا کر رکھی تھی مگر آپ کے مریدوں کا ہمارے پاس کوئی اندراج نہیں ہے۔ آپ اپنے بھائی سے ملنے اُنتیس بار[۴] اجودھن گئے۔ اُنتیسویں بار جب آپ بابا صاحبؒ سے وداع ہو رہے تھے تو بابا صاحبؒ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اپنے بھائی کی آئندہ ملاقات کے لئے دعا نہ کی جیسا کہ پہلے کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد شیخ نجیبؒ اپنے برادرِ بزرگ سے نہ مل سکے اور خود بابا صاحب کی وفات سے چند ماہ پہلے ہی راہئ ملکِ عدم ہو گئے۔ آپ کو شہر کے باہر دروازہ مندہ[۵] کے پاس دفن کیا گیا۔ آپ کے بارے میں فوائد الفواد میں دو حوالے ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بڑے علمی ذوق کے مالک تھے۔[۶]

۲ : مولانا بدر الدین اسحٰقؒ :

آپ دہلی کے مشہور و معروف علماء میں سے تھے۔ آپ کے بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے

---

[۱] خیر المجالس ص : ۷۵ ، نیز دیکھیں : فوائد الفواد ص : ۱۳۶-۱۳۷ ، جہاں شیخ بدر الدین غزنوی کا طریق کار بیان کیا گیا ہے۔

[۲] اخبار الاخیار ص : ۲۸۶-۲۸۷ ، سیر العارفین ص : ۱۰۱-۱۰۲۔

[۳] فوائد الفواد ص : ۲۴۵۔

[۴] فوائد الفواد ص : ۴۲۔

[۵] سیر الاولیاء ص : ۱۶۹۔

[۶] فوائد الفواد ص : ۲۶-۲۸۔

حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کا ذکر باب ۵ میں کیا جا چکا ہے۔[1] آپ بابا صاحبؒ کے خادم خاص تھے۔ آپ کے سپرد جماعت خانہ کا انتظام اور بابا صاحبؒ کی طرف سے تعویذات لکھنے کا کام تھا۔ اس کے علاوہ آپ خلافت ناموں کے مسودات بھی تیار کیا کرتے تھے۔

بابا صاحبؒ کی زندگی میں شیخ بدرالدین نے کسی شخص کو سوائے ملک شرف الدین کبری کے بیعت نہیں کیا۔ ملک شرف الدین کبری دیپالپور کے مقطاع تھے جن کے بارے میں بابا صاحبؒ نے خاص طور پر بیعت کرنے کے لئے آپ کو حکم دیا تھا۔[2]

شیخ بدرالدین اسحٰق نے عربی گرامر پر ایک فاضلانہ کتاب 'تصریف بدری'[3] لکھی تھی۔ شیخ نظام الدینؒ کے پاس اس کا ایک نسخہ موجود تھا جس پر مصنف کے دستخط موجود تھے۔ اب یہ کتاب نایاب ہے۔

بابا صاحبؒ نے اپنی دختر نیک اختر مسماۃ بی بی فاطمہ کا آپ سے نکاح کر دیا۔ بابا صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کے شیخ بدرالدین سلیمان کے ساتھ تعلقات کچھ ناخوشگوار ہو گئے اور سید محمود کرمانی کی تجویز پر آپ اجودھن کی جامع مسجد میں چلے گئے اور وہاں بچوں کو قرآن مجید پڑھانا شروع کر دیا۔ آپ کو اپنے مرشد سے اس قدر لگاؤ تھا کہ ان کی وفات کے بعد آپ زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہ سکے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ جو آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور آپ کے احسانمند

---

[1] زندگی کے مختصر حالات کے لئے دیکھیں فوائد الفواد ص : ۵۹ تا ۶۰، وغیرہ، سیر الاولیاء ص: ۱۶۲ تا ۱۷۸، خیر المجالس ص : ۱۱۹، ۱۳۰، ۱۳۷، ۲۲۴، سیر العارفین ص : ۴۲ - ۸۵، اخبار الاخیار ص : ۶۶-۶۷، مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) ص : ۵۸۲-۵۸۴، معارج الولایت جلد اول ص : ۲۵۲-۲۵۵-

[2] سیر الاولیاء ص : ۱۷۵ -

[3] سیر الاولیاء ص : ۱۷۳ -

نھے نے آپ کے کنبہ کو دہلی بلوا لیا اور آپ کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں خصوصی دلچسپی لی[1]

۴: شیخ نظام الدین اولیاؒ:[2]

آپ بابا صاحبؒ کے ممتاز ترین خلیفہ تھے۔ آپ نصف صدی بھر دہلی میں رہے اور کام کرتے رہے۔ برنی کے بیان کے مطابق ہر قسم کے لوگ آپ کے پاس آتے اور روحانی سکون و طمانیت کی دولت سے بہرہ ور ہو کر لوٹتے[3] آپ کی سربراہی میں سلسلہ چشتیہ کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا اور آپ کے خلفاء نے ملک کے ہر اہم خطہ[4] میں سلسلہ چشتیہ کے مراکز قائم کر دیئے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ کے جملہ مریدین اور اخلاف نے شیخ نظام الدین اولیاؒ کو اپنا مرشد و رہبر تسلیم کر لیا۔[5]

شیخ نظام الدین اولیاؒ ابھی بچے ہی تھے کہ آپ کے دل میں بابا صاحبؒ سے عقیدت پیدا ہو گئی۔ ایک روز بداؤں کے سکول میں آپ ایک نعت پڑھ رہے تھے کہ ایک ابوبکر نامی

۱۔ سیر الاولیاء ص: ۱۷۱-۱۷۲۔

۲۔ آپ کی زندگی اور تعلیمات کے لئے دیکھیں: فوائد الفواد، سیر الاولیاء، خیر المجالس، جوامع الکلم اور درر نظامیہ (مخطوطہ) نیز دیکھیں: سیر العارفین ص: ۵۹-۹۱، اخبار الاخیار ص: ۵۴-۵۹، مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۵۶۱-۵۸۱، معارج الولایت (مخطوطہ) جلد اوّل ص: ۸۸، ۱۲۰، گلزار ابرار (مخطوطہ)، مطلوب الطالبین (مخطوطہ) آئین اکبری، تاریخ فرشتہ، شجرۃ الانوار (مخطوطہ) اقتباس الانوار (مخطوطہ) نفحات الانس، ص: ۲۵۲-۲۵۳۔

۲۔ تاریخ فیروز شاہی ص: ۳۶۳۔

۴۔ آئین اکبری ص: ۲۰۸۔

۵۔ یعنی شیخ قطب الدین منور، شیخ کبیر الدین، خواجہ عزیز الدین، خواجہ محمد، شیخ کمال الدین۔

قوال جو ملتان اور اجودھن سے ہو کر آیا تھا آپ کے استاد کے پاس آیا اور پنجاب میں اپنے سفر کے دوران جو دلچسپ واقعات اسے پیش آئے بیان کرنے لگا۔ ابو بکر نے شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی خانقاہ سے شروع کیا اور کہا کہ شیخ صاحب کی باندیاں بھی ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں اور جب گندم پیستی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کا ورد کرتی رہتی ہیں۔ ان واقعات نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے دل پر کوئی اثر نہ کیا لیکن جب قوال نے بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ اور پارسائی کی تعریف کی تو شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا دل مچل گیا۔[1] آپ کو بابا صاحبؒ سے یکدم شدید الفت ہو گئی اور ہر نماز کے بعد آپ باباصاحبؒ کا نام جپنے لگے۔ رات کو سوتے وقت آپ جب تک باباصاحبؒ کا ذکرِ خیر نہ کر لیتے سوتے نہ تھے۔ جب ان کے دوستوں کو اس کا علم ہوا تو مشکل مواقع پر وہ آپ کو بابا فرید صاحبؒ کی قسم کھانے کو کہتے۔ اسی طرح چار برس گزر گئے۔ سولہ سال کی عمر میں آپ دہلی کو روانہ ہوئے تاکہ وہاں کے جید علماء سے تعلیم کی تکمیل کریں۔ ایک بوڑھا آدمی 'اعوض' آپ کے ہمراہ تھا۔ 'اعوض' بابا فرید صاحبؒ کا بہت ہی زیادہ عقیدت مند تھا، جب کبھی اسے ڈاکوؤں یا درندوں کے حملے کے خطرے کا ہلکا سا بھی احساس ہوتا تو وہ نہایت بے صبری سے پکار اٹھتا:

"یا پیر مدد! یا پیر مدد! ہم آپ کے زیر سایہ سفر کر رہے ہیں!"

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو کچھ علم نہ تھا 'اعوض' کس بزرگ کو پکارتا ہے۔ جب آپ نے اعوض سے اس بارے میں دریافت کیا تو اس نے بڑے ادب سے[2] بابا فرید رحمۃ اللہ کا نام لیا۔ باباصاحبؒ تو پہلے ہی شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خوابِ خیال پر چھا چکے تھے۔[3] اعوض نے جب بابا صاحبؒ کا

---

[1] فوائد الفواد، ص: ۱۴۹۔

[2] ایضاً ص: ۱۴۹۔ سیر الاولیاء ص: ۱۰۰۔

[3] ایضاً ص: ۱۴۹، ایضاً ص: ۱۰۰۔

ذکرِ خیر کیا تو آپ کی آتشِ شوق اور بھڑک اُٹھی۔

عجیب اتفاق تھا کہ جب آپ دہلی پہنچے تو ایسی سرائے میں ٹھہرے جو شیخ نجیب الدین متوکل[1] برادر بابا فرید رحمۃ اللہ کے گھر کے قریب تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اکثر و بیشتر شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے گھر آیا جایا کرتے اور ان میں گہری دوستی ہو گئی۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے خوب دل لگا کر مطالعہ کیا اور جلد ہی دہلی کے علمی حلقوں میں آپ کی علمیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ ایک روز شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پاس آپ گئے اور اُن سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں قاضی بنا دے۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے جو کہ آپ کے جواں سال چہرے پر روحانی عظمت کا نور دیکھ چکے تھے بڑے معنی خیز الفاظ میں فرمایا: "خدا نہ کرے کہ آپ قاضی بن جائیں!"[2]

شیخ نجیب رحمۃ اللہ کی صحبت میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے دل میں بابا فریدؒ کی محبت شعلہ بن کر بھڑک اٹھی۔ ایک دن بغیر زادِ راہ[3] اجودھن روانہ ہو پڑے اور باباصاحبؒ کو بدھ کے روز ۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء آن ملے[4]۔ باباصاحبؒ کی فراست نے فوراً بھانپ لیا کہ آپ ہی خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، باباصاحبؒ بلکہ جملہ گزشتہ بزرگانِ چشت کے صحیح جانشین بن سکتے

---

[1] فوائد الفواد، ص : ۱۲۹ ، سیر الاولیاء ص : ۱۰۰۔

[2] ایضاً ص : ۲۸۔

[3] دیکھیں نفحات الانس ص : ۵۲۲، شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے تمام شب جامع مسجد دہلی میں گزاری صبح آپ نے مؤذن کو یہ آیت پڑھتے سنا : اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ (کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں۔ القرآن ۵۷ : ۱۶)۔ اور آپ نے اجودھن جاکر باباصاحب کی قدمبوسی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

[4] سیر الاولیاء ص : ۱۰۶۔

ہیں۔ بابا صاحبؒ نے مندرجہ ذیل شعر سے آپ کو خوش آمدید کہا:

اے آتشِ فرقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

شیخ نظام الدینؒ نے جن کا اپنا کاسۂ دل شرابِ محبت سے چھلک رہا تھا بڑی کوشش کی کہ وہ بابا صاحبؒ سے عرض کریں کہ وہ خود ان کی دید کے کتنے مشتاق تھے مگر بابا صاحبؒ کے رعبِ جلال کے سامنے اُن کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی اور وہ کانپنے لگ پڑے۔ بڑی مشکل سے یہ ایک فقرہ ہی ادا کر پائے:

"اشتیاقِ پائے بوس عظیم غالب بودہ است۔"

(مجھے آپ سے ملاقات کا از حد اشتیاق تھا)۔

بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ ہر نو آموز کو گھبراہٹ ہوتی ہے[1] اور پھر آپ کو تسلی و تشفی دی۔ اسی روز بابا صاحبؒ نے آپ کو بیعت فرما کر آپ کے سر کا حلق کروا دیا۔

جماعت خانہ کے جملہ درویش زمین پر سوتے تھے مگر شیخ بدرالدین اسحٰقؒ کو بابا صاحبؒ نے حکم دیا کہ دہلی کے اِس نوجوان مرید کو چارپائی مہیا کی جائے۔ شیخ نظام الدینؒ جھجکے کہ اتنے بڑے بڑے حفاظ اور جید عالم تو زمین پر سوئیں اور وہ چارپائی پر مگر شیخ بدرالدین اسحٰقؒ نے انہیں سمجھایا کہ اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل ہر دیگر بات سے افضل ہے[2]۔

بیعت ہونے کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے بابا صاحبؒ سے عرض کی کہ کیا مجھے تعلیم چھوڑ کر نوافل، اوراد اور وظائف میں مشغول ہو جانا چاہیئے؟ بابا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا میں کبھی تعلیم چھوڑنے کو نہیں کہتا۔ دونوں کام کرتے جاؤ اور بالآخر جس طرف طبیعت زیادہ

---

[1] فوائد الفواد ص: ۳۰، سیر الاولیاء ص: ۱۰۷۔

[2] سیر الاولیاء ص: ۱۰۷۔

مائل ہو جائے اُسے اپنا لو۔ درویش کے لئے تھوڑا بہت علم بھی ضروری ہے۔

جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ پہلے پہل بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اجودھن آئے تو بابا صاحبؒ نے آپ کو ایک نہایت معنی خیز نصیحت کی۔ فرمایا کہ :

"آدمی اپنے دشمنوں کو راضی کرے اور اپنے تمام فرائض کو ادا کرے۔"[1]

جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ اجودھن سے واپس لوٹے تو ایک بزاز کو جس کے آپ مقروض تھے قرض ادا کیا اور ایک کتاب جو انہوں نے عاریتاً لی تھی اور ان سے گم ہو گئی تھی، اُس کی قیمت پیش کی۔[2]

بابا صاحبؒ کی زندگی میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ تین بار اجودھن تشریف لے گئے[3]۔ جب دوسری دفعہ اجودھن گئے تو آپ نے قرآن مجید کے چھ پارے، عوارف المعارف کے پانچ باب اور دوسری کتابیں بابا صاحب سے پڑھیں۔[4]

جمادی الاوّل ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ تیسری اور آخری بار بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے اجودھن گئے۔ بابا صاحبؒ نے آپ کو بہت بہت دعا دی اور فرمایا :

"ہم نے آپ کو ہر دو عالم بخش دیئے ہیں : جاؤ اور برِّ صغیر (پاک و ہند) پر بادشاہت کرو۔"[5]

---

[1] فوائد الفواد ص : ۱۴۰، سیر الاولیاء ص : ۳۳۰۔

[2] فوائد الفواد ص : ۱۴۰۔

[3] ایضاً ص : ۴۲۔

[4] ایضاً ص : ۱۹۳، سیر الاولیاء ص : ۱۰۶۔

[5] سیر الاولیاء ص : ۱۳۱-۱۳۲۔

۱۳ رمضان المبارک ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء کو بابا صاحب نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو خلافت نامہ عطا فرمایا اور موخر الذکر نے تمام عمر سلسلہ چشتیہ کے صوفیانہ اصولوں اور قواعد کی اشاعت و ترویج میں صرف کردی۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی ہردلعزیزی اور اثر و رسوخ کے بارے میں ضیاء الدین برنی کا بیان پورے کا پورا نقل کر دیا جائے :

"اس زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدینؒ نے بیعت عامہ[1] کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ ہر شخص کو خواہ وہ خاص ہو یا عام، مالدار ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا متعلم، جاہل ہو یا شریف، بازاری ہو یا شہری، آزاد ہو یا غلام ہر ایک کو توبہ کرواتے اور بیعت کرتے اور چونکہ سب لوگ اپنے آپ کو حضرت کا مرید اور خدمتگار سمجھتے تھے اس لئے بہت سی ناکردنی باتوں سے پرہیز کرتے تھے اور اگر حضرتؒ کے یہاں آنے والوں میں سے کسی سے لغزش ہو جاتی تو وہ بیعت کی تجدید کر کے توبہ کا ذمہ لے لیتا۔ خلق خدا عام طور پر تقلیداً اور اعتقاداً طاعت اور عبادت کی طرف رغبت رکھتی تھی۔ مرد، عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، غلام، عامی، بچے اور نوکر سب نماز ادا کرتے تھے۔ زیادہ تر مرید چاشت[2] اور اشراق کے پابند ہو گئے تھے۔ شہر سے

---

[1] ہر قسم کے آدمی کو بیعت کر لینے کے بارے میں شیخ کی وضاحت کے لئے دیکھیں سیر الاولیاء ص: ۳۴۶ تا ۳۴۸، جہاں مصنف نے برنی کے حسرت نامہ سے ایک لمبا چوڑا اقتباس دیا ہے۔

[2] پانچ فرض نمازوں کے علاوہ پانچ مسنون نمازیں یہ ہیں : ۱: اشراق، جو سورج چڑھنے کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ ۲: چاشت، جو قبل از دوپہر ادا کی جاتی ہے۔ ۳: زوال جو دوپہر کے تھوڑی دیر بعد ادا کی جاتی ہے۔ ۴: اوابین، جو شفق کے وقت ادا کی جاتی ہے۔ ۵: تہجد جو آدھی رات اور صبح کے درمیان ادا کی جاتی ہے۔

غیاث پور تک مختلف مقامات پر چبوترے بنا دیئے گئے تھے، چھپر ڈال دیئے گئے تھے۔ کنویں کھدوا دیئے گئے تھے۔ پانی سے بھرے ہوئے مٹکے اور مٹی کے لوٹے رکھے رہتے تھے۔ چٹائیاں بچھی رہتی تھیں۔ ہر چبوترے اور ہر چھپر میں ایک حافظ اور ایک خادم مقرر کر دیا گیا تھا تاکہ لوگوں کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے میں، نماز اور نوافل ادا کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ شیخ کا مرید ہونے کی وجہ سے لوگ کسی گناہ یا پاپ کا ذکر تک زبان پر نہ لاتے۔ لوگوں میں اکثر و بیشتر موضوعِ بحث، نماز، چاشت، اشراق اور تہجد ہوتے۔ ان میں کتنی رکعات ہوتی ہیں اور ہر رکعت میں قرآن مجید کی کونسی سورۃ پڑھنی ہے؟ ہر نماز کے بعد کیا دعا مانگنا چاہیے۔ شیخ خود رات کو کتنی رکعات پڑھتے ہیں؟ اور ہر رکعت میں قرآن کریم کا کونسا جز پڑھتے ہیں اور کون کونسے درود شریف کا ورد کرتے ہیں؟ اس ضمن میں شیخ فریدؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا طرزِ عمل کیا تھا؟ یہ تھے وہ سوالات جو نئے مرید پرانے مریدوں سے پوچھتے۔ وہ روزہ، نماز اور خوراک کی کمی کے بارے میں دریافت کرتے۔ بہت سوں نے قرآن حکیم حفظ کرنا شروع کر دیا۔ شیخ کے نئے مریدوں کو پرانے مریدوں کے سپرد کر دیا جاتا اور پرانے مریدوں کا عبادت و ریاضت، ترکِ علائقِ دنیا، مذہبی کتب اور بزرگانِ دین کی سوانح عمریاں مطالعہ کرنے کے سوا کوئی مشغلہ نہ ہوتا۔ وہ دنیاوی مشاغل کے بارے میں کچھ کہنے یا سننے یا دنیا داروں کے ہاں آنے جانے سے خدا کی پناہ مانگتے کیونکہ ان کے نزدیک یہ سب باتیں گناہ تھیں۔ نفلی عبادت کا شوق اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ سلطان کے امرا، نویسندہ، محافظ اور غلام سب شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید ہو چکے تھے اور چاشت و اشراق کی

نمازیں پڑھنا، ہر قمری مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ ر تاریخ، یعنی ایامِ بیض و نیز ماہِ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے روزے رکھنا ان کا معمول بن چکا تھا۔ شہر کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں متقی اور پارسا لوگوں کی ہر ماہ یا ہر بیس یوم بعد مجلس نہ ہوتی ہو جس میں عارفانہ کلام نہ پڑھا جاتا اور شیشۂ دل کو اشکِ خونِ جگر سے نہ دھویا جاتا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے اکثر مرید اپنے گھروں میں یا مساجد میں نمازِ تراویح ادا کرتے[1] جو لوگ سلوک میں زیادہ ثابت قدم تھے وہ رمضان المبارک میں جمعہ کی رات اور حج کے دنوں میں تمام شب نوافل پڑھتے رہتے۔ مریدانِ خاص سارا سال ایک تہائی یا دو تہائی رات نماز میں گزارتے جبکہ دوسرے عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے فیضانِ صحبت سے کچھ مرید مقبولانِ بارگاہِ حق بن کر شہرت پا چکے تھے۔

شیخ کے مبارک وجود و اثر کی وجہ سے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ سے ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ سلطان علاؤ الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا۔ خواص و عام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی۔ شراب، قمار بازی اور دوسری ممنوع اشیاء کا ذکر بھی کسی کی زبان پر نہ آتا۔ فسق و فجور اور گناہِ کبیرہ لوگوں کو کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سودخوری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب ہو سکتے تھے اور خوف کے مارے دکانداروں سے جھوٹ، کم تولنا اور انجانوں کو دھوکا دینے کا رواج اٹھ گیا تھا۔ اکثر طالب علموں اور علماء کی جو شیخ کی خدمت میں آتے جاتے رہتے رغبتاً

---

[1] بیس رکعت کی سنت نماز جو ماہِ رمضان المبارک میں رات کے وقت ادا کی جاتی ہے۔

تصوّف و طریقیت کی کتابوں کی طرف ہو گئی تھی۔ قوت القلوب[1]، احیاء العلوم[2]، ترجمہ احیاء العلوم[3]، عوارف المعارف[4]، کشف المحجوب[5]، شرح تعرّف[6]، رسالہ قشیریہ[7]، مرصاد العباد[8]، مکتوبات عین القضاۃ[9]، لوائح و لوامح قاضی حمید الدین ناگوری[10] اور امیر حسن کی فوائد الفواد جس میں شیخ کے ملفوظات قلمبند تھے، کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ کتب فروشوں

---

[1] مصنفہ ابو طالب مکی (متوفی: ۳۸۶ھ/ ۹۹۶ء) قاہرہ سے ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں دو جلدوں میں طبع ہوئی۔

[2] مصنفہ امام محمد غزالی (متوفی ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء) قاہرہ سے ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ میں چھپی۔

[3] یعنی کیمیائے سعادت (نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء)۔

[4] مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۱۲۳۴ء) سب سے پہلے قاہرہ سے امام غزالی کی احیاء العلوم کے حاشیہ پر چھاپی گئی۔

[5] مصنفہ شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش — (متوفی: بعد ۱۰۷۲ء) فارسی متن (گلزار ہند سٹیم پریس لاہور)، انگریزی ترجمہ آر۔ اے نکلسن (لوزیک ۱۹۳۶ء)۔

[6] کتاب التعرف حضرت ابو بکر محمد بن ابراہیم بخاری (متوفی: ۳۹۰ھ/ ۹۹۹ء) نے لکھی تھی۔ اسلامی تصوّف پر یہ اعلیٰ درجہ کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔ مصنفِ کشف الظنون نے صوفیاء کی کتاب التعرف کے بارے میں رائے نقل کی ہے کہ: لولا التعرف لما عرف التصوف (یعنی اگر تعرف نہ ہوتی تو تصوّف کو کوئی نہ جان پاتا)۔

[7] مصنفہ ابو القاسم عبد الکریم قشیری (متوفی: ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۲ء) قاہرہ سے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں چھپی۔

[8] نجم الدین رازی نے ۱۲۲۳ھ میں لکھی۔ دیکھیں، براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا' (باقی آئندہ صفحہ پر)

سے سلوک کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے۔ کوئی گلی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی نہ بکتی ہو اور اہلِ تصوّف کی کثرتِ خرید کے باعث چمڑے کے طشت اور لوٹے مہنگے ہو گئے تھے۔

دراصل ان آخری ایّام میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہستی پیدا کر دی تھی جو شیخ جنید[1] و شیخ بایزید[2] کے مثل تھی اور اس کو محبت و شوقِ الٰہی میں اس طرح رنگ دیا تھا جس کو سمجھنا عقلِ انسانی کے بس کا روگ نہ تھا۔ مرشد و رہبر کی جملہ صفات اور لوگوں کو مراحلِ سلوک طے کرانے کا فن شیخ نظام الدین اولیاً میں اپنے عروج کی انتہا تک پہنچ گئے تھے۔"[3]

زین فن مطلب نامی
کآن ختم شد است بر نظامی

(اس فن میں شہرت کی کوشش نہ کرو کیونکہ یہ تو نظامی کے حصے میں آچکی ہے)۔

ماہِ محرم کی ۵ تاریخ کو جو کہ شیخ الاسلام فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا دن ہے، لوگ دہلی شہر اور برِّصغیر پاک و ہند کے مختلف گوشوں[1] سے شیخ

(بقیہ گذشتہ صفحہ) جلد دوم، ص: ۴۹۵ - ۴۹۶، [9]: عین القضاۃ ہمدانی (متوفی ۵۲۵ھ / ۱۱۳۰ء)، [10]: پہلے ان کا ذکر گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں: باباصاحبؒ نے اپنے ایک ساتھی گروہ کو لوائح پڑھائی تھی۔

[1] ابوالقاسم بن محمد بن جنیدؒ (متوفی: ۲۹۸ھ / ۹۱۰ء) دیکھیں کشف المحجوب ترجمہ ص ۱۲۸ - ۱۳۰۔

[2] بایزید طیفور بسطامیؒ (متوفی: ۲۶۱ھ / ۸۷۵ء) دیکھیں کشف المحجوب (ترجمہ) ص: ۱۰۶ کے آخر میں۔

[3] تاریخ فیروز شاہی، ص: ۳۴۳ - ۳۴۷۔

نظام الدین اولیاءؒ کے آستانے پر اکٹھے ہوتے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

"نظام الدین! تم ایک ایسے درخت ہو جس کے سایہ میں ایک خلقِ کثیر آسائش و راحت سے رہے گی"۔ [۱]

شیخ نظام الدینؒ اپنے مرشد کی پیش گوئی پر حرف بہ حرف پورے اترے۔

● شیخ علاؤ الدین علی بن احمد صابرؒ: [۲]

آپ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے بانی ہیں۔ آپ باباصاحب کے مریدانِ خاص میں سے تھے۔ بدقسمتی سے قدیم ترین ماخذوں میں آپ کے متعلق کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ کسی ہمعصر یا نیم ہمعصر مورخ یا تذکرہ نویس نے آپ کا ذکر نہیں کیا۔ آپ کے بارے میں تحقیق کی ابتداء شاہجہان کے عہد سے شروع ہوئی جب سیر الاقطاب کے مصنف نے آپ کے بارے میں اور اُن حالات کے بارے میں لکھا جن میں آپ کی وفات کے کئی سال بعد کلیر [۳] میں آپ کی قبر دریافت ہوئی۔ سلسلۂ صابریہ خاص کر اس وقت منصۂ شہود پر آیا جب شیخ احمد عبدالحق [۴]

---

[۱] سیر الاولیاء، ص: ۱۱۷۔

[۲] آپ کی زندگی کے مختصر حالات کے لئے ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار، ص: ۶۹، سیر الاقطاب، ص: ۱۷۷-۱۸۴، مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۶۲۶ - ۶۳۱۔ معارج الولایت مخطوطہ جلد اول، ص: ۲۶۳-۲۶۴۔

[۳] سیر الاقطاب، ص: ۱۸۳، 'کلیر' اُتر پردیش کے سہارن پور ضلع میں رڑکی کے قریب واقع ہے۔

[۴] زندگی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: سیر الاقطاب، ص: ۲۱۵ تا ۲۲۴، اخبار الاخیار، ص: ۱۸۲-۱۸۴۔ مرآۃ الاسرار (مخطوطہ) ص: ۹۱۷، آخر۔

(متوفی ۸۳۷ھ / ۱۴۳۴ء) نے بمقام ردولی ضلع بارہ بنکی، ایک بہت بڑا آستانۂ تصوف قائم کیا اور سلسلہ کی تعلیمات کی اشاعت کی۔ آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بانی ہیں۔

۶ : شیخ عارفؒ :

آپ کے متعلق فوائد الفوادؔ[1] اور سیر الاولیاءؔ[2] میں بہت کم ذکر ملتا ہے۔ بابا صاحبؒ نے آپ کو سیوستان بھیجا تھا۔ ایک دفعہ حاکم اوچ نے آپ کو ایک سو ٹنکے دیے اور کہا کہ یہ شیخ فریدؒ کے پاس لے جاؤ۔ شیخ عارف نے بابا صاحبؒ کو آکر صرف پچاس ٹنکے دیے اور باقی خود ہضم کر گئے۔ بابا صاحبؒ مسکرائے اور فرمایا : "عارف صاحب خوب نصف و نصف کیا"۔ یہ سن کر آپ کو بڑی خجالت اور پشیمانی ہوئی۔ اسی وقت ساری رقم بابا صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر کے معافی کے خواستگار ہوئے۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ سر کا حلق کرواؤ اور تجدید بیعت کرو۔ توبہ کے بعد آپ نے باقی زندگی انتہائی ریاضت و عبادت میں گذاری۔ بابا صاحبؒ نے آپ کو خلافت نامہ دے کر پھر سیوستان جانے کو کہا۔ شیخ عارف خلافت نامہ واپس لے آئے اور عرض کی : "یہ ذمہ داری مجھ جیسے ہیچمدان کے بس کی بات نہیں، میں بزرگانِ دین جیسا کام نہیں کرسکتا۔" بابا صاحبؒ نے آپ کو حج پر جانے کی اجازت دے دی مگر وہ مکہ مکرمہ سے واپس نہیں لوٹے۔

---

[1] فوائد الفواد، ص : ۲۱۵ - ۲۱۶ -

[2] سیر الاولیاء، ص : ۱۸۴ - ۱۸۵ -

باب : ۱۴

باباصاحبؒ بحیثیتِ انسان

(آپ کی زندگی نہایت شریفانہ تھی اور آپ میں جملہ خوبیاں اس طرح گندھی ہوئی تھیں کہ فطرت آپ کو دیکھ کر خود پکار اٹھتی : "یہ ہے انسان"۔

باباصاحبؒ کے سوانح نگار کی نظر میں باباصاحبؒ کی شخصیت کا سب سے مسحور کُن پہلو آپ کا بحیثیتِ انسان فضل وشرف ہے۔ آپ جن اخلاقی اقدار کا اپنے مریدوں میں پرچار کرتے تھے، مثلاً : سچائی، دیانتداری، خلوص، شفقت و محبت۔ وہ خود ان سب خوبیوں کا مجسمہ تھے۔ ان کا گداز اور پُرسوز دل کسی کی معمولی سے معمولی تکلیف پر تڑپ اُٹھتا۔ وہ ایسی رُوحانی عظمت کے مالک تھے جو بے غرضی سے نشوونما پاتی ہے اور جس کے حضور سب کے سر خود بخود جھک جاتے ہیں) جو لوگ تصوّف کے مسلک و نصب العین کو نہیں سمجھتے انہوں نے بزرگانِ دین کے نام بے معنی باتیں، کرامات و خوارق عادات منسوب کرکے ان کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات ایک انتہائی ہمدرد رُوح کی کرامات تھیں اور آپ کی عظمت ایک اخلاقی طور پر مردِ کامل کی عظمت تھی۔

شیخ بدرالدین اسحٰق علیہ الرحمہ جنہوں نے باباصاحبؒ کو بہت قریب سے دیکھا تھا، کے نزدیک باباصاحبؒ کے اوصافِ حمیدہ میں سب سے بڑی صفت ان کا خلوصِ کامل اور ان کی ذات کا ریا سے کُلی طور پر پاک ہونا تھا۔ ان کی نجی زندگی ان کی عام زندگی کا عین عکس تھی اور آپ نجی اور عام زندگی میں کوئی متضاد بات نہ کرتے تھے۔ آپ کے خیالات، اقوال اور اعمال میں ایک مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ یہ صفت جیسا کہ مولانا بدرالدین اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ایک حیرت انگیز اور بے مثال بات تھی۔

شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ بابا صاحبؒ کے سب سے چہیتے مرید تھے اور آپ کے بہت قریب، انہیں کبھی بھی آپ کی کرامات کا خیال نہیں آیا۔ البتہ جب کبھی آپ بابا صاحبؒ کے اوصافِ حمیدہ، کمالِ بزرگی، نہایت فضل اور لطف و کرم کو یاد کرتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی [۱]

جو بات ایک نووارد کے دل پر سب سے پہلے اثرانداز ہوتی وہ بابا صاحبؒ کے جماعت خانہ میں ہر قسم کے نفرت انگیز امتیاز و تفریق کا فقدان تھا۔ آپ امیر و غریب، واقف و نووارد سب کو ایک جیسی عزت و احترام اور محبت و شفقت سے خوش آمدید کہتے [۲]

(شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ روزِ حشر کسی چیز کی اتنی جزا نہ ہوگی جتنی کہ مسلمانوں اور لوگوں کے دلوں کو خوش کرنے کی [۳] بابا صاحبؒ کی ساری زندگی لوگوں کے دلوں کو خوشی مہیا کرنے میں صرف ہو گئی۔ جو مسئلہ بھی کوئی لے کر آتا آپ اس پر توجہ فرماتے لیکن اس خیال سے نہیں کہ انہیں عاقبت میں اس کی جزا ملے گی بلکہ اس لئے کہ ان سے انسانی مصیبت دیکھی نہ جاتی [۴])

۱۔ فوائد الفواد ص: ۹۶۔

۲۔ ایضاً ص: ۷۴، سیر الاولیاء ص: ۹۵۔

۳۔ سیر الاولیاء ص: ۱۲۸۔

۴۔ ایک روز پانچ درشت مزاج اور خودسر درویش بابا صاحبؒ سے ملنے آئے۔ جماعت خانہ سے جانے لگے تو بابا صاحبؒ نے انہیں ہدایت کی کہ جنگل کے راستہ سے سفر نہ کریں۔ انہوں نے آپ کی نصیحت پر کان نہ دھرے اور جس راستہ سے منع کیا گیا تھا اسی پر چل پڑے۔ بابا صاحبؒ نے ایک آدمی کو ان کے پیچھے یہ دیکھنے بھیجا کہ وہ کس راستے گئے ہیں۔ جب آپ کو پتہ چلا کہ انہوں نے نصیحت کے خلاف کیا تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں: "چوں ایں خبر شنید ای ای بگریست چنانکہ کسی ماتم دارد"۔ کچھ عرصہ بعد خبر ملی کہ ان درویشوں کو طوفانی ہوا اٹھا لے گئی۔ فوائد الفواد ص: ۱۸۱۔

(بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت نہایت متوازن تھی۔ شدید اشتعال کے باوجود وہ سکون و دلجمعی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے[1] انتہائی برانگیختگی میں آپ کا تحمّل آپکے بدترین دشمن کو بھی آپ کا دلی دوست بنا دیتا۔ ایک روز آپ اپنے مُصلّے پر بیٹھے تھے کہ ایک گستاخ شخص[2] آیا اور اُس نے چلّا کر کہا: "بُت کی طرح کیوں نمائش کئے بیٹھے ہو؟" بابا صاحبؒ نے بڑے سکون و اطمینان سے جواب دیا "مجھے اِس معاملہ میں کوئی اِختیار نہیں۔ مَیں وہی ہوں جو اللہ نے مجھے بنایا ہے۔" وہ شخص پھر چلّایا، "نہیں تم نے خود اپنے آپ کو ایسا بنا رکھا ہے۔" بابا صاحبؒ نے جواب دیا کہ نہیں ہر چیز کو اللہ نے بنایا ہے۔ اس پر وہ شخص شرمندہ ہوکر واپس چلا گیا[3]۔ عاجزی و انکساری آپ کے ضمیر میں گندھی ہوئی تھی۔ جب کبھی آپ کسی رُوحانی تجربہ کا ذکر فرماتے تو اسے اپنی طرف منسوب نہ کرتے اور یہ تاثر دیتے جیسے کہ وہ کسی دیگر شخص کا تجربہ بیان کر رہے ہیں[4]

(بابا صاحبؒ ہمیشہ درگزر اور معاف کرنے کو تیّار رہتے تھے۔ جن لوگوں نے آپ کو

---

[1] فوائد الفواد ص: ۱۲۵-۱۲۶، نیز دیکھیں سیر الاولیاء ص: ۸۷، قاضی عبداللہ نے جامع مسجد میں بابا صاحبؒ اور ان کے مُریدوں کو بُرا بھلا کہا بابا صاحبؒ نے اس سے کوئی جھگڑا نہ کیا بلکہ مسجد سے چلے آئے اور مُریدوں کو صبر کی تلقین کی۔

[2] فوائد الفواد ص: ۴۸ پر "یکے از بے باکان" ہے۔ جمالی کہتا ہے وہ ایک قلندر تھا۔ (ص: ۳۵)

[3] فوائد الفواد ص: ۴۸ پر "خجل شد و بازگشت" ہے۔ جمالی کہتا ہے کہ وہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلوک سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اللہ کے حضور سجدے میں گر کر بابا صاحب کے تحمّل کی بے حد تعریف کی۔ سیر العارفین ص: ۳۵۔

[4] فوائد الفواد ص: ۸۲، سیر الاولیاء ص: ۳۳۶۔

اذیتیں اور تکلیفیں دیں آپ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ شہاب جادوگر کا لڑکا آپ کی طویل علالت کا ذمہ دار تھا مگر آپ نے اُسے معاف فرمایا اور اجودھن کے حاکم کو بھی کہا کہ اسے معاف کر دے۔[1]

بابا صاحبؒ کا عقیدہ تھا کہ دشمنوں کو بھی راضی کرنا چاہیے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ بیان کرتے ہیں کہ بابا صاحبؒ اپنے مُریدوں کو بھی نصیحت کیا کرتے تھے کہ آدمی کو اپنے دشمنوں کو راضی کرنا چاہیے۔

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی خوشگوار، عفو پرور اور ہمدرد فطرت نے انہیں ایک پیاری شخصیت بنا دیا تھا۔ جو لوگ آپ کے پاس جاتے وہ اُن کی پُرکشش شخصیت پر فریفتہ ہو جاتے اور آپ کی ہمدردانہ نگاہیں ان کے دلوں میں یقین و اعتماد کی جوت جلا دیتیں۔

---

[1] فوائد الفواد ص : ۱۷۸۔

باب ۱۵

بابا صاحبؒ بحیثیت عالم

(اسلامی تصوف بقول پروفیسر حبیب حصولِ تعلیم کے بعد کا مسلک ہے۔ صوفیانہ[1] سلوک ایک جاہل آدمی کے بس کی بات نہیں کیونکہ ایسا آدمی حقیقت اور وہم میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اسے ہر وقت روحانی دلدل میں پھنس جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ کو بتایا کہ جاہل صوفی آسانی سے شیطان کے پنجے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔[2]

قرونِ وسطیٰ کے صوفیانہ مسلک کی اعلیٰ ترین روایات کے مطابق بابا صاحبؒ نے بہترین تعلیم جو اس وقت مل سکتی تھی حاصل کی۔ اپنی زندگی کے آغاز میں بابا صاحبؒ نے چاہا تھا کہ تعلیم چھوڑ کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پیچھے چل دیں مگر خواجہ صاحبؒ نے انہیں سمجھایا کہ روحانی ضبط و ریاضت سے قبل انہیں تکمیل تعلیم کرنا چاہیے۔ بابا صاحبؒ نے سالہا سال تک بڑی محنت و جانفشانی سے تعلیم حاصل کی اور بہت بڑے عالم بن گئے۔ علم کی مغرورانہ نمائش جو کہ علمائے ظاہر کا وطیرہ ہوتی ہے، بابا صاحبؒ کو سخت ناپسند تھی۔ آپ کہا کرتے تھے کہ علم کا مقصد انسان کے اندر انکساری، ہمدردی اور سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے اور اگر یہ غرور و نخوت پیدا کرے تو اس کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے)

"مقصود از خواندنِ علم شریعت برائے عمل است نہ از برائے ایذائے

ISLAMIC
Rana

[1] سیر الاولیاء ص : ۸۵۔

[2] ایضاً : ص : ۸۵۔

خلق"۔[1]

(علمِ شریعت کے حصول کا مقصد اس پر عمل کرنا ہے لوگوں کو اذیت دینا نہیں)۔

(اگرچہ بابا صاحبؒ خود بہت بڑے عالم تھے لیکن انہوں نے اپنی علمیت سے کسی کو مرعوب کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ان کی انکساری اور ہمدردی میں ایک مقناطیسی کشش تھی جو کہ حقیقی علم وفضل کی جان ہوتی ہے)۔ مولانا ضیاء الدین دہلی کے ایک مشہور عالم تھے آپ بہت سے علوم جانتے تھے مگر علمِ فقہ اور علمِ نحو سے نابلد تھے۔ ایک دفعہ آپ بابا صاحبؒ کو ملنے گئے لیکن ڈرتے تھے کہ کہیں بابا صاحبؒ ان سے ان علوم کے متعلق سوال نہ کر بیٹھیں جو وہ نہیں جانتے۔ علمیت بگھارنا یا دوسروں کو کم علمی کا احساس دلانا بابا صاحبؒ کی عادت نہ تھی۔ بابا صاحبؒ نے مولانا ضیاء الدین سے صرف انہیں اشیاء کے بارے میں پوچھا جن کو وہ اچھی طرح جانتے تھے چنانچہ جب مولانا آپ سے مل کر لوٹے تو خود اعتمادی اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔[2]

شیخ بدرالدین اسحٰق جو بعد میں بابا صاحبؒ کے مرید ہوکر داماد بنے اپنے وقت کے بڑے ممتاز عالم تھے۔ دہلی کے علمی حلقوں میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ مطالعہ کے دوران انہیں کچھ اشکالات پیدا ہوتے جو ان کی انتہائی کوشش کے باوجود حل نہ ہوسکے۔ دہلی کے علماء بھی ان کی کچھ مدد نہ کر پائے۔ بالآخر انہوں نے ارادہ کیا کہ بخارا جاکر، جو کہ مسلم علوم وفنون کا مرکز تھا، وہاں کے علماء سے اشکالات حل کروائیں۔ وہ دہلی سے کتابوں کا ایک انبار لے کر چلے۔ جب اجودھن سے ان کا گذر ہوا تو بابا صاحبؒ کے علم وفضل

---

[1] سیر الاولیاء ص: ۸۵۔

[2] ایضاً ص: ۸۵۔

کی شہرت سُنی اور انہوں نے بابا صاحبؒ کو ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے تعجب و حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب باباصاحبؒ نے چند سادہ لفظوں میں ان کے جملہ اشکالات حل کر دیئے شیخ بدر الدین نے اپنا سر باباصاحبؒ کے قدموں میں رکھ دیا اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔[1]

شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے دہلی میں بڑے عالم، فاضل اور نامی گرامی اساتذہ سے تکمیل تعلیم کی تھی۔ وہ خود بھی غیر معمولی قابلیت و فضیلت کے مالک تھے لیکن جب انہوں نے باباصاحبؒ کو نہایت دقیق مسائل سادہ لفظوں میں واضح طور پہ بیان کرتے سُنا تو حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ باباصاحبؒ کے طرزِ بیان اور طرزِ ادا کے متعلق کہا کرتے تھے کہ آدمی کی رُوح کو سرور دیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا گویا جان ہی نکل جائے گی۔[2]

(باباصاحبؒ کا سب سے اہم موضوعِ مطالعۂ قرآن مجید تھا۔ انہوں نے اس پر بڑا وقت اور بڑی محنت صرف کی تھی اور حقیقتاً قرآن حکیم کے بارے میں آپ کا علم غیر معمولی تھا۔ آپ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو چھ پارے پڑھائے مگر وہ باباصاحبؒ کی دلکش اور بے مثال تلاوتِ قرآن کو عمر بھر نہ بھولے۔[3])

(اس کے علاوہ باباصاحبؒ دیگر علومِ تصوّف میں بھی وسیع دسترس رکھتے تھے۔ آپ شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ کی 'عوارف المعارف'[4] پر بہت زور دیتے تھے اور

---

[1] فوائد الفوائد، ص : ۸۹ ؛ سیر الاولیاء ص : ۷۰-۷۱ ۔

[2] سیر الاولیاء ص : ۱۷۰ ۔

[3] فوائد الفواد ص : ۷۵ ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے قرآن حفظ کرنا ہو وہ سورۃ یُوسُف سے شروع کرے۔ سیر الاولیاء ص : ۳۰۸ ۔

[4] سب سے پہلے یہ قاہرہ میں امام غزالیؒ کی احیاء کے حاشیہ پر طبع ہوئی۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

فرمایا کرتے کہ اِس کتاب کا مطالعہ اُس درویش کے لئے ناگزیر ہے جس کو اُس کا مُرشد خلافت دینا چاہے ۔

گلزارِ ابرار کے مُصنّف کا کہنا ہے کہ بابا صاحبؒ نے عوارف المعارف کی ایک بہت عُمدہ شرح لکھی۔ اس حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مُصنّفِ مذکورہ نے وُہ شرح دیکھی تھی مگر قرونِ وُسطیٰ کے مآخذوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ بہر حال یہ بات اپنی جگہ مُسلّم ہے کہ بابا صاحبؒ اِس کتاب میں انتہائی دلچسپی رکھتے تھے اور غالباً انہوں نے ہی بَرِّصغیر پاک و ہند میں اس کے مطالعہ کو پہلے پہل رواج دیا اور اس کو تصوّف کے نصاب میں شامل کیا۔

کیا بابا صاحب رحمۃُ اللہ نے شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ سے ملاقات کی تھی؟ ہمارے ابتدائی مآخذ اس بارہ میں خاموش ہیں لیکن بعد کے مآخذوںؔ میں غالباً بابا صاحبؒ

(بقیہ گذشتہ صفحہ) اس کا فارسی میں مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ کے نام سے ترجمہ عزالدین محمود بن علی کاشانی (متوفی ۷۳۵ھ / ۱۳۳۴ء) نے کیا۔ نولکشور لکھنؤ نے ۱۹۰۴ء میں شائع کیا۔ ایران سے آغا جلال الدین ہمائی نے اس کی ایک اور خوب شرح اشاعت کی۔ ایچ ولبر فورس کلارک نے اس کو فارسی متن سے انگریزی میں ترجمہ کیا اور حافظ کے ترجمہ کے ساتھ بطور ضمیمہ چھاپ دیا۔ (لندن ۱۸۹۱) بابا صاحبؒ نے عوارف المعارف کا ذاتی نسخہ شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو دے دیا جنہوں نے بعد میں وہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کو دے دیا۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اسے شیخ قطب الدین منور کو دے دیا۔ سیر الاولیاء ص: ۲۴۹ – ۲۵۰۔

۱؎ عوارف المعارف پر بہترین شرح ایک ہندوستانی عالم شیخ علی بن احمد المہائمی کی کتاب ظوارف اللطائف فی شرح عوارف المعارف ہے۔ اس شرح کے مسودات رام پور اور بانکی پور کی لائبریری میں ہیں۔

۲؎ سبع سنابل، ص: ۵۵، جواہر فریدی (مخطوطہ)۔

کی طرف منسوب شدہ جعلی ملفوظات[1] کی بنا پر یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ بابا صاحبؒ نے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی تھی اور اُن سے بہت متاثر ہوئے تھے مصنفِ جواہرِ فریدی کا بیان ہے کہ شیخ سہروردیؒ نے عوارف المعارف کا ایک نسخہ خود بابا صاحبؒ کو یہ کہکر پیش کیا تھا کہ :

"ایں را مطالعہ کنید کہ مخصوص برائے شما ساختہ ایم"

(اسے مطالعہ فرمایئے کہ ہم نے یہ خاص طور پر آپ کے لئے لکھا ہے)۔

اگرچہ اس ضمن میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات کہنا مشکل ہے تاہم یہ تاثر قائم رہتا ہے کہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عوارف المعارف سے یک گونہ ذاتی لگاؤ تھا۔[2]

بابا صاحبؒ کو قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں دلچسپی تھی۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ بابا صاحبؒ کے مرشدِ گرامی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے گہرے دوست اور مصاحب تھے۔ قاضی صاحب کی تصانیف بہت ادق ہوتی تھیں ان کے بارے میں قرونِ وسطیٰ کے ایک بہت بڑے عالم اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے :

"جو کچھ آپ نے پڑھا ہے وہ سب قاضی صاحب کی اِن کتب میں موجود ہے اور جو نہیں پڑھا وہ بھی اور جو کچھ میں نے پڑھا ہے یا نہیں پڑھا ہے وہ بھی ان میں موجود ہے"۔[3]

---

[1] راحت القلوب مندرجہ ذیل بیان شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کرتی ہے :

"شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ العزیز را ایں دعاگو دیدہ است و چند روز بخدمت ایشاں ہم بودہ"۔

[2] فوائد الفواد ص : ۷۵۔

[3] ایضاً ص : ۱۴۲۔

تاہم بابا صاحبؒ ان کتب میں پوری دستگاہ رکھتے تھے اور انہیں اپنے شاگردوں کو بہت اچھی طرح سمجھا سکتے تھے ۔ آپ نے شمس دبیر کو لوائح پڑھائی [۱] بابا صاحبؒ کو کتابوں سے بہت دلچسپی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس مذہب اور تصوّف پر مستند کتابوں کی ایک لائبریری تھی [۲] آپ کی طرف منسوب جعلی ملفوظات میں لاتعداد کتب [۳] کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ سیرالاولیاء اور دوسری کتب میں دیے گئے بعض قصّے کہانیوں سے پتہ چلتا ہے کہ بابا صاحب علیہ الرحمۃ کو عربی گرامر پر بھی کافی عبور تھا ۔

۱؎ فوائدالفواد ص : ۱۲۸ ۔

۲؎ سیرالاولیاء ص : ۱۸۷ ۔

۳؎ مثلاً : کتاب العمدہ ، اسرارالعارفین ، تفسیر امام زاہد ، دلیل انسانی ، از : خواجہ شفیق بلخیؒ ، مشارق الانوار ، عقد کتاب ، آثارالتابعین ، شرح علماء ، راحت الارواح از : قاضی حمیدالدین ناگوریؒ ۔ شرح مشائخ ، فتاویٰ کبریٰ ، قوت القلوب ، فتاویٰ ظاہریہ ، کتاب التنبیہ ، شرح اولیاء ، از : خواجہ مودود چشتیؒ کتاب الروضہ ، آثارالاولیاء ، جامع الحکایات ، تفسیر کشاف ، کتاب الکفایہ ، اوراد شیخ عثمان ہرونی اور شرح شیخ الاسلام معین الدین ۔

باب ۱۷:

باباصاحبؒ بحیثیتِ شاعر

(خلوص و محبت کے جذبات سے چھلکتا ہوا دل اپنے اظہارِ مدعا کے لئے شعر کہنے سے کیسے رُک سکتا تھا۔ باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ عربی، فارسی اور کچھ مقامی بولیوں میں شعر کہتے تھے۔ امیر خورد نے اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر باباصاحبؒ کے مندرجہ ذیل اشعار کا حوالہ دیا ہے:

بقدرِ رنج یابی سروری را
بشب بیدار بُودن مہتری را

(تمہاری عزت افزائی تمہارے کام میں محنت کے مطابق ہوگی شب بیداری عظمت کا پیش خیمہ ہوتی ہے)۔

لو کان ھذا العلم یدرك بالمنی
ما کان یبقی فی البریة جاھل
فجھدوا لا تکسل ولا تك غافلا
فندامة العقبی لمن یتکاسل

(اگر صرف چاہنے سے علم حاصل ہو سکتا تو دُنیا میں کوئی جاہل نہ ہوتا تمہیں چاہیے کہ خوب محنت و مشقت کرو اور سستی اور کاہلی کو اپنے سے دور کرو کیونکہ روزِ محشر ندامت صرف سست الوجود لوگوں کا مقدر ہوگی)۔[۱]

رضینا قسمة الجبار فینا   لنا علم و للجہال مال

۱؎ یہ شعر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے۔ (مترجم)

(ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہیں ہمارے لئے علم ہے اور جاہلوں کے لئے دولت)۔

رو دل بکسے دہ کہ نمیرد تا تو
از دردِ فراق او نگری بارِیؑ
تا بیش راشدم بندہ کہ چوں بگشاد بنشد
دلی خصم کہ بندم کہ چوں برپشت برخیزد

از نورِ جلالِ مردِ مطلق خیزد | واز شوقِ خدا انگہ چہ رونق خیزد
ایں خاطرِ مرداں چہ عجائب بحری است | چوں موج زند ہمہ اناالحق خیزد

۱۔ اِس شعر اور اس کے بعد کے تین شعروں کے متعلق امیر خورد لکھتے ہیں: "بر زبان شیخ شیخ العالم فریدالحق والدین گذشتہ است"۔ (سیر الاولیاء، ص: ۳۶۲، ۴۶۴، ۴۷۳، ۴۷۶)۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیخ نے کسی اور کا شعر پڑھ دیا یا پھر یہ ان کا اپنا شعر ہے۔ دو وجوہات کی بنا پر میرا رجحانِ قلب دوسری طرف ہے۔ ۱: جہاں امیر خورد بابا صاحبؒ کو کسی اور کا شعر پڑھتے بتاتے ہیں وہاں وہ صرف "ایں بیت خواند"۔ لکھتے ہیں۔ مثلاً ص: ۵۳ پر جہاں بابا صاحبؒ نظامی کا ایک شعر پڑھتے ہیں۔ ۲: امیر خورد نے ان اشعار کا ذکر ایسے سیاق و سباق میں کیا ہے جن کا بابا صاحبؒ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر یہ اشعار کسی اور کے ہوتے تو امیر خورد شاعر کا نام بڑی آسانی سے لے سکتے تھے اور اگر اُس کا نام معلوم نہ بھی تھا تو الفاظ "بزرگے گفتہ" لکھ دیتے جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اکثر مقامات پر کیا ہے۔ ان چار اشعار کو امیر خورد نے اپنے بیان میں پوری طرح سمو دیا ہے۔ کیونکہ یہ نقطۂ زیرِ بحث کی بہت اچھی طرح وضاحت کرتے ہیں اور سیاق و سباق یہ ظاہر کرتے ہیں کہ امیر خورد ان اشعار کو بابا صاحبؒ کے اشعار سمجھتے تھے۔

تو گدائے دور باش از بادشاہ — تا نیاید بر درِ تو دُور باش
گر وصالِ شاہ میداری طمع — از وصالِ خویشتن مہجور باش

دوشینہ شبم دل حزینم بگرفت — واندیشۂ یارِ نازنینم بگرفت
گفتم بسر و دیدہ روم بر درِ تو — اشکم بدوید آستینم بگرفت

المباحثة بين الاثنين
خير من تكرار السنين

اے مدّعی بدعوی چندیں سخن دلیری — یک حرف راز معنی سہ صد جواب باشد

خورش دہ بگنجشک و کبک حمام — کہ ناگہ ہمائی در افتد بدام

ان ارذل النّاس — من اشغل بالاکل واللّباس

مندرجہ ذیل شعر جو کہ مقامی بولی میں ہے، بھی بابا صاحب رحمۃ اللہ کا ہے :

کنت نہ ہتیں کارری ناکاں ہیت شای

بس کندلی مدھن گرہد رہن لہد لہا[1]

مندرجہ ذیل شعر حضرت بابا صاحب اکثر پڑھا کرتے تھے مگر یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں کہ یہ شعر ان کے اپنے ہیں :

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۳۶۷۔

عشقِ تو مرا اسیر و حیراں کردہ است — در کوئے خرابات پریشاں کردہ است
بایں ہمہ رنج و محنت اے دوست ببیں — اسرارِ تو در دلم کہ پنہاں کردہ است

گیرم کہ بشب نماز بسیار کنی — در روز دوائی شخص بیمار کنی
تا دل نکنی ز غصہ و کین خالی — صد خرمنِ گُل بر سرِ یک خار کنی

گرمی بدہد ہجرِ تو و مہلت یارم — با خاک سرِ کوئے تو کاری دارم

چو درویش را کارِ بالا کشید — بیک لحظہ سر در ثریا کشید
چناں غرق گردد بدریائے عشق — کہ یکدم سراز عشق بالا کشید

(ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب "اُردو زبان کی ابتدائی نشوونما میں صوفیاء کا حصہ"* میں بابا صاحب کی اُردو شاعری کے مندرجہ ذیل نمونے دیے ہیں:

اسا کیہری بپی سو ریت — جاؤں سنائے کہ جاؤں سمیت

تن دھونے سے دل جو ہوتا پاک — پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک

ریش سبلت سے گر بڑے ہوتے — بوکڑاں سے نہ کوئی بڑے ہوتے)

عشق کا روزینہ ادا ہے۔ [illegible]

* طبع شدہ، انجمن ترقی اُردو، دہلی ۱۹۳۹ء، ص: ۶-۷۔

خاک لانے سے گر خدا پائیں　　گائے بیلاں بھی واصلاں ہوجائیں

گوشت گری میں گر خدا ملتا　　گوش چڑیاں کوئی نہ واصل تھا

/ عشق کا رموز نیارا ہے　　جز مددِ پیر کے ناچار ہے

وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے　　خیز در آں وقت کہ برکات ہے

نفس مبادا کہ بگوید ترا　　خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے

با تنِ تنہا چہ روی زیرِ زمین　　نیک عمل کن کہ رہی سات ہے

پندِ شکر گنج کہ بدل جان شنو　　ضائع مکن کہ عمر ہیہات ہے

جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نہیں

اُٹھ بیٹھ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نہیں

پاک رکھ تو دل کو غیر سوں اُج سائیں فرید کا آونا ہے

قدیم قدیمی کے آوسنے سیں لازوال دولت کوں پاونا ہے

فاضل مُصنّف نے اِن ماخذوں کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا، جہاں سے اُنہوں نے مذکورالصدر اشعار لیے۔ اِن اشعار کی بابا صاحب کی طرف نسبت مشکوک ہے۔ کیونکہ جو تخلص ان میں دیا گیا ہے کہ وہ بابا صاحب نے کبھی استعمال نہیں کیا[۱]

---

[۱] علی اصغر چشتی بھی مندرجہ ذیل شعر جس سے تخلص فرید آتا ہے بابا صاحب کا بتاتے ہیں لیکن اس بات کو تسلیم کرنا مشکل ہے :

(باقی آئندہ صفحہ پر)

شیخ عبدالواحد ابراہیم نے اپنی کتاب "سبع سنابل" میں جو کہ ۹۶۹ھ / ۱۵۶۱ء[1] میں تحریر کی گئی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل اشعار دیئے ہیں:

ٹوپی لیندی باوری دیندی کھری نچ — چوہا کڈ نما نوی پچھی بندھنی چھچ

سناں من سنائیاں سر مٹی کیا ہوئے[2]

کیتن بھیڈاں منیاں سوگ نہ لدے کوئے

(بقیہ گزشتہ صفحہ) ــہ فریدا دھر سولی سر پنجرے تلیاں توکت کاک

رب اجیون نہ باہڑے سودھن اساڈے بھاگ (جواہر فریدی مخطوطہ)

[1] سبع سنابل کے ص ۵۸ پر شیخ عبدالواحد نے ان اشعار کا ترجمہ فارسی میں یوں کیا:

نادان ترست مرد کلہ گیرد بیخود — مرد کلاہ دہ بیقین سخت بے حیا

موشی کہ خود برخنہ نگنجد زتنگیش — بندد بخویش بار گراں درمضیق جا

اے سر تراشش دل بتراش از ہوای نفس — کز سر تراشیت بنود راہ دین حصول

چندیں ہزار میش تراشیدہ ہر طرف — زینہا یکے بدرگہ مولیٰ نشد قبول

[2] نیز اس طرح: "مونڈاں منڈ منڈائیاں سر مونڈے کیا ہوئے" (سبع سنابل ص ۵۸)

باب : ۱۷

تعلیمات

بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی طویل زندگی لوگوں کی اخلاقی اور روحانی تہذیب و تربیت میں صرف ہوئی۔ شومئ قسمت سے آپ کے ملفوظات کی مفصل روداد تیار نہ کی گئی۔ امیر خورد نے باباصاحبؒ کے ایک مرید کا ذکر کیا ہے جس نے باباصاحبؒ کے پانچ صد ملفوظات قلمبند کیا تھا مگر یہ تالیف دستبردِ زمانہ سے نہ بچ سکی۔ آج اس تالیف کا صرف وہ حصہ ہمارے پاس موجود ہے جس کا اقتباس امیر خورد نے دیا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات کی کچھ یادداشتیں رکھی تھیں مگر یہ غالباً اُن کے ذاتی تصرف کے لئے تھیں اور ان کی طباعت کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی تھی بلکہ امیر خورد کو شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی وفات کے بعد آپ کے کاغذات میں بھی نہیں ملیں حالانکہ یہ کاغذات آپ کے دسترس میں تھے۔ اسرار الاولیاء اور راحت القلوب ہر دو کتب جعلی ہیں جو بعد ازاں لکھ کر باباصاحبؒ کی طرف منسوب کردی گئیں ان کی بنا پر باباصاحبؒ کے فرمودات قلمبند کرنا باباصاحبؒ سے انتہائی ناانصافی ہوگی لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم فوائد الفواد اور سیر الاولیاء میں دی گئی قلیل اور ناکافی معلومات پر انحصار کریں۔

(اللہ تعالےٰ نے باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دل لبھا لینے والی صلاحیتوں سے فرازا تھا۔ فوائد الفواد میں دی گئی چند حکایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کو انسانی نفسیات کا کتنا صحیح علم تھا اور کتنے موثر پیرایے میں وہ نصیحت فرمایا کرتے تھے[1]

---

[1] دیکھیں فوائد الفواد ص : ۹۰، ۱۴۷، ۲۱۱، ۲۱۲، ۳۱۵۔

بابا صاحب علیہ الرحمۃ کے چند فرمودات کا جن کا حوالہ امیر خورد نے دیا ہے[1] ذیل میں آزاد ترجمہ دیا جاتا ہے :

۱ : اپنی ذات سے بچ نکلنا خدا کی معرفت ہے۔

۲ : اپنے نفس کی خواہشات کو مت پورا کرو کیونکہ جتنی تم اس کی تسکین کرو گے یہ اتنا ہی زیادہ مانگے گا۔

۳ : جاہل کو زندہ مت سمجھو۔

۴ : اس جاہل سے بچو جو عالم کا روپ دھارے پھرتا ہے۔

۵ : اس سچ سے بچو جو جھوٹ سے مشابہ ہو۔

۶ : جو چیز لوگ خریدنا چاہیں وہ مت بیچو۔

۷ : دنیاوی جاہ و حشم کے پیچھے مت دوڑو۔

۸ : ہر شخص کی دعوت مت کھاؤ مگر خود سب کو کھانا کھلاؤ۔

۹ : موت سے کسی مقام پر بھی غافل نہ ہو۔

۱۰ : امرا زادے سے کوئی بات مت کہو۔

۱۱ : جب کبھی کوئی مصیبت تم پر نازل ہو تو اسے شامتِ اعمال سمجھو۔

۱۲ : گناہ پر مت اتراؤ۔

۱۳ : اپنے دل کو شیطان کا کھلونا مت بناؤ۔

۱۴ : باطن کو ظاہر سے زیادہ سنوارو۔

۱۵ : اپنی نمائش مت کرو۔

۱۶ : کسی اعلیٰ مرتبہ کے حصول کے لئے اپنے آپ کو مت گراؤ۔

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۷۶، ۷۷۔

۱۷ : کمزور اور نو دولتوں سے کوئی چیز ادھار مت لو۔

۱۸ : بزرگوں کا احترام کرو۔

۱۹ : ہر روز نئی روحانی ترقیات کی خواہش کرو۔

۲۰ : جہاں تک ہو سکے عورتوں کو بد کلامی سے روکو۔

۲۱ : صحت کو غنیمت جانو۔

۲۲ : احسان مند ہو مگر کسی کو احسان مت جتاؤ۔

۲۳ : دوسروں سے بھلائی کرتے ہوئے یہ سمجھو کر تم اپنے آپ سے بھلائی کر رہے ہو۔

۲۴ : جس چیز کو دل ناپسند کرے اسے فوراً چھوڑ دو۔

۲۵ : جو غلام بکنا چاہے اسے مت پاس رکھو۔

۲۶ : نیکی کرنے کے لئے بہانے کی تلاش میں رہو۔

۲۷ : جھگڑا لڑائی اس قدر نہ کرو کہ صلح کا موقعہ ہی نہ رہے۔

۲۸ : غصہ اور ہلکا پن کمزوری کی نشانی سمجھو۔

۲۹ : دشمن سے اپنے آپ کو کبھی محفوظ نہ سمجھو خواہ وہ کتنا ہی صلح جو کیوں نہ ہو۔

۳۰ : جو تم سے ڈرے اس سے ڈرتے رہو۔

۳۱ : اپنے بل بوتے پر انحصار مت کرو۔

۳۲ : سب موقعوں سے زیادہ شہوانی خواہش کے وقت ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۳ : امراء کی صحبت میں دین سے غافل مت ہو جاؤ۔

۳۴ : انصاف میں عزت و عظمت ہے۔

۳۵ : دولت ہو تو سخی بنو۔

۳۶ : دین کا کوئی بدل نہیں۔

۳۷ : وقت کے برابر کوئی شے نہیں۔

۳۸ : پرہیز گار سے فیاضانہ سلوک کرو۔

۳۹ : مغرور آدمیوں سے تکبّر سے پیش آنا ضروری ہے۔

۴۰ : مہمانوں کی ضیافت میں اسراف سے کام نہ لو۔

۴۱ : جب اللہ تعالیٰ کوئی مُصیبت نازل کرے تو اس سے بھاگو نہیں۔

۴۲ : جب درویش کو تونگری کی اُمّید ہو اُسے خود غرض سمجھو۔

۴۳ : مُلک ایسے وزیر کے حوالے کرو جسے خوفِ خُدا ہو۔

۴۴ : اپنے دشمن سے مشورہ کرکے اس کے عزائم کو شکست دو اور ادب سے اپنے دوست کو گرویدہ بناؤ۔

۴۵ : دُنیا داروں کو بلائے ناگہانی سمجھو۔

۴۶ : اپنی خامیوں کے خود نکتہ چیں ہو۔

۴۷ : دولت اِستحقاق کی بنا پر حاصل کرو تاکہ ہمیشہ قائم رہے۔

۴۸ : انکساری سے علم حاصل کرو۔

۴۹ : دشمن کی بدکلامی پر برہم مت ہو اور غصّے سے مغلوب ہو کر اپنی ڈھال مت گنواؤ۔

۵۰ : اگر ذلّت سے بچنا چاہتے ہو تو کوئی چیز مت مانگو۔

۵۱ : اگر ساری دُنیا کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو مغرور بن جاؤ۔

۵۲ : اپنی اچھائی، بُرائی کو مخفی رکھو۔

۵۳ : دین کی حفاظت علم سے کرو۔

۵۴ : اگر عظمت چاہتے ہو تو مظلوم کا ساتھ دو۔

۵۵ : اگر آرام اور خوشی چاہتے ہو تو حسد مت کرو۔

۵۶ : مُصیبت کو غنیمت سمجھو۔

۵۷ : اِس طرح کام کرو کہ تمہیں اَبدی زندگی نصیب ہو۔

(بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ فرمودات خشک حکیمانہ باتیں نہیں۔ یہ اَخلاق اور تجربہ کا نچوڑ ہیں اور ان پر حقیقی تصوّف کی گہری چھاپ ہے۔ بابا صاحبؒ قول و فعل سے اپنے مُریدوں کے قلب و دماغ پر یہ نقش بٹھاتے کہ صُوفی کی زندگی کا عظیم نصب العین لوگوں کے دلوں میں اُنس و محبت پیدا کرنا ہے۔ ایک دن ایک شخص نے آپ کو قینچی دی تو آپ نے فرمایا:

"مجھے سُوئی چاہیے کیونکہ میں سِیتا اور جوڑتا ہوں۔ میں کاٹ کر الگ الگ نہیں کرتا۔"[۱])

بابا صاحبؒ اپنے مُریدوں سے چاہتے تھے کہ وہ کُلّی طور اَللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں کیونکہ صرف ایسے ہی بھروسہ سے اِنسانی طاقتوں کو مجتمع اور قوی تر کیا جا سکتا ہے۔ ایک روز جب آپ اپنے عَصا کا سہارا لئے کھڑے تھے کہ آپ کا رنگ بدل گیا اور آپ نے عصا کو پرے پھینک دیا۔ اس وقت شیخ نظام الدین اولیاءؒ حاضر تھے۔ بابا صاحبؒ کی حالت میں اس یکایک تبدیلی پر اُنہیں سخت حیرت ہوئی۔ جب اُنہوں نے آپ سے وجہ پُوچھی تو بابا صاحبؒ نے فرمایا:

"مُجھ پر بارگاہِ اِلٰہی سے عتاب ہوا تھا کیونکہ میں نے ماسوی اللہ کا سہارا لیا تھا۔"[۲]

ایک روز بابا صاحب علیہ الرحمتہ نے حاضرینِ مجلس کو بتایا کہ ستّاسو بزرگانِ دین کو چار

---

[۱] فوائد الفواد ص : ۲۲۶۔

[۲] سیر الاولیاء ص : ۱۸۰۔

سوال کئے گئے اور سب نے یکساں جوابات دیئے[1] سوالات یہ تھے :

۱ : سب سے زیادہ عقلمند کون ہے ؟

جواب : جو دُنیا ترک کر دے۔

۲ : سب سے زیادہ امیر اور مالدار کون ہے ؟

جواب : جو قانع ہے۔

۳ : سب سے زیادہ دل صفت کون ہے ؟

جواب : جو ہر بات پر بدل نہیں جاتا۔

۴ : سب سے زیادہ حاجتمند کون ہے ؟

جواب : جو قناعت چھوڑ دے۔

(بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اپنے مُریدوں کو نصیحت کرتے کہ وہ اپنے اندر رُوحانی حُرّیت پیدا کریں اور اپنی جُملہ حاجات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کریں۔ آپ نے فرمایا جب بندہ دُعا کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو انکار کرتے حیا آتی ہے[2]۔ بابا صاحبؒ کی گفتگو کا موضوع اکثر فقر و توکّل کی زندگی ہوتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے مُرید تنگ دستی و مُجاہدہ کی زندگی میں خوشی محسوس کریں اور اپنے آپ کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کردیں۔ انہیں اس بات کا گہرا احساس تھا کہ دُنیوی علائق کا بوجھ انسان کی اعلیٰ روحانی امنگوں کو کُچل کر رکھ دیتا ہے اور رُوحانی ترقّی و عُروج کو مُقیّد کر دیتا ہے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ بدیم شکست اعلیٰ ترین رُوحانی عُروج کی رات ہوتی ہے[3]

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۷۴ ۔

[2] سیر الاولیاء ص : ۷۴ ۔

[3] سیر الاولیاء ص : ۷۴ ۔

ایک درویش کے پاس سب سے قیمتی چیز وقت ہے اور اسے اس کی پوری نگہداشت کرنی چاہیئے۔ آپ بار بار اس مضمون کی طرف لوٹتے اور اپنے مریدوں سے وقت کی قدر بیان کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ امام شافعیؒ نے دس سال صوفیا کی خدمت کی پھر کہیں جا کر انہیں وقت کی قیمت کا اندازہ ہوا۔[1]

بابا صاحبؒ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے مرید لغو اور بیہودہ گفتگو میں اپنا وقت اڑا دیں۔ آپ نے اپنے مریدوں کو ہدایت کی کہ آدمی کو کام کرنا چاہیئے اور لوگوں کی باتوں میں نہیں بہل جانا چاہیئے۔ آپ نے شیخ جلال الدین تبریزی کی رائے کا حوالہ دیا اور خود اس کی تائید فرمائی:

"بہت سی باتیں دل کو سلا دیتی ہیں اور اسے پیغاماتِ خداوندی سے غافل کر دیتی ہیں۔ آدمی کو صرف وہ بات کہنی چاہیئے جس کا مقصود صرف ذاتِ باری ہو۔"[2]

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو فقیر نیا جوڑا پہنتا ہے وہ دراصل کفن پہنتا ہے۔ آپ اپنے مریدوں کے ذہن نشین کرنا چاہتے تھے کہ آرام و آسائش ایک درویش کی زندگی سے لگا نہیں کھاتے۔

بابا صاحبؒ کے مندرجہ ذیل اقوال و نصائح خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں کیونکہ یہ چند اہم امور کے بارے میں ان کے خیالات پر روشنی ڈالتے ہیں:

۱: زکوٰۃ تین قسم ہوتی ہے: زکوٰۃِ شریعت، زکوٰۃِ طریقت، زکوٰۃِ حقیقت۔ زکوٰۃِ شریعت یہ ہے کہ آدمی دو سو درہم میں سے پانچ درہم دے دے اور زکوٰۃِ طریقت

---

[1] سیر الاولیاء ص: ۷۴۔

[2] ایضاً ص: ۷۵۔

ڈرائینگ روم

یہ ہے کہ آدمی پانچ درہم رکھ لے اور باقی درہم دے دے اور زکوٰۃِ حقیقت یہ ہے کہ آدمی سب کچھ دے دے اور اُس کے پاس کچھ نہ رہے۔[1]

۲ : رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا : مبارک ہے وُہ شخص جسے اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کا علم دُوسروں کی کمزوریوں کے اظہار سے روک دے۔

۳ : باہمی مشورہ اکیلے بیٹھ کر گردان کرنے سے بہتر ہے۔

۴ : تدبیر میں مصیبت ہے اور راضی برضا رہنے میں عافیت۔

۵ : علماء عامۃ الناس سے بہتر ہیں اور فقراء سب سے بہتر۔

۶ : فقیر علماء کے درمیان ایسے ہیں جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند۔

۷ : سب سے کمینہ وُہ شخص ہے جسے صرف کھانے اور پہننے کا شوق ہو۔

۸ : سماع سُننے والوں کے دل میں رقّت پیدا کرتا ہے اور عشق کے شعلہ کو فروزاں کرتا ہے۔[2]

باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ ان کے مُرید کبر و نخوت سے پاک وصاف ہیں وہ انہیں نصیحت کرتے رہتے تھے کہ مُرشد کے مُعاملہ میں وُہ انکساری اور عاجزی سے پیش آئیں۔ ایک روز آپ نے شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ[3] کے بارے میں مندرجہ ذیل قصہ

---

[1] فوائد الفواد ص : ۱۰۳۔

[2] سیر الاولیاء ص : ۷۵، ۷۶، ۵۴۶۔

[3] شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابوالخیر (۹۶۷ - ۱۰۴۹ء)، اسلامی تصوف کی ایک مشہور شخصیت ہیں۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فارسی رباعی پر صُوفیانہ چھاپ چڑھائی ہے۔ آپ کی زندگی کے حالات کے لئے دیکھیں : "اسرار التوحید فی مقاماتِ شیخ ابی سعید" جو ۱۱۵۷ - ۱۲۰۳ء میں تالیف ہوئی۔ اس کو احمد بہمن یار نے مُدوّن کیا (تہران ۱۹۳۴ء) باقی آئندہ صفحہ پر

بیان فرمایا:

"ایک دفعہ شیخ ابو سعید ابوالخیر گھوڑے پر جا رہے تھے۔ آپ کے ایک مُرید نے جو آپ کو دیکھا تو قدمبوسی کو دَوڑا۔ شیخ نے فرمایا "اور نیچے" اس پر مُرید نے گھوڑے کے سُم کو بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا "اس سے بھی نیچے"۔ چنانچہ مُرید نے زمین کو بوسہ دیا۔ اس پر شیخ نے فرمایا "میں تمہیں اپنی عزّت افزائی کے لئے اور نیچے بوسہ دینے کو نہ کہتا تھا بلکہ تم جتنا نیچے جھکتے تھے تمہارے رُوحانی مَراتب اتنے ہی اُونچے جاتے تھے"[۱]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) برصغیر پاک و ہند کے چشتی صوفیا، آپ کا بہت احترام کرتے تھے شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اپنی گفتگو میں اکثر آپ کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ فوائد الفواد ص: ۷، ۱۳ وغیرہ، سیر الاولیاء ص: ۳۴۰۔ خیر المجالس ص: ۳۸، ۸۰، ۸۴، ۱۱۰ وغیرہ۔

[۱] فوائد الفواد ص: ۲۸۵، تذکرہ سبع سنابل (ص: ۶۸) اس حکایت کو غلطی سے شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اور سید محمد گیسو درازؒ سے منسوب کرتا ہے۔

باب : ۱۸

رُوحانی نظام

برِّصغیر پاک و ہند میں چشتیہ سلسلہ کو مستحکم کرنے کا سہرا بابا فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے جیسا کہ ایک بار شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ نے فرمایا بابا صاحبؒ نے تصوّف کو ایک عوامی تحریک بنا دیا تھا اور اس میں ہر قسم کے لوگوں کو داخل کر لیا تھا تاکہ ان کے اندر رُوحانی شعور پیدا کیا جا سکے[1]۔ بابا صاحبؒ کی طویل مخلصانہ اور اَنتھک جدوجہد نے سلسلہ کے وقار کو بہت بلند کر دیا۔ دُور و نزدیک سے لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور اُنہوں نے آپ سے سلسلہ چشتیہ کی اَخلاقی اور رُوحانی تعلیم حاصل کی۔

حضرت بابا صاحبؒ کے مُرید عام طور پر دو طرح کے تھے۔ ایک وہ جنہوں نے اپنی زندگی دین کے لئے وقف کر دی تھی اور دُوسرے وہ جنہوں نے اپنی رُوحانی جلا کے لئے آپ کے سلسلہ میں شمولیت اِختیار کی مگر ساتھ ساتھ اپنے دُنیاوی کاروبار کو بھی جاری رکھا۔ دوسری طرح کے لوگوں سے بابا صاحبؒ اِس سے زیادہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ وہ اپنے کاروباری معاملات میں لوگوں سے دیانتداری کو شیوہ بنائیں اور مذہبی فرائض باقاعدگی سے اَدا کرتے رہیں۔ اپنے اَعلیٰ مُریدوں کو چاہتے تھے کہ وہ تمام دُنیوی علائق سے قطع تعلّق کر لیں اور دین کی بے غرضانہ خدمت کو اپنائیں۔ دوسری طرح کے لوگوں سے وہ اس پر مطمئن تھے کہ وہ زکوٰۃ شریعت ادا کرتے رہیں گے مگر پہلی طرح کے لوگوں سے وہ زکوٰۃ حقیقت[2] کے خواہشمند ہوتے۔

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۳۴۷۔

[2] فوائد الفواد ص : ۱۰۳۔

پہلی قسم کے لوگ وہ مُرید تھے جن میں سے بابا صاحب رحمۃ اللہ اپنے خلفاء کا چناؤ کرتے ۔ آپ ان کو مندرجہ ذیل نصیحتیں فرماتے :

۱ : رُوحانی ترقی، رُوح کی تہذیب و تربیت اور باطنی صفائی میں ہے ۔ مشین کی طرح نمازوں کی اَدائیگی میں نہیں ۔ اگر معرفت چاہیے تو دل سے غُصّے اور حسد و نفرت کو مٹا دو ۔

۲ : جو بادشاہوں سے میل ملاپ رکھے معرفت اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی[1] بادشاہوں کا منظورِ نظر ہونا اخلاقی حِس کو کمزور کر دیتا ہے اور رُوح کی آزادی کو ختم کر دیتا ہے ۔

۳ : تولیت روحانی نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے یکسُوئی میں مُخل ہوتی ہے اس ذمہ داری کو کبھی قبول نہ کرنا چاہیے[2]

۴ : اِس دُنیا میں کسی سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے ۔ دشمنوں کو بھی راضی اور مُطمئن کرنا چاہیے[3]

۵ : ذمہ داریوں کو پُورا کرنا چاہیے اور فرائض کو ادا کرنا چاہیے[4]

۶ : علمِ دین رُوحانی مجاہدہ کے لئے شرطِ اوّل ہے[5]

بابا فرید علیہ الرحمۃ اپنے مُریدوں کے اندر صحت مند اور جامع شخصیتیں تیار کرتے ہیں

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۳۶۳ ۔

[2] سیر الاولیاء ص : ۳۲۵ ، شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے : "کسے کہ امانت قبول کند او از مُریدان من نباشد" ۔

[3] فوائد الفواد ص : ۱۴۰ ، سیر الاولیاء ص : ۳۳۰ ۔

[4] فوائد الفواد ص : ۱۴۰ ۔

[5] سیر الاولیاء ص : ۱۰۷ ۔

بڑی محنت کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ انہیں تلقین کرتے کہ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرو اور اپنی باطنی زرخیزی کو بروئے کار لاؤ۔ وہ ان کے جذبات کی نشو و نما کرتے اور اُن کی ذہنی تربیت کرتے۔ آپ کا پختہ عقیدہ تھا کہ عقل عشق کے تازیانہ اور اخلاق اور روحانی اقدار میں ایمان کی لگام کے بغیر انسانی زندگی میں ذریعۂ انتشار بن جاتی ہے۔ وہ اپنے مُریدوں کو تصوّف کی مستند کتابیں پڑھا کر اعلیٰ دینی فکر سے روشناس کراتے اور ان کے امیال و عواطف کی تہذیب و تربیت سے ان کی باطنی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرتے۔ وہ خیالی پلاؤ نہ پکاتے بلکہ تصوّف کی مجموعی حکمتِ عملی زندگی میں نمایاں کر کے اپنے مُریدوں کو ذہنی اور جذباتی طور پر سلسلہ کی رہنمائی کے کٹھن کام کے لئے تیار کرتے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی زندگی اس ضمن میں ایک روشن مثال ہے کہ کس طرح آپ کا عمل آپ کے مُریدوں کے لئے مہمیز کا کام کرتا اور اُن کے فکر و کردار کو سانچے میں ڈھال لیتا۔ جب کبھی جماعت خانہ میں کوئی نیا مسئلہ پیدا ہوتا یا اُن کی زندگی میں کوئی نازک موڑ آتا تو شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا ذہن فوری طور پر اپنے مُرشد کی طرف دوڑتا اور آپ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے مُرشد کے طرزِ عمل کی پیروی کی کوشش کرتے۔[1] یہ بابا صاحب رحمۃ اللہ کی شاگردی ہی تھی جہاں شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے امن پسندی،

---

[1] ایک جوالق شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو ملنے آیا۔ شیخ نظام الدین شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ کی طرح ملنے سے انکار کر سکتے تھے لیکن یہاں کے مرشد کی عادت نہ تھی انہوں نے جوالق کا خیر مقدم کرتے ہوئے لوگوں سے کہا: "شیخ الاسلام فریدالدین ہر شخص کا خیر مقدم کرتے تھے"۔ فوائدالفواد، ص: ۵۰۔ (ب) ایک عورت شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے بیعت ہونے آئی تو آپ کا ذہن فوراً اپنے مُرشد کی طرف گیا جو عورتوں کی صلاحیتوں کے بڑے قائل تھے۔ شیخ فریدؒ اندرپت میں رہنے والی ایک عورت کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے "وہ عورت نہیں مرد ہے جو عورت کی شکل میں پیدا ہو گیا ہے۔ فوائدالفواد ص: ۲۲ (ج): ایک جوالق نے آکر شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو گالیاں دینا شروع کر دیں مگر آپ اپنے مرشد کی طرح بالکل متحمل اور خاموش رہے۔ فوائدالفواد ص: ۴۸

وسیع المشربی اور مادی مشاغل کو ترک کرنے کا سبق سیکھا۔

بابا صاحبؒ کے نزدیک خلافت ایک نہایت سنجیدہ فرض تھا جو صرف ایسے مرید کو تفویض کیا جا سکتا ہے جس کو قدرت نے دل و دماغ کی غیر معمولی خوبیوں سے نوازا ہو۔ جب آپ نے شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ کو اپنا جانشین بنایا تو آپ نے فرمایا:[1]

"باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است و ہر کہ بدیں سہ صفت موصوف باشد از و خلافت مشائخ نیکو آید۔"

(اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم، عقل اور عشق سے نوازا ہے اور وہی شخص جس میں یہ تین خصوصیتیں ہوں بزرگانِ دین کی خلافت کا بار سنبھال سکتا ہے)۔

بلا امتیاز عطائے خلافت جو بعد ازاں تصوف کا دستور بن گیا بابا صاحب کو سخت ناپسند تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"بزرگانِ دین تین طور پر خلافت عطا فرمایا کرتے تھے۔ پہلا طریق رحمانی ہے جو سب سے بہتر اور مستقل مزاج ہے۔ اس میں بہت سے انعامات و برکات ہوتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ مرشد کے دل میں القا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو خلافت عطا کر دو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ مرشد ایک مرید کی خصوصیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اُسے خلافت کا اہل سمجھ کر خلافت عطا کر دیتا ہے۔ اس میں مرشد کی رائے غلط ہونے کا بھی امکان ہے اور تیسرا طریق یہ ہے کہ مرشد اپنی مرضی سے نہیں بلکہ کسی کی سفارش پر یا بہ نظرِ عنایت کسی شخص کو خلافت

---

[1] سیر الاولیاء ص: ۳۲۵۔

عطا کر دیئے۔"

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ جس کسی کو خلافت نامہ عطا کرتے اسے آپ کے بزرگ مریدوں خصوصاً شیخ جمال الدین ہانسوی سے خلافت نامہ کی تصدیق کرانا پڑتی تھی[۱] یہ کہنا مشکل ہے کہ اس طریق کار کے اختیار کرنے میں بابا صاحبؒ کا مقصد اس نئے خلیفہ کے بارے میں مزید رائے حاصل کرنا ہوتا یا اکثر ذہن پر شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمۃ کی فضیلت نقش کرنا ہوتی یا بزرگ مریدوں کو نئے حلقہ میں مزید اضافہ سے باخبر رکھنا ہوتا۔ اس طریق کار پر البتہ سختی سے عمل کیا جاتا اور ایک بار آپ نے اس شخص کو خلافت نامہ دینے سے انکار کر دیا جس کا خلافت نامہ شیخ جمالؒ نے پھاڑ دیا تھا[۲]

---

[۱] سیر الاولیاء ص: ۲۲۵، شیخ نظام الدین اولیا علیہ الرحمۃ پہلی قسم کے بزرگوں میں آتے ہیں۔ (خیر المجالس ص: ۲۲۴) اور مولانا فخر الدین صفاہانی تیسری قسم کے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ (سیر الاولیاء ص: ۲۲۵ - ۲۲۶)۔

[۲] جب بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ نظام الدین اولیاؒ کو خلافت نامہ دیا تو فرمایا کہ اسے شیخ جمال الدین ہانسویؒ اور قاضی منتجبؒ کو دہلی میں دکھا لینا۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ کو تعجب ہوا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمہ اللہ کا نام چھوڑ دیا گیا ہے جو کہ ایک بزرگ، اور حضرت بابا صاحبؒ کے برادر تھے۔ لیکن جب آپ دہلی پہنچے تو آپ کو اس بات پر حیرت ختم ہوئی اور معلوم ہوا کہ شیخ نجیب الدین متوکلؒ وفات پا چکے تھے۔ جب شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اپنا خلافت نامہ شیخ جمال کو دکھایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور یہ شعر پڑھا ؎

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس　　　که گوہر سپردہ بگوہر شناس

(اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گوہر گوہر شناس کے سپرد کر دیا گیا)۔ سیر الاولیاء ص: ۱۱۶ - ۱۱۷

[۳] سیر الاولیاء ص: ۱۷۸ - ۱۷۹۔

بابا صاحبؒ ہر ممکن طریق سے کوشش کرتے کہ آپ کی طرف سے جعلی یا مصنوعی خلافت نامے نہ بنا لیے جائیں۔ ایک روز آپ نے مولانا بدرالدین اسحٰق کو خلافت نامے کی کچھ نقلیں تیار کرنے کے لئے فرمایا جو آپ ان لوگوں کو دینا چاہتے تھے جنہیں اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تھے ایک مرید جس نے بابا صاحبؒ کی مخلصانہ طور پر بڑی مدت تک خدمت کی تھی مگر آپ نے اسے خلافت کے اہل نہ سمجھا، مایوسی سے کہنے لگا: "اگر شیخ مجھے خلافت نامہ نہ دیں گے تو میں ایسا خود تیار کر لوں گا اور لوگوں کو بیعت کرنا شروع کر دونگا" بابا صاحبؒ اِس بات پر چونکے اور مولانا بدرالدین کو ہدایت کی کہ خلافت ناموں پر اپنا نام بطور راقم کے تحریر کر دیا کرو تاکہ بے ایمان لوگ جعلسازی سے کام نہ لے سکیں[1]۔

مولانا فخرالدین صفاہانی کا معاملہ اِس ضمن میں قابلِ غور ہے۔ آپ بلگرام کی ایک مشہور و معروف شخصیت تھے۔ آپ نے ایک درویش داؤد نامی کو بابا صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کی طرف سے درخواست کرے کہ بابا صاحبؒ آپ کو خلافت نامہ عطا فرمائیں۔ آپ نے اپنی درخواست میں عرض کیا کہ لوگ کلاہ چہار ترکی کے لئے مجھے بہت پریشان کرتے ہیں۔ بابا صاحبؒ نے خلافت نامہ دینے سے انکار کر دیا۔ داؤد نے جماعت خانہ میں قیام کر کے بابا صاحبؒ کے بزرگ مریدوں سے سفارش کے لئے تحریک کی؛ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور بابا صاحبؒ کے فرزند شیخ شہاب الدین نے بہت زور دیا کہ بابا صاحبؒ مولانا فخرالدین کو خلافت نامہ دے دیں مگر بابا صاحبؒ نے سختی سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

"ایں کارِ حق است بآرزو نیست ہر کہ قابل باشد نامزد ہم بیاید"

---

[1] سیر الاولیاء ص: ۱۲۱، چنانچہ شیخ فرید علیہ الرحمۃ کے خلافت نامہ میں یہ الفاظ بھی ہوتے: "تحررت ھذہ السطور بعون اللّٰہ علی ید اضعف الفقیر الی اللّٰہ تعالٰی الغنی اسحاق بن علی بن اسحاق الدھلوی بمشافھتہ۔"

(یہ خدائی کام ہے۔ جو کوئی چاہے اسکے سپرد نہیں کیا جاسکتا جو اس کا سزاوار ہوتا ہے اسے بے طلب مل جاتا ہے)۔

شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اس وقت تو زور نہ دیا مگر بعد میں جب بابا صاحبؒ ایک روز شگفتہ مزاجی کے عالم میں تھے کہ آپ نے پھر درخواست دہرائی۔ بابا صاحبؒ نے آپ کی سفارش قبول فرما کر مولانا صفاہانی کو خلافت نامہ عطا فرمادیا۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ کا بیان ہے کہ مولانا صفاہانی کو اپنے کام میں کوئی کامیابی نہ ہوئی کیونکہ انہوں نے خلافت نامہ دباؤ کے تحت اور بابا صاحبؒ کی مرضی کے خلاف حاصل کیا تھا۔[1]

بابا صاحبؒ کسی مرحوم بزرگ کی قبر پہ کلاہ چہارترکی پہن کر مرید ہونے کے سخت خلاف تھے۔ آپکے ایک صاحبزادے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر گئے اور وہاں سر منڈا کر کہا کہ وہ خواجہ بزرگ کے مرید ہوگئے ہیں۔ بابا صاحبؒ نے جب اس بارے میں سنا تو بڑے پُرزور لہجے میں فرمایا:

"شیخ قطب الدین خواجہ و مخدوم ماست۔ اما ایں بیعت درست نباشد۔ ارادت و بیعت آنست کہ دستِ شیخ گیرند"۔[2]

(شیخ قطب الدین میرے آقا و مرشد ہیں لیکن اس انداز سے مرید ہونا درست نہیں۔ بیعت و ارادت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی کسی شیخ کا دامن تھام لے)۔

بابا صاحبؒ کے روحانی نظم و ضبط کی کامیابی کا راز آپ کے قلب و دماغ کی غیر معمولی

---

[1] سیر الاولیا، ص: ۲۴۵-۲۴۶۔

[2] فوائد الفواد ص: ۷۸۔ امیر خورد آخری فقرہ اس طرح لکھتے ہیں: "بیعت آنست کہ دستِ شیخ بظاہر حی باشد گیرند"۔ سیر الاولیا، ص: ۳۲۶۔

صلاحیتوں میں تھا۔ آپ کی زبردست وجدانی ذکاوت مرید کے دل کی تہہ تک پہنچ جاتی۔ آپ ایک ہی نگاہ میں ایک مرید کے معایب و محاسن معلوم کر لیتے۔ اس تیز، تہہ تک پہنچنے والی دقّتِ نظر نے بابا صاحبؒ کو بہترین معلّم بنایا تھا۔[1] کسی شخص کو اپنی روحانی اور اخلاقی افتاد کے عروج تک پہنچا دینا بڑا کٹھن کام ہے۔ یہ صرف شفقت و محبت، فہم و تدبیر، سلیقہ اور کبھی کبھی سختی سے کام لینے سے سرانجام پاتا ہے۔

بابا صاحبؒ میں یہ سب خصوصیات بلکہ اس سے بھی زیادہ پائی جاتی تھیں۔ مندرجہ ذیل

---

[1] شیخ فرید رحمۃ اللہ اپنے مریدوں پر گہری نگاہ رکھتے اور ان کی اصلاح کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ۱: ایک دن ایک ہونہار اور پڑھا لکھا طالب علم شرف الدین آپ سے ملنے آیا۔ بابا صاحبؒ نے پوچھا "تمہاری تعلیم کا کیا حال ہے؟" شرف الدین نے جواب دیا کہ اب مجھے سب کچھ بھول گیا ہے۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ کو اس جواب سے عقلی نخوت و غرور کی بو آئی اور جب وہ چلا گیا تو آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا، "اس شخص نے غرور کا مظاہرہ کیا ہے"۔ فوائد الفواد، ص: ۸۰۔ ۲: ایک دفعہ سلسلۂ چشتیہ کے چھ سات نوجوان خوبصورت درویش اپنا جھگڑا فیصلہ کے لئے بابا فرید صاحبؒ کے پاس لائے۔ بابا صاحبؒ نے شیخ نظام الدین اولیاؒ اور مولانا بدرالدین اسحٰقؒ کو بلایا اور اُن کے سامنے درویشوں نے اپنا جھگڑا بابا صاحبؒ کے پاس پیش کیا۔ درویشوں نے اپنے مابین تنازعہ بڑی شائستگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا۔ "اس ضمن آپ نے ایسے فرمایا اور میں نے یہ عرض کیا، پھر آپ نے یہ کہا میں آپ کا مطلب نہ سمجھ سکا اور میں نے غلط جواب دیا"۔ دوسرے آدمی نے بھی اسی طرح انکساری سے جواب دیا۔ یہ شائستگی اور انکساری دیکھ کر شیخ نظام الدین اولیاؒ اور شیخ برہان الدین اسحٰقؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ سمجھ گئے کہ ان کو کیوں بلایا گیا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ کہا کرتے تھے "وہ سچائی کے فرشتے تھے جو ہمیں یہ سکھانے کے لئے بھیجے گئے کہ ہمیں اپنے تنازعے کس طرح طے کرنے چاہییں۔ (فوائد الفواد ص: ۸۱)۔

حکایات سے اِس بات کا اندازہ لگایا جاسکے گا کہ آپ فطرتِ انسانی کو کتنی اچھی طرح سمجھتے تھے۔

۱: شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دہلی کے اعلیٰ ادبی و علمی حلقوں میں اپنا سکہ منوا کر اجودھن پہنچے تھے۔ وہ ایک اچھے مناظر تھے اور آپ کو نظام الدین محفل شکن کہا جاتا تھا۔ ایک روز بابا صاحب اپنے مریدوں کو عوارف المعارف پڑھا رہے تھے۔ آپ والے نسخہ میں کچھ کتابت کی غلطیاں تھیں چنانچہ آپ آہستہ آہستہ اور رک رک کر سبق پڑھاتے جاتے اور ساتھ ساتھ اغلاط و اسقام دور کرتے جاتے۔ شیخ نظام الدین نے بڑھ کر بابا صاحبؒ سے عرض کی کہ شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پاس ایک عمدہ نسخہ ہے۔ بابا صاحبؒ اس پر کچھ چیں بجبیں ہوئے اور خفا ہوتے ہوئے بابا رفرمایا، "کیا اِس درویش میں اتنی قابلیت نہیں کہ غلط نسخے کو درست کرسکے۔" جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو احساس ہوا کہ اِن کے مرشد اِن کی بات کا بُرا مان گئے ہیں تو اُن کے قدموں میں گر پڑے اور اپنی گستاخی کے لئے معافی کے خواستگار ہوئے لیکن اس پر بھی بابا صاحبؒ کا غصّہ فرو نہ ہوا جس پر شیخ نظام الدین کو شدید قلق ہوا۔ اِنتہائی ذہنی آزردگی کی کیفیت میں وہ خودکشی پر تیار ہوگئے اور روتے پیٹتے جنگل میں نکل گئے۔ بابا صاحبؒ کے فرزند شیخ نظام الدینؒ جو کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے قریبی دوست تھے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی حالت دیکھ کر بہت مغموم ہوئے اور بابا صاحبؒ سے سفارش کرکے معافی لے دی۔ بابا صاحبؒ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو پاس بلا کر کہا کہ ہم نے یہ سب تمہاری تکمیل کے لئے کیا ہے۔ پیر کی حیثیت مرید کے لئے وہی ہوتی ہے جو دلہن کے لئے مشاطہ کی[1]

ظاہراً شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے الفاظ نہایت معصومانہ معلوم ہوتے ہیں لیکن

---

[1] فوائد الفواد ص: ۲۶-۲۷۔

بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وجدانی بصیرت نے اِن الفاظ میں اُس عقلی پندار کی جھلک پائی جو شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ میں ان کی دہلی کے علمی حلقوں میں کامیابی و تفوّق نے پیدا کر دیا تھا۔ اِس پندار کو مٹانے کے لئے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سخت ترین جھڑک سے کام لیا۔

۲ : دہلی میں تکمیلِ تعلیم کے بعد شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ اپنی رُوح کی تہذیب و تربیت کی طرف متوجہ ہوئے اور اجودھن پہنچے ایک روز آپ اپنے پرانے ہم جماعت اور ساتھی کو ملے۔ شیخ نظام الدین کے پارچات میلے کچیلے اور پھٹے پرانے تھے آپ جیسے ہونہار طالب علم کی جس کا مستقبل نہایت شاندار متوقع تھا، یہ حالت دیکھ کر اسے بڑی حیرانی ہوئی۔ اُس نے پوچھا : "مولانا نظام الدین! آپ پر کیا آفت آپڑی ہے؟ اگر دہلی میں آپ تعلیم و تربیت کے پیشہ کو اختیار کرتے تو آپ وقت کے سرکردہ عالم اور مالی طور پر خوشحال ہوتے۔" شیخ نظام الدین نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ نے سارا واقعہ اپنے مُرشد کو آکر سُنایا۔ بابا صاحبؒ نے پوچھا، "شیخ نظام! آپ اس سوال کا کیا جواب دیتے؟" شیخ نظام الدین نے عرض کی کہ جیسے مُرشد کا حکم۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ اُسے کہو :

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر برو
ترا سعادت بادا مرا نگوں ساری

(تم میرے ہمراہی نہیں ہو۔ اپنا راستہ لو اور جاؤ خدا کرے کہ خوشحالی تمہارا اور بد نصیبی میرا مقدر ہو)۔

پھر بابا صاحبؒ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے فرمایا کہ ہمارے باورچی خانہ سے ہر قسم کا کھانا سر پر اٹھا کر اپنے دوست کے پاس لے جاؤ۔[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۲۳۹۔

یہ سادہ واقعہ ہے مگر معنی خیز۔ اس نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے دل میں خوشحالی اور آرام دہ سرکاری ملازمت کے لئے رہی سہی خواہش کا بھی خاتمہ کر دیا اور اُن پر واضح کر دیا کہ جس زندگی کو اُنہوں نے اپنایا ہے اُس کے تقاضے اس زندگی کے تقاضوں سے بالکل مختلف ہیں جو اُن کا دوست بسر کر رہا تھا یا جو زندگی وہ ان کے لئے چاہتا تھا۔

۲ : مولانا بدرالدین اسحٰقؒ شدید صوفیانہ جذبہ کے مالک تھے۔ بعض اوقات وہ استغراق میں گم ہو جاتے اور اُن کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہتے۔ ایک روز بابا صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ آج نماز کی امامت تم کرو۔ مولانا اسحٰقؒ نے تلاوتِ قرآن مجید کی بجائے فارسی کا ایک شعر پڑھا اور غش کھا کر گر گئے۔ جب ہوش میں آئے تو بابا صاحبؒ نے پھر نماز کے لئے کہا اور فرمایا کہ صحیح طور پر نماز پڑھاؤ۔[1]

ایک روز بابا صاحبؒ نے آپ کو بلایا مگر آپ پر محویت کا یہ عالم تھا کہ بابا صاحبؒ کو کوئی جواب نہ دیا۔ بابا صاحبؒ کو بہت غصّہ آیا اور جب مولانا اسحٰقؒ اُن کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا: "تمہاری پچھلی عبادت اور ریاضت سب اکارت گئی، اب پھر سے ریاضت و مجاہدہ کرو۔"[2] بابا صاحبؒ ہوشمندی کی زندگی یعنی صحو پر یقین رکھتے تھے اور اپنے مُریدوں کو استغراق و محویت کی زندگی کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔

ایک خلافت نامہ :

خوش بختی سے امیر خورد نے ہمارے لئے ایک خلافت نامے کی نقل چھوڑی ہے

---

[1] سیر الاولیاء ص : ۱۷۲۔ آپ نے یہ شعر پڑھا تھا :

پیش سیاست غمش روح چہ نطق می زند — اے زہزار صعوہ کم پیش تو ذاچہ می زنی

[2] سیر الاولیاء ص : ۱۷۷۔

جو بابا صاحبؒ نے اپنے مرید شیخ نظام الدین اولیاؒ کو دیا تھا۔ اس سے اُن اغراض و مقاصد پر کافی روشنی پڑتی ہے جو صوفیاء خلافت نامہ دیتے وقت مدّنظر رکھتے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وُہی اوّل ہے وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے وُہی باطن۔ جسے وہ آگے بڑھائے اُسے کوئی پیچھے کرنے والا نہیں اور جسے وُہ پیچھے کرے اسے کوئی آگے بڑھانے والا نہیں۔ درود و سلام ہو اس برگزیدہ رسول پر جس کا اسمِ مبارک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور اُن کی آل اور اُن کے اصحاب پر۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد مَیں کہتا ہوں کہ علمِ حدیث کا مطالعہ لوگوں کے قلب و نظر کو وسعت عطا کرتا ہے اور اُس شخص کو بصیرت عطا کرتا ہے جو اسے پڑھتا ہے۔ علمِ اصول میں سب سے بہتر کتاب ابو شکور کی تمہید المہتدی ہے اور تحقیق، فرزند رشید، متّقی امامِ زماں، نظام الملک والدّین محمد بن احمد نے جو کہ علماء وائمہ کی زینت بزرگوں اور متّقیوں کا فخر ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی رضامندیوں کے طلب کرنے پر اُس کی مدد کرے اور انتہائے رحمت پر پہنچائے۔ مجھ سے یہ کتاب شروع سے لے کر آخر تک سبقاً سبقاً بڑی توجہ اور احتیاط سے خوب اچھی طرح پڑھی۔ پڑھاتے وقت مَیں نے اسے لائق، دانشمند، شائستہ اور خوش معاملہ پایا۔ اب مَیں اسے اجازت دیتا ہوں کہ وہ خود طالب علموں کو یہ کتاب پڑھائے بشرطیکہ وہ پڑھاتے، لکھتے اور بیان کرتے وقت کوئی غلطی نہ کرے اور اپنی استعداد اور علم کو غور و خوض میں صرف کرے اور کتاب کی اغلاط کی تصحیح اور اس کے زبان و محاورہ کی تنقیح کرے۔ یہ اجازت نامہ شیخ الشیوخ العالم، اللہ تعالیٰ اُن کی عزّت و رتبہ کی حفاظت کرے کی اجازت اور موجودگی میں اس عاجز فقیر الی اللہ اسحاق بن علی بن اسحٰق سکنہ

دہلی نے آج بروز بدھ ماہِ رمضان تحریر کیا۔

مَیں نظام الدین کو مزید اجازت دیتا ہوں کہ جو کچھ اس نے مجھ سے پڑھا یا سُنا یا جمع کیا اور سب یاد رکھا وہ سب بیان کرے اور سلامتی ہو اس پر جو سیدھی راہ پر چلے۔

مَیں اسے مزید اجازت دیتا ہوں کہ وہ کسی مسجد میں جہاں نماز باجماعت ہوتی ہو گوشہ نشین ہو جائے۔ اس خلوت نشینی کی بنیاد یہ حدیث شریف ہے: کن فی الدنیا کانک غریب او کعابری سبیل وعد نفسک من اصحاب القبور۔

(دُنیا میں مُسافر یا راہ رو کی طرح رہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں سے تصوّر کرو)۔ چنانچہ جو شخص اس حدیث کے مطابق ارادہ کر کے کمر ہمت باندھ لیتا ہے اسے گوشہ نشینی کی اجازت ملجاتی ہے بشرطیکہ وہ نفس پر قابو پائے اور اپنے آپ کو کمزور و ناتواں سمجھے اور دُنیا اور اُس کی رغبتوں کو ترک کر دے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ دُنیاوی رغبتیں اور دلفریبیاں باعثِ نقصان ہوتی ہیں۔ خلوت نشین کی خلوت مختلف اقسام عبادت سے مزیّن ہوجاتی ہے جب اس کا نفس اعلیٰ درجے کے اشغال سے ادنیٰ درجے کے اشغال کی طرف آنے سے روک دیا جاتا ہے اگر اس کشمکش میں وہ تھک جائے تو اُسے چاہیے کہ اپنی شہوات کا مُقابلہ عبادت یا سو جانے سے کرے کیونکہ اس طرح شہوات غلبہ حاصل نہیں کر پاتیں۔ خالی خلوت نشینی سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ یہ دل کو غفلت شعار بنا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ نظام الحق والدین کو ایسی مُضرتوں سے بچائے اور انہیں صراطِ مُستقیم پر چلائے۔ نظام الدین دین و دُنیا میں میرے جانشین ہیں اور اُن کی اطاعت میری

اطاعت ہے۔ جو کوئی نظام الدین کی قدر و منزلت کرے جن کی کہ میں
بھی عزت کرتا ہوں اور جن کا مجھے بڑا پاسِ خاطر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر
رحم و کرم فرمائے اور جو کوئی ان کی عزت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل
کرے۔ یہ تمام تحریر بہ فقیر مسعود کی جانب سے ہے"[1]

---

[1] سیر الاولیا، ص: ۱۱۷ - ۱۱۹۔

باب ۱۹:

حکومت کے متعلق رویہ

قرونِ وسطیٰ کے شروع شروع میں مسلم صوفیا، خصوصاً چشتی صوفیا، حکومتِ وقت سے کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے اور اس کے متعلق اُن کا رویہ حقارت آمیز بے نیازی کا ہوتا۔ یہ رویہ دراصل حاکمانِ وقت کی دُنیا پرستی اور غیر اسلامی طرزِ عمل کے خلاف دیندار مسلمانوں کا ردِّ عمل تھا۔ وہ مسلمان حکمرانوں کو اسلامی اقدار سے دُور ہٹتے ہوئے اور حِسّیت و مادّیت کی دلدل میں دھنستے ہوئے نفرت و وحشت سے دیکھتے تھے۔ اِن کے نزدیک اِسلام کا نصب العین اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع تھا جو یہ حاکم لوگ سمجھ بیٹھے تھے۔ اِسلام کا مقصد سلطنتیں قائم کرنا نہ تھا بلکہ انسان کو نیک کردار بنانا اور اس کی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لانا تھا۔ چونکہ حکمران طبقے نے اس نصب العین کو پسِ پشت ڈال دیا تھا اس لیے صوفیا نے حکومت کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ وہ اسلام کے سامنے تو جھک سکتے تھے مگر تاج و تخت کے سامنے نہیں۔ وہ دن جب خدمتِ سرکار خدمتِ اسلام ہوا کرتی تھی، پُورے ہو چکے تھے اب حکومت طبقاتی مفاد کی علمبردار تھی اور صوفیا نہ صرف اس مفاد کی سرپرستی کے لیے تیار نہ تھے بلکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسلام جیسی عالمگیر قوت کا رُخ سلاطین کی ہوس و حُبِّ جاہ[۱] کی تنگ چاردیواری کی طرف پھیر دیا جائے۔

---

[۱] اس مسئلہ پر مفصل بحث کے لیے مصنف کا مقالہ "ارلی انڈو مسلم مسٹکس اینڈ دیر ایٹیچوڈ ٹوورڈز دی سٹیٹ"۔ (ابتدائی مسلم ہند کے صوفیاء اور اُن کا حکومت کے بارے میں رویہ)۔ اسلامک کلچر جلد نمبر ۲۲، ۲۳، ۲۴۔ ملاحظہ فرمادیں۔

علاوہ ازیں شغل (سرکاری نوکری) اور جاگیرداری کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ یہ انسان کی رُوح کو کھا جاتی ہیں۔ یہ انسان کی رُوحانی ترقّی کی راہ میں رکاوٹ ہونے کے علاوہ اس کے اندر جذبہ عشق کی صحتمند نشوونما پر بُرا اثر ڈالتی ہیں۔ اعلیٰ تصوّف کی مُسلّمہ روایات کے مُطابق بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا حکُومت کے متعلق رویّہ مکمل طور پر لاتعلقی تھا آپ اپنے مُریدوں کو صاف اور دو ٹوک الفاظ میں نصیحت فرماتے تھے:

"لو اردتم بلوغ درجة الكبار فعليكم بعدم الالتفات الى ابناء الملوك"۔

(اگر رُوحانی ترقی چاہتے ہو تو شہزادوں سے میل جول چھوڑ دو)۔

بابا صاحبؒ تمام عمر اس اصُول پر بڑی مُستقل مزاجی اور خلوص کے ساتھ کاربند رہے۔ نہ مسلسل فاقہ کشی اور نہ ہی درباری زندگی کا لالچ ان کے حکُومت کے متعلق رویّہ میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکا۔ التمش کی وفات سے لے کر بلبن کے سریر آرائے تخت ہونے تک حکومت کے نظم و نسق میں کمزوری کی وجہ سے سیاستدانوں اور عُلمائے دین نے کاروبارِ سلطنت میں دخل اندازی شروع کر رکھی تھی۔ ممتاز علمائے دین اور بزرگوں نے سیاسی زندگی اپنا رکھی تھی اور سیاسیات میں بڑھ چڑھ کر حصّے لے رہے تھے لیکن بابا صاحبؒ نے جو راستہ اختیار کر رکھا تھا اس سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہ ہٹے۔ جو لوگ بابا صاحبؒ کے پاس روحانی رہبری کے لئے آتے آپ انہیں حکومت اور عُمّالِ حکومت سے دُور رہنے کی تلقین کرتے۔ جب سیدی مولا نے اجودھن چھوڑ کر دہلی جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے نیم دلی سے فرمایا:

"اما یک نصیحت من نگہ داری۔ با ملوک و اُمراء اختلاط نہ کنی و آمد و شد ایشاں را در خانہ خود از مُہلکات تصوّر کنی کہ ہر درویشے کہ در اختلاط با ملوک و اُمراء بکشاید عاقبت او وخیم گردد"۔

(لیکن میری ایک نصیحت یاد رکھنا۔ بادشاہوں اور اُمرار کی صحبت میں نہ بیٹھنا۔ اگر وہ تمہارے گھر آئیں تو اسے مُصیبت سمجھنا۔ جو درویش بادشاہو اور اُمرار کی صحبت اختیار کرتا ہے تباہ ہو جاتا ہے[۱])

سیدی مولا نے آپ کی نصیحت کو نظر انداز کر دیا اور اس کے بدلے میں اُنہیں بہت بھاری قیمت چکانا پڑی[۲]۔ اگرچہ بابا صاحبؒ ایک چھوٹے سے دُور دراز قصبے میں رہتے تھے تاہم آپ کی روحانی عظمت وزرار اور اعلیٰ عمالِ حکومت کو آپ کی خانقاہ تک کھینچ لاتی تھی۔ ایک دفعہ سُلطان نصیر الدین نے بابا صاحبؒ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر الغ خاں نے (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے مشہور ہوا) اس کو اس ارادے سے باز رکھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بادشاہ کا بابا صاحبؒ سے تعلق قائم ہو۔ زیرکہ وزیر یعنی بلبن نے سُلطان کو سمجھایا کہ اجودھن میں پانی کی کمیابی ہے جبکہ سپاہ کی تعداد بیشمار ہے اس طرح اس نے سلطان کو آمادہ کر لیا کہ سلطان اسے بابا صاحبؒ کی خدمت میں بطور نمائندہ بھیج دے۔ قدمبوسی کے بعد الغ خاں نے بابا صاحبؒ کے سامنے شاہی تحائف پیش کیے جن میں چار گاؤں کا عطیہ اور کچھ نقدی شامل تھی۔ جب الغ خاں نے شاہی تحائف پیش کیے تو بابا صاحبؒ نے فرمایا "یہ کیا ہے؟" الغ خاں نے عرض کیا "یہ کچھ نقدی ہے اور یہ چار گاؤں کا عطیہ۔ نقدی درویشوں کے لئے ہے اور عطیہ آپ کے لئے"۔ بابا صاحبؒ مسکرائے اور فرمایا "یہ نقدی مجھے دے دو میں اسے درویشوں میں تقسیم کروں گا مگر یہ عطیہ واپس

۱ے تاریخ فیروز شاہی، ص: ۲۰۷۔

۲ے واقعہ کی تفصیلات کے لئے دیکھیں برنی کی تاریخ فیروز شاہی ص ۲۱۲، عصامی کی فتوح السلاطین ص: ۲۱۰-۲۱۳، نیز دیکھیں پروفیسر شیخ عبدالرشید کا نہایت عمدہ مقالہ سلطان جلال الدین خلجی پر مسلم یونیورسٹی جرنل ۱۹۳۲ میں ص: ۱۳۹-۱۴۱۔

لے جاؤ اور بہت سے لوگ اس کے خواہشمند ہوں گے اُنہیں دے دینا۔[۱]

جب کبھی آپ نقدی قبول فرماتے تو اسے فوری طور پر غرباء اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے وُہ اپنی خانقاہ میں ایک شب کے لیے بھی کچھ نہ رکھتے۔ جواہرِ فریدی میں مذکور ایک حکایت بابا صاحبؒ کے طرزِ عمل پر بہت خوب روشنی ڈالتی ہے۔ ایک دفعہ بلبن نے سکّوں کا ایک تھال بھر کر بابا صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ آپ نے بادلِ نخواستہ اسے لے تو لیا مگر مولانا بدرالدین اسحٰق کو فرمایا کہ اسی وقت غرباء میں تقسیم کر دو۔ اس وقت شام پڑ چکی تھی اور اندھیرا چھا چکا تھا مگر بابا صاحبؒ نے صبح کا انتظار کرنا گوارا نہ فرمایا۔ آپ کا جماعت خانہ شاہی تحائف کا گودام نہ تھا۔ مولانا بدرالدین اسحٰق نے آپ کے حکم کی تعمیل میں مستحق لوگوں میں روپیہ تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ تقسیم کر چکے تو چراغ اندر لائے تاکہ دیکھ سکیں کہ کوئی سکّہ تقسیم سے بچ تو نہیں گیا۔ آپ کو ایک سکّہ پڑا ملا۔ اسے آپ نے اپنی ٹوپی میں رکھ لیا کہ صبح کسی مستحق کو دے دیں گے۔ تھوڑی دیر بعد بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں عشاء کی نماز پڑھانے تشریف لائے۔ آپ نے تین بار تکبیر کہی اور پھر چھوڑ دیا۔ کوئی چیز آپ کے قلب پر بھاری بوجھ بن کر آپ کی توجّہ میں مخل ہو رہی تھی۔ بابا صاحبؒ نے پوچھا "مولانا! کیا آپ نے سارا روپیہ تقسیم کر دیا؟" مولانا بدرالدین اسحٰقؒ نے جواب دیا "جی حضور! سوائے ایک سکّہ کے جو بچ گیا ہے۔" بابا صاحبؒ نے وہ سکّہ لے کر دُور پھینک دیا اور پھر اطمینان سے نماز پڑھانے لگ پڑے۔ علی اصغر بیان کرتا ہے کہ بابا صاحبؒ تمام رات افسوس کرتے رہے کہ انہوں نے اس سکّہ کو ہاتھ کیوں لگایا تھا۔

اپنی وزارتِ عظمیٰ کے دوران بلبن کو تخت حاصل کرنے کی بہت فکر تھی۔ اس خواہش کو جو کہ اس کے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی پورا کرنے کے لیے وہ رُوحانی مدد کا خواہاں تھا اور اس کے لیے بابا صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس گیا۔ بابا صاحبؒ نے جن کے وجدان نے الغ خاں کے

---

[۱] فوائد الفواد ص: ۹۹، سیر الاولیاء ص: ۷۹ - ۸۰ -

دل کی بات معلوم کر لی تھی فوراً مندرجہ ذیل رُباعی پڑھی ؎

فریدوں فرخ فرشتہ نہ بود ــــــ زعود و زعنبر سرشتہ نہ بود
زداد و دہش یافت آں خسروی ــــــ تو داد و دہش کن فریدوں توئی

(خوش قسمت فریدوں کوئی فرشتہ نہ تھا اور نہ ہی اُس کی سرشت عود و عنبر سے بنائی گئی تھی۔ اس نے خسروی داد و دہش کی بدولت حاصل کی تو بھی داد و دہش سے کام لے کر فریدوں بن سکتا ہے)۔

کہا جاتا ہے کہ بلبن آپ کا بہت عقیدت مند تھا مگر بلبن کا ادب احترام یا خلوص بابا صاحبؒ کے بادشاہ کی طرف رویّہ میں کوئی تبدیلی نہ کر سکا۔ ایک دفعہ ایک مصیبت زدہ نے بابا صاحبؒ سے عرض کی کہ سلطان کے نام ایک سفارشی خط لکھ دیں لیکن آپ نے خط لکھنے سے گریز کیا۔ جب وہ شخص مُصر ہوا تو آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ اس کا دل توڑا جائے چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل عبارت لکھ دی:

رفعت قصتهٗ الی اللّٰہ ثم الیک فان اعطیته شیئاً فالمعطی ھو اللّٰہ وانت المشکور وان لم تعطه شیئاً فالمانع ھو اللّٰہ وانت المعذور[1]

(میں نے اس کا معاملہ پہلے اللہ تعالیٰ کو اور بعد ازاں تمہارے سپرد کیا۔ اگر تم اسے کچھ دو گے تو دراصل یہ عطیہ خداوندی ہوگا مگر اس کا اجر تمہیں ملے گا اور اگر تم اسے کچھ نہ دو گے تو دراصل رد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور تم اس معاملہ میں معذور ہو گے)۔

اس مختصر تحریر کے ہر لفظ سے وقار ٹپکتا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بابا صاحبؒ

---

[1] سیر الاولیاء ص: ۲۷

دُنیاوی حکّام کے سامنے دین اور تصوّف کے وقار کو کس طرح قائم رکھتے تھے۔

ایک مقبولِ عام مگر غلط روایت :

(علی اصغر چشتی کا بیان ہے کہ بابا صاحبؒ نے غیاث الدین بلبن کی ایک دُختر سے شادی کی تھی[1]۔ وُہ شادی، بادشاہ اور بابا صاحبؒ کے تعلقات کی ایک طویل داستان لکھتا ہے۔ بعد کے مُصنّفین بغیر تحقیق و تفتیش اس حکایت کو نقل کرتے چلے گئے اور اب خانوادہ فریدی میں اس حکایت کو ناقابلِ تردید واقعہ کی سند حاصل ہو چکی ہے۔ اس حکایت کے بے بُنیاد ہونے کی کئی وجُوہ ہیں :

اوّلاً : کوئی ہمعصر مؤرّخ اس کا ذکر نہیں کرتا۔ ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی کی کتنی ہی عبارتیں، ہیں جہاں توقّع کی جا سکتی ہے کہ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو برنی یہاں ضرور ذکر کرتے (مگر وہاں کوئی ذکر نہیں)۔ ثانیاً : سیر الاولیاء کا مُصنّف جو ایسے خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس کے بابا صاحبؒ کے ساتھ قریبی روابط تھے، ایسے واقعہ کا قطعاً ذکر نہیں کرتا اگرچہ اس نے بلبن کی بابا صاحبؒ سے عقیدت کے بارے میں چھوٹے سے چھوٹا واقعہ نہیں چھوڑا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس کو بیان نہ کرتا۔ فوائد الفواد، خیر المجالس اور احسن الاقوال میں بابا صاحبؒ کی زندگی کے بیشتر اہم واقعات کا ذکر مُوجود ہے۔ اگر ان میں کسی بات کا ذکر نہیں تو وہ بابا صاحبؒ کی سُلطان کی دُختر سے شادی ہے۔ ثالثاً : بابا صاحبؒ اپنے مُریدوں کو ہمیشہ بادشاہوں اور شہزادوں کی صُحبت سے دُور رہنے کی تلقین فرماتے اگر خود انہوں نے بادشاہ سے ناطہ جوڑا ہوتا تو وہ مُریدوں کو دُور رہنے کی تلقین کیونکر کر سکتے تھے۔ لہٰذا یہ حکایت قطعاً بے بُنیاد ہے جو بعد کے

---

[1] جواہر فریدی (مخطوطہ)۔

غیر محقق اور عقیدت مند اذہان نے گھڑ کر پھیلا دی۔

باباصاحبؒ اور شیر خاں :

"شیر خاں جو بلبن کا چچیرا بھائی تھا ملتان کا حاکم تھا وہ ایک لائق، مدبر اور بہادر سپاہی تھا اس نے اس ملک کی شمال مغربی سرحدوں کی تاریخ کے نہایت نازک دور میں حفاظت کی تھی۔ اسے باباصاحبؒ سے کوئی عقیدت نہ تھی بلکہ بعض اوقات آپ کے بارے میں بدکلامی سے کام لیتا۔ باباصاحبؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے ہے

افسوس کہ حالِ منت نیست خبر   آنکہ خبرت شود کہ افسوس خوری [1]

(افسوس تمہیں میرے حالات کی خبر نہیں۔ جب تمہیں علم ہوگا تو پھر تمہیں افسوس ہوگا)۔

سیر الاولیاء میں دیے گئے [illegible] صاحبؒ کے ملفوظات میں عامۃ الناس کے لئے بیشمار کام کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً سیاسی لوگوں کو آپ نصیحت فرماتے :

"ملک بوزیرِ خدا ترس ضبط کن"۔ [2]

(ملک کو ایک خدا سے ڈرنے والے وزیر کے حوالے کرو)۔

---

[1] فوائد الفواد، ص : ۲۲۱۔

[2] سیر الاولیاء : ص : ۷۷۔

باب : ۲۰

غیر مسلموں سے روابط

برِصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے آباد ہونے کے بعد مختلف ثقافتی اور تمدنی گروہوں کے مابین صلح جوئی اور آشتی نہ صرف اخلاقی اور عقلی تقاضا تھا بلکہ ایک فوری سماجی ضرورت تھی۔ فاتحین نے اپنی اخلاقی اور جسمانی خصوصیات کے بل پر اپنی سیاسی برتری قائم کر لی تھی مگر ان کے لئے حکومت چلانا بالکل ناممکن ہوتا اگر ان کی رعایا کی اکثریت نسلی، لسانی، مذہبی اور تمدنی لحاظ سے ان سے مختلف ہوتی۔ راسخ العقیدہ علمائے دین قدامت پرست اور رجعت پسند ہونے کی وجہ سے بدلے ہوئے حالات کا اندازہ نہ کر سکے اور نہ ہی انہوں نے وقت کی ضرورت کے مطابق اپنے مذہبی افکار کی نوک پلک درست کی۔ اس موقع پر مسلم صوفیا آگے بڑھے اور انہوں نے ایسی اتحاد آفریں کوششیں کیں جن سے برِصغیر پاک و ہند میں مختلف تمدنی گروہوں کے درمیان سماجی، اعتقادی اور لسانی اختلافات تحلیل ہو کر رہ گئے اور ایک مشترک تمدنی زاویہ نگاہ پیدا ہو گیا چونکہ یہ صوفیا ان کی خانقاہیں تھیں جہاں مختلف مذاہب رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے مختلف الخیال لوگ مل بیٹھتے اس لئے یہ تمدنی اتحاد کے مراکز بن گئیں جہاں خیالات کا تبادلہ آزادانہ طور پر ہوتا تھا اور اس تبادلہ کے لئے ایک نئی زبان نے جنم بھی لے لیا۔

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ برِصغیر پاک و ہند کے پہلے مسلم صوفی بزرگ ہیں جن کے ہندو مذہبی مفکرین سے روابط اور مذہبی بحثوں کے بارے میں ہمارے پاس ٹھوس اور صاف شہادت موجود ہے۔ آپ کے جماعت خانہ میں ہندو جوگی[۱] اکثر آیا کرتے تھے اور جماعت خانہ کے درویش ان سے

۱۔ لفظ جوگی یا یوگی سے مراد یوگا فلسفے کا طالب علم ہے۔ یہ فلسفہ سکھلاتا ہے کہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

بعض اوقات بڑے دلچسپ مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ بابا صاحبؒ کے جماعت خانہ میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی دو دفعہ ہندو جوگیوں سے ملاقات ہوئی[۱]۔ آپ نے اُن سے انسانی فطرت کی دو قوتوں یعنی رُوحانی اور حیوانی کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا۔ ہندو جوگیوں کے خیالات کو شیخ نظامُ الدین اولیاءؒ نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے[۲]۔ ایک دوسرے موقع پر ایک ہندو جوگی نے بابا صاحبؒ کے بیٹے بچوں کی پیدائش اور اُن کے کردار، میاں بیوی

(بقیہ گذشتہ صفحہ) کس طرح ایک آدمی حبسِ دم، ذہنی تجرید وغیرہ کرکے پیش گوئی اور باطنی بینائی وغیرہ کی مافوق الفطرت قوتیں حاصل کرسکتا ہے۔ یہ گی 'شوا' کی پرستش کرتے تھے اور اُن کے دو فرقے تھے، کن پھٹا یوگی جنہیں درشنی یوگی بھی کہا جاتا ہے اور اوگر یوگی۔ پہلے فرقہ کے یوگی اپنے کان چھید لیتے تھے اور اپنے مردوں کو بیٹھے ہوئے انداز میں دفن کرتے تھے۔ تفصیلات کے لئے دیکھیں؛ ولسن کی سیکٹس آف دی ہندوز ص: ۱۳۰ کا آخر، ابسٹن کی پنجاب کاسٹس ص: ۲۲۸ - ۲۳۵، بھٹاچاریہ کی ہندو کاسٹس اینڈ سیکٹس ص: ۳۷۱، ۳۹۹۔ ۴۰۰، ۴۳۶۔ پاکپتن میں اب کچھ یوگی کنبے پائے جاتے ہیں۔ پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹر جلد ۱۸ ا ب ص: ۲۹۔

---

۱ فوائدالفواد ص: ۸۴ - ۸۵ - ۲۴۴۔

۲ فوائدالفواد ص: ۸۴۔ ۸۵، شیخ نے حاضرین کو بتایا کہ میں ایک دفعہ اجودھن میں بابا صاحبؒ کی خدمت میں موجود تھا ایک جوگی آیا میں نے اس سے پُوچھا "آپ کا طریق کار کیا ہے اور آپ کے نظم وضبط میں اصل چیز کیا ہے"؟ جوگی نے جواب دیا: "ہمارا علم بتاتا ہے کہ انسانی نفس میں دو عالم ہیں۔ ایک عالمِ علوی اور دوسرا عالمِ سفلی۔ سر سے ناف تک عالمِ علوی ہوتا ہے اور ناف سے پاؤں تک عالمِ سفلی۔ ریاضت کا طریق یہ ہے کہ سچائی، پاکیزگی، اچھی عادات اور اچھے اعمال عالمِ علوی میں رہتے ہیں اور مشاہدہ، پاکیزگی اور عفت عالمِ سفلی میں"۔ میں نے اس کی گفتگو کو پسند کیا۔

کے تعلقات اور دوسرے موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔[1] بابا صاحبؒ سے ظاہر ہے کہ یہ بحث مباحثہ اُردو کی قدیم ترین شکل یعنی ہندوی میں ہوا کرتا ہوگا۔ ہمارے پاس اس بات کی ایک سے زائد شہادتیں موجود ہیں کہ بابا صاحبؒ ہندوی بھاشا میں کلام کرتے تھے۔[2] دراصل بابا فرید رحمہ اللہ کی خانقاہ اُردو زبان کا قدیم ترین گہوارہ تھی۔[3]

ہم شیخ فرید علیہ الرحمۃ کے حالات میں پہلی بار کافرانِ سیاہ پوش[4] کا ذکر پڑھتے ہیں۔

---

[1] فوائد الفواد ص : ۲۴۵۔

[2] سیر الاولیاء ص : ۱۸۳ - ۱۸۵ - ۱۹۴۔

[3] ملاحظہ ہو : "دی صوفیز ورک اِن دی ارلی ڈیولپمینٹ آف اردو لنگویج" از : ڈاکٹر مولوی عبد الحق ص : ۵ - ۷۔

[4] جب مسلمانوں کا سیاسی اقتدار افغانستان اور برصغیر پاک و ہند پر چھا گیا تو فتح کے اثرات بڑے دریاؤں اور شاہراہوں کے ساتھ ساتھ پھیلتے گئے مگر ہندوکش کی ناقابلِ حصول گھاٹیاں اس سے غیر متاثر رہیں۔ یہاں کے باشندے اپنے مذہب پر قائم رہے اور اردگرد کے مہذب مسلم علاقے میں ہندوکش کے سیاہ پوش کافر مشہور ہوئے۔ تیمور نے (۱۳۹۹ء) دو دفعہ اس علاقے کو اپنا باجگزار بنانے کی کوشش کی۔ سنبل کے قلعہ سے تھوڑی دور ایک سنگِ مرمر کا ستون ہے جو تیمور کی سیاہ پوش کافروں پر فتح منانے کی یادگار ہے۔ احمد شاہ نے افغانستان کو متحد کیا۔ دوست محمد نے پرانا بخارا فتح کر کے اپنا کام مکمل کیا مگر کافرستان عملی طور پر آزاد رہا۔ ۱۸۹۶ء میں امیر عبد الرحمٰن نے ان کے خلاف فوج کشی کی۔ الیگزانڈر برنز ان کے بارے میں ۱۹۳۸ء میں لکھتا ہے "میں نے ان کو سیاہ اور سفید کافروں میں تمیز کرتے نہیں سُنا اور میرے ایک کافر مخبر نے مجھے بتایا کہ اس کا قبیلہ ان سب کو بھائی سمجھتا ہے جو لنگوٹیاں پہنتے اور شراب پیتے ہیں۔ ان کی کوئی کتابیں نہیں اور وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے"۔ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۷، ص : ۳۲۶ (باقی آئندہ صفحہ پر)

احسن الاقوال میں شیخ برہان الدین غریب کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ کفار مسلمانوں کا بھیس بدل کر آپ کے پاس آتے۔ باباصاحبؒ نے انہیں خوش آمدید کہا تاہم آپ ان کی چال سمجھ گئے۔ آپ نے ایک خادم سے کہا کہ ان کے گرُو کو ایک کمرہ میں لے جا کر بند کردے اور باقیوں کو روٹی پانی دے دے۔ تین دن بعد باباصاحبؒ گرو کے کمرہ میں گئے اور اُس سے کہا " اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا"۔ جماعت خانہ کے لوگوں کو باباصاحبؒ کی یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوئی ہوگی کیونکہ وہ شخص تو پہلے ہی سے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) سر جی۔ سی رابرٹسن مندرجہ ذیل اطلاع فراہم کرتا ہے:

" کافرستان کی پرانی تقسیم یعنی سیاہ پوش کا علاقہ اور سفید پوش کا علاقہ آسانی کے لئے تو ٹھیک ہے مگر علمی طور پر درست نہیں۔ سیاہ پوش جو کالے کپڑے پہنتے ہیں کئی قبیلوں پر مشتمل ہیں جن میں بعض ایک دوسرے سے صدیوں سے برسرپیکار ہیں مگر اس کے باوجود کپڑوں کی مشابہت کے علاوہ ان میں اور قدریں مشترک ہیں۔ وہ سب ایک زبان نہیں بولتے مگر یہ فرق زبان کا نہیں بلکہ لہجے کا ہے۔ ان کی ایک آسان سی تقسیم یہ ہے: (۱) سیاہ پوش۔ (۲) وئیگلیز (۳) پرسنگیز یا وران۔" ص: ۷۴-۷۵۔ سیاہ پوش کافروں کے بارے میں دلچسپ معلومات کے لئے دیکھیں 'دی کافرز آف دی ہندوکش' از سر جارج سکاٹ رابرٹسن (لندن ۱۹۰۰)۔ اے برنز کا مقالہ "سیاہ پوش کافروں کے بارے میں بمعہ ان کی زبان اور لباس کے نمونوں کے" (جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۳۸۔ ص: ۳۲۶-۳۳۳) 'افغانستان اور اس کا سابقہ امیر' شائع شدہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی فار انڈیا (لندن اور مدراس ۱۹۰۲) ص: ۱۲-۱۳۔ رالف ہینکل کا مقالہ 'کافرستان کے چوبی مجسمے' (جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۱۶ نمبر ۱، ۱۹۵۰ ص: ۶۵-۷۲)، مارگیسنٹرن کی 'رپورٹ آن اے لنگوسٹک مشن ٹو افغانستان (سٹاک ہالم ۱۹۳۵)۔

اپنے آپ کو مسلمان بتاتا تھا۔ گرو نے اسلام قبول کرنا منظور کر لیا۔ جب وہ باہر آیا تو اس نے مسلمان فقیروں کے خرقہ کے نیچے ہندوؤں کا جینو پہنا ہوا تھا اس نے کہا کہ وہ بیس سال تک خراسان اور برِ عظیم پاک و ہند میں مسلمان صوفیاء کے لنگروں میں پھرتا رہا مگر اسے کوئی نہ پہچان سکا۔[1]

بابا صاحبؒ اور ہندوؤں کا قبولِ اسلام :

کیا بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا؟ پروفیسر محمد حبیب نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کو مسلمان کرنا چشتیہ سلسلہ کے صوفیاء کے مشن کا حصہ نہ تھا۔[2] وہ لکھتے ہیں کہ قدیم ترین ماخذوں (از قسم ملفوظات اور مکتوبات) میں کسی ہندو کے مسلمان ہونے کا ذکر نہیں، یہاں تک بات درست ہے لیکن پنجاب کے بعض قبائل کی روایات ناقابلِ تردید ہیں اور وہ قبائل دعویٰ[3] کرتے ہیں اور سینکڑوں سال سے کرتے رہے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد نے بابا صاحبؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ جب تک ٹھوس تاریخی شہادت اس کے خلاف نہیں پائی جاتی ان کا یہ دعویٰ قائم رہے گا۔

مندرجہ ذیل قبائل جو پاک پتن شریف اور اس کے گرد و نواح میں رہتے ہیں دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں بابا صاحبؒ نے مسلمان کیا تھا :

۱ : سیال، ۲ : سرہنگ والیاں، ۳ : بہلیاں، ۴ : ادھاکان، ۵ : جھکڑ ملوالیاں، ۶ : بکن، ۷ : ہکن، ۸ : بسیاں، ۹ : کھوکھران،

---

[1] احسن الاقوال (مخطوطہ)۔

[2] اسلامک کلچر اپریل ۱۹۴۶ء ص : ۱۴۰۔

[3] جواہر فریدی کا آخری حصہ دیکھیں۔

۱۰ : ڈھڈیاں، ۱۱ : ڈوبیاں[1]

سیال قبیلہ پنجاب کے نہایت اہم قبائل میں سے ایک ہے۔ سٹیڈمین کے بقول ضلع جھنگ کی جدید تاریخ قوم سیال کی تاریخ ہے۔ اس قبیلہ کے سابقہ حالات کے بارے میں وہ رقمطراز ہے :

"سیال رائے شنکر کی اولاد ہیں جو کہ پنوار راجپوت تھا اور شمالاً گنگ میں جو اللہ آباد اور فتح پور کے مابین تھا رہا کرتا تھا۔ پنواروں کی ایک شاخ پہلے اپنے وطن مالوف سے ہجرت کرکے جونپور چلی گئی جہاں رائے شنکر پیدا ہوا۔"

ایک روایت کے مطابق رائے شنکر کے تین بیٹے تھے : سیو، ٹیو، گھیو جن کی اولاد جھنگ کے سیال شاہ پور کے ٹوانے اور پنڈی گھیپ کے گھیبے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق سیال رائے شنکر کا اکلوتا بیٹا تھا اور ٹوانوں اور گھیبوں کے آباء واجداد شنکر اور سیال کے ہمجد تھے۔ رائے شنکر کی وفات کے بعد اس کے افراد کنبہ کے درمیان بڑے جھگڑے پیدا ہو گئے اور اس کا لڑکا سیال علاؤالدین غوری (؟) کے عہد میں پنجاب ہجرت کر گیا ان دنوں بہت سے راجپوت کنبے برِّ اعظم پاک و ہند کے مختلف صوبوں سے پنجاب ہجرت کر گئے۔ ان میں کھرل، ٹوانے، گھیبے، چدڑھر اور پنوار سیال شامل تھے۔ اس زمانے میں ایک رواج سا بن گیا تھا کہ پاک پتن کے بابا فریدؒ کے فصیح و بلیغ ارشادات سے متاثر ہو کر لوگ اسلام قبول کر لیتے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سیال پھرتے پھراتے پاکپتن میں آگئے تو وہاں انہوں نے اپنے آباء کے دین کو ترک کر دیا اور اسلام قبول کر لیا[2]۔ سرہنگ والیاں کے

---

[1] ان قبائل کا ذکر مصنّفِ جواہرِ فریدی نے کیا ہے۔

[2] سٹیڈمین کی جھنگ سیٹلمنٹ رپورٹ ص : ۲۴۴۔ نیز دیکھیں الیسٹن کی (باقی آئندہ صفحہ پر)

متعلق کوئی قطعی معلومات میسر نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سرہنگا جس کی بابا صاحبؒ سے عقیدت
کا ذکر آچکا ہے سے تعلقدار ہوں۔ کھوکھر[1]، ڈھڈی اور ڈوبے پنجاب کے اہم قبائل تھے۔
کھوکھر عام طور پر راجپوت سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کی اکثریت چناب اور جہلم کی وادیوں میں خاص کر
جھنگ اور شاہ پور کے اضلاع میں آباد ہے۔[2] ڈھڈی ایک چھوٹا سا پنوار قبیلہ ہے جو
اپنے راٹھور رشتہ داروں کے ہمراہ ستلج اور چناب کے ساتھ ساتھ بکھرا پڑا پایا جاتا ہے
ان کا اصل وطن تحصیل میلسی ضلع ملتان تھا۔[3] ڈوبے عام طور پر جھنوار اور ماچھی ذات سے
تعلق رکھتے ہیں اور اکثر ماہی گیری اور غوطہ خوری اور کنویں صاف کرنے کا کام کرتے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) پنجاب کاسٹس ص: ۱۴۷، ۱۴۸ لیپل گرفن کی پنجاب چیفس ص:
۵۰۲ کا آخری حصہ۔ سیال قبیلے کے مسلمان ہونے کے بارے میں دیکھیں "پنجاب کاسٹس"
جلد دوم، ص: ۲۰۷۔

۱؎ ملاحظہ ہو سابقہ ص: ۸۳۔

۲؎ پنجاب کاسٹس ص: ۱۷۲ - ۱۷۳ فرشتہ (جلد اوّل ص ۵۹ - ۶۰) کہتا
ہے کہ کھوکھر قبیلے کو سلطان شہاب الدین غوری نے مسلمان کیا تھا۔ غالباً اس قبیلہ کے کچھ لوگوں کو
مسلمان کیا تھا۔ بابا صاحبؒ نے بھی قبیلہ کے ایک حصّہ کو مسلمان کیا ہو گا کیونکہ اس قبیلہ کے لوگ
اب بھی دو مذہبوں میں بٹے ہوتے ہیں۔ دیکھیں پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ ص: ۲۵۷،
۲۵۸۔ ۱۹۱۱ء مسلمان کھوکھروں کی تعداد ضلع منٹگمری (موجودہ ساہیوال) ۸۰۰۲ تھی یہ
وہ علاقہ ہے جہاں بابا صاحبؒ کا بہت اثر و رسوخ تھا (پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹر جلد نمبر ۱۸ اے،
۱۹۱۴ء ص: ۳۲۔

۳؎ پنجاب کاسٹس ص: ۱۴۷ ڈھڈی مسلمانوں کی ضلع منٹگمری میں کل تعداد ۷۶۸ تھی ان میں سے ۶۴۱
پاک پٹن میں رہتے تھے (پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹر جلد ۱۸ اے، ۱۹۱۳ ص: ۳۲)۔

ہیں ۔ جھبکڑ بھی ایک چھوٹی ذات ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم پائے جاتے ہیں ۔[۱]
بابا صاحبؒ کے عرس پر چند رسومات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نو مسلم قبیلوں کو بابا صاحبؒ
سے کتنی عقیدت تھی ، "جلا" (چھوٹی سی روٹی پر حلوہ) کی تقسیم کی رسم اس موقع کی یاد
کو تازہ کرتی ہے جب جلہورہ جو ذات کا ماہی گیر تھا بابا صاحب کا مرید ہوا ۔ ماچھی ذات
کی عورتیں "جلا" تیار کرتی ہیں ۔

---

[۱] پنجاب کاسٹس ص : ۲۶۴ نیز پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹر جلد ۱۸ اب ص : ۳۳ ۔

[۲] ملاحظہ ہو : پیر سید امام علی شاہ کا چھوٹا سا کتابچہ بابت رسوماتِ عرس بر مزار بابا فرید صاحبؒ جو ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا ۔

باب : ۲۱

جائزہ

البدر یطلع من فریدجبینه
والشمس تغرب فی شقائق خده
ملك الجمال باسره فکانما
حسن البریة کله من عنده[1]

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۵ء میں واصل بحق ہوئے آپ کی وفات کے بعد ۷۰۰ سال تک برصغیر پاک و ہند نے بے شمار سیاسی انقلاب دیکھے لاتعداد حکمران تاریخ کے سٹیج پر آئے اور چلتے بنے۔ سلطنتیں قائم ہوئیں اور پھر مٹ گئیں۔ مختلف تہذیبیں نمودار ہوئیں اور پھر ختم ہو گئیں مگر ان تمام گوناگوں انقلابات کے دوران بابا صاحبؒ کا روضہ عامۃ الناس کی عقیدت، محبت اور خلوص کا مرکز بنا رہا حتیٰ کہ تیمور نے بھی جس نے برعظیم پاک و ہند پر اپنی طوفانی یورش کے دوران ہر شہر و قریہ کو تہ تیغ کر دیا تھا اجودھن کو چھوڑ دیا اور اپنی تلوار نیام میں ڈال کر بڑے ادب و احترام سے حضرت بابا فرید گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ بابا صاحبؒ کے بعد آنے والی نسلوں

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص: ۵۸ یہ اشعار ایک پرانے قصیدہ سے لئے گئے ہیں جو بابا صاحبؒ کی مدح میں لکھا گیا تھا (بابا فرید کی پیشانی سے چودھویں کا چاند نمودار ہوتا ہے اور آپ کے چہرے کی سرخی میں سورج غروب ہوتا ہے۔ وہ حسن کے بادشاہ ہیں، ساری کائنات ان سے حسن حاصل کرتی ہے)۔

نے بابا صاحبؒ کا نام ہمیشہ عقیدت و احترام سے لیا۔[1] کیا ہندو[2]، کیا مسلمان اور کیا سکھ[3]۔ سب آپ کا انتہائی احترام کرتے ہیں۔ سیاحوں[4]، بزرگوں[5]، بادشاہوں[6] کے حالات بابا صاحبؒ کے مزار پہ باادب حاضری کے تذکروں سے پُر ہیں۔

جب تک بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ زندہ رہے آپ لوگوں کے مرجعِ قلوب رہے۔ دُور دراز سے لوگ آپ کے پاس آتے اور آپ کی رُوحانی نوازشوں میں سکون و طمانیت کی روشنی سے مستفید ہوتے۔ ہم بابا صاحبؒ کی خانقاہ میں خراسان[7]، جرجان[8]، دہلی[9]، اوچ[10]، ناگور[11]

۱۔ تاریخ فرشتہ جلد اول، ص: ۱۵۶۔

۲۔ فرید کوٹ کا قصبہ آپ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ دیکھیں ایم۔ لانگ ورتھ ڈیم کا مقالہ "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" نیو جلد دوم ص: ۶۷۔

۳۔ منشی موہن لال نے ۱۸۳۶ء میں آپ کے بارے میں لکھا: اس ملک کے ہندو آپ کو رشی سمجھتے تھے اور آپ کے مزار کا مسلمانوں کی طرح احترام کرتے تھے۔

۴۔ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۳۸ - ۱۹۳۹۔

۵۔ رحلہ ابن بطوطہ جلد دوم ص: ۱۳ - ۱۴، جرنل آف کیپٹن ویڈز۔ فراتج جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۹۳۷، ص: ۱۹۲ - ۱۹۳۔

۶۔ فوائد الفواد ص: ۷۵ - ۱۷۳، تکملہ سیر الاولیاء ص: ۱۱۲۔

۷۔ سیر الاولیاء ص: ۶۳ - ۶۴۔

۸۔ سیدی مولیٰ جرجان سے بابا صاحبؒ کو ملنے آئے۔

۹۔ فوائد الفواد ص: ۲۱۹۔

۱۰۔ سیر الاولیاء ص: ۸۱۔

۱۱۔ فوائد الفواد ص: ۱۸۸ - ۱۸۹۔

ملتان[1]، اجمیر[2]، بہار[3] اور لکھنوتی[4] سے آئے ہوئے لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء[5] ہمیں بتلاتے ہیں کہ بابا صاحبؒ کی خانقاہ کا دروازہ رات کے بارہ[6] بجے تک کھلا رہتا تھا اور وہاں ان گنت مہمان آیا کرتے تھے جن میں ہر قسم کے لوگ، وزراء، ملک، فوجی، صوفیا، تاجر اور علماء وغیرہ شامل ہوتے۔ جتنا کوئی آپ کو زیادہ قریب سے جانتا اتنا ہی آپ سے زیادہ محبت کرتا۔ آپ کی سرگرم، مشفق اور دلکش شخصیت ہر اس شخص کے اندر جو آپ کے قریب آتا اعلیٰ مقاصد کے لئے ایک جذبہ پیدا کرتی۔ بہرحال تاجر اور ملک مزاج عالم سب آپ کی شیریں بیانی اور کردار کی شگفتگی سے ایک جیسے متاثر ہوتے۔

آج اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اپنے وقت میں بابا صاحبؒ اپنے مریدوں کے قریب کتنے محبوب و محترم تھے[7]۔ وہ دور دراز گوشوں سے اپنے مرشد کے قدموں میں روحانی مسرت و شادمانی کے چند دن گزارنے آتے اور جب ان کو واپس گھر جانے کا خیال آتا تو ان کے دل پھٹ جاتے تھے۔ بابا صاحبؒ اپنے مریدوں کے لئے اخلاق اور روحانی کاملیت کا نمونہ تھے۔ ان کے مرید ان کے ہر لفظ اور ہر عمل کو بغور دیکھتے اور پھر

---

1. فوائد الفواد ص: ۲۱۵۔
2. ایضاً ص: ۲۳۸۔
3. ایضاً ص: ۵۷۔
4. سیر الاولیاء ص: ۳۳۵۔
5. فوائد الفواد ص: ۴۷؛ سیر الاولیاء ص: ۶۴۔
6. شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو جو آپ سے محبت تھی اس کے لئے دیکھیں فوائد الفواد ص: ۱۴۹۔ نیز وہ اشعار بھی دیکھیں جو آپ نے بابا صاحبؒ کی مدح میں لکھے جن کا ذکر شیخ عبدالواحد ابراہیم نے سبع سنابل میں ص: ۵۷ پر
7. فوائد الفواد ص: ۱۵۶ - ۱۵۷۔

اپنی اپنی ہمت کے مطابق اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے۔
مُریدوں کے علاوہ بابا صاحبؒ کے ہمعصر مشاہیر صُوفیاء بھی آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ تو بابا صاحبؒ کے منظورِ نظر مُرید شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے بدلے میں اپنے تمام مُرید تبادلہ کرنے کو تیار تھے۔ ایک دفعہ شیخ بدرالدین غزنوی نے آپ کو خط لکھا:

دریغا خاطرم گر جمع بودی ... بدیشش کردمی گوہر فشانی
فریدالدین وملت یار بہتر ... کہ بادش در کرامت زندگانی[۳]

(بیشک میرے دل کو اگر صبر و قرار ہوتا تو میں ان کے موتی نچھاور کرتا۔ فریدالدین وملت بہت بڑے دوست ہیں۔ خدا کرے کہ وہ زندگی بھر رُوحانی فیوض و برکات نچھاور کرتے رہیں)۔
بابا صاحبؒ کی رُوحانی عظمت و شہرت کا نتیجہ تھا کہ برّصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ

---

[۱] قاضی حمیدالدین ناگوری علیہ الرحمۃ جو ایک جید عالم اور معزز درویش تھے، بنے بابا صاحبؒ سے یوں خطاب کیا: "فقیر حقیر ضعیف و نحیف محمد عطا کہ بندۂ درویشاں است و از سر و دیدہ خاک قدم ایشاں"۔ فوائدالفواد ص: ۱۵۰۔ اللہ دیا (سیرالاقطاب کے ص: ۱۷۲) پر کہتا ہے کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو فریدالدین نام خواجہ فریدالدین عطارؒ نے دیا تھا۔ کسی قدیم ماخذ نے اس کا حوالہ نہیں دیا اور یہ دیکھتے ہوئے کہ بابا فریدؒ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور خواجہ فریدالدین عطارؒ کبھی برصغیر پاک و ہند میں نہیں آئے تھے اس کہانی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

[۲] گلزار ابرار (مخطوطہ)۔

[۳] فوائدالفواد ص: ۱۵۰۔

کے بانی کے پوتے خواجہ وجیہہ الدین نے آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کی[1]۔ سلطان ناصر الدین محمود (۱۲۱۶ء - ۱۲۶۶ء) کے عہد میں بابا صاحبؒ پورے برِّ صغیر پاک و ہند کی نمایاں ترین شخصیت تھے۔ ان کی عظمت و ہر دلعزیزی کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو امیر حسن نے بیان کیا ہے:

"ماہِ شوّال ۶۵۱ھ میں سلطان ناصر الدین اُچ اور مُلتان کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ میں اس کی فوج نے بابا صاحبؒ کو سلام کرنا چاہا۔ جب فوج شہر میں گھسی تو اجودھن کے تمام بازار اور گلیاں ہجوم سے مسدود ہو گئے۔ اب بابا صاحبؒ سے کیسے ملاقات کی جاتی۔ ایک بڑی شاہراہ پر بابا صاحبؒ کے بازو کی ایک آستین لٹکا دی گئی۔ انسانوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ بے پناہ ہجوم کی وجہ سے آستین تار تار ہو گئی۔ خود بابا صاحبؒ کے گرداگرد ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے۔ آپ نے مُریدوں سے کہا کہ انہیں گھیرے میں لے لیں تاکہ ان لوگوں سے بچ سکیں جو جوش و خروش سے آپ کی جانب گھسے چلے آ رہے تھے مگر ایک بوڑھے فراش نے جس کی دُور سے تسلّی نہیں ہوئی تھی اس گھیرے کو توڑ ڈالا اور بابا صاحبؒ کے قدموں میں گر پڑا اور پاؤں کو اپنی طرف کھینچ کر چُوم کر چلّا اٹھا "شیخ فرید آپ تنگی محسوس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے انعام کا شکر ادا نہیں کرتے" بابا صاحبؒ کے آنسو نکل پڑے آپ نے فراش کی نصیحت پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس سے معافی مانگی[2]"

---

[1] فوائد الفواد ص: ۲۳۸۔

[2] فوائد الفواد ص: ۱۴۵ - ۱۴۶ - جب اپنے مُرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (باقی آئندہ صفحہ پر)

بابافرید رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت ایک محبت بھرے دل کی عظمت تھی۔ دن رات پریشان حال مخلوق خدا کے مسائل حل کرنے میں لگے رہتے۔ ان کے زخموں پر مرہم لگاتے، ان کی ہمت بندھاتے اور ان کے شکستہ دلوں میں نئی رُوح اور اعتماد پھونک دیتے۔ آپ کی شفقت ان کے اندر وہ جرأت پیدا کر دیتی جس کی آفاتِ زندگی سے مقابلہ کرنے کے لئے انہیں ضرورت ہوتی۔ جو مسائل وہ لے کر آتے وہ ایک دُوسرے سے انتہائی مختلف ہوتے۔ کوئی کہتا میری بہت سی لڑکیاں ہیں مگر ان کی شادی کے لئے میرے پاس کچھ نہیں۔ دُوسرا کہتا میرا بھائی سخت بیمار ہے ممکن ہے وہ اس دَوران فوت ہو چکا ہو۔ تیسرا کہتا میرا حاکم بہت سختی کرتا ہے۔ باباصاحبؒ ہر شخص کی دلداری کرتے۔[1]

(بقیہ گزشتہ) کی وفات کے بعد باباصاحبؒ جب دہلی گئے تو دوستوں اور ملنے والوں کا ایک ہجوم اُمڈ آیا۔ صبح سے رات گئے تک آپ زائرین سے ملتے رہتے اور اُن کی دعوتیں قبول کرتے رہے۔ آپ کو جمعہ کی نماز کے لئے وقت سے کافی دیر پہلے چلنا پڑا کیونکہ راستہ میں عقیدت مندوں کے ہجوم کے باعث مسجد میں نماز کے وقت پر پہنچنا مشکل تھا۔ جونہی آپ گھر سے نکلے لوگ والہانہ آپ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے آپ کے ہاتھوں کو چوما اور آپ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ جُونہی آپ اس گھیرے سے نکلے کہ ایک اور گروہ نے گھیرا ڈال لیا۔ آپ ایک گھیرے سے نکل کر دوسرے میں پھنس جاتے اور ایسا بار بار ہوتا رہا حتیٰ کہ آپ تھک ٹوٹ کر مسجد پہنچے۔ ایک روز آپ ان لوگوں کو ناراض ہوئے جنہوں نے آپ کو مسجد جاتے ہوئے راستہ میں گھیر لیا تھا۔ ایک مُرید نے عرض کیا "یہ اللہ کا انعام ہے آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں"۔ (فوائدالفواد ص: ۱۴۵)۔

---

[1] فوائدالفواد ص: ۱۴۷۔

[2] قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کے پوتے شرف الدین ناگور سے اجودھن پہنچے تاکہ باباصاحبؒ سے درخواست کریں کہ وہ انہیں بیعت کر لیں۔ ان کی لونڈی نے جسے انہوں نے (باقی آئندہ صفحہ پر)

بابا صاحبؒ نے مخلوقِ خدا کو گناہ اور توہم پرستی کی گھناؤنی دلدل سے نکالنے کا زبردست کام اپنے آپ کو تفویض کر رکھا تھا اور اس کام کو وہ غیر معمولی جوش اور یکسوئی سے کر رہے تھے۔ صبح سے آدھی رات تک آپ کی خانقاہ میں مہمانوں کا ایک سیلاب آیا رہتا۔ آپ سب کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہتے اور ان مہمانوں سے کبھی تنگدل نہ ہوتے جو اپنے مصائب کی حکایات آپ کے پاس لے کر آتے۔

[بابا صاحبؒ ان اخلاقی اصولوں اور احکام کے زندہ پیکر تھے جو وہ اپنے مریدوں کو سکھاتے تھے۔ ہر اخلاقی اصول جو بابا صاحبؒ بیان کرتے اس کی پشت پر بابا صاحبؒ کی عملی مثال موجود ہوتی لہٰذا آپ کے ارشادات اور وعظ و نصیحت کی اثر پذیری کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا بابا صاحبؒ طعن آمیز بحث مباحثہ ناپسند فرماتے تھے۔ آپ کا صاف، کھرا اور واضح بیان کسی بحث کی گنجائش نہیں چھوڑتا تھا۔ وہ ہر مسئلہ کی تہہ تک پہنچتے اور جب وہ اپنی وضاحت بیان کر چکتے تو آپ کا مدِ مقابل آپ کی بات کا قائل ہو چکا ہوتا۔ بابا صاحبؒ کے زورِ بیان کے سامنے گستاخ اور کتاب پرست علماء مسحور ہو کر رہ جاتے۔]

بابا صاحبؒ کے دل و دماغ کی ان سب خوبیوں سے آراستہ تھے جو ایک تنظیم کو چلانے کے لئے ازبس ضروری ہوتی ہیں۔ فطرتِ انسانی کا عمیق فہم، واضح تفکر اور وجدانی سمجھ بوجھ، کسی مرید کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے میں انہیں کبھی ٹھوکر نہیں لگی۔ آپ ہمیشہ

(بقیہ گذشتہ صفحہ) ایک سوٹنکوں میں خریدا تھا ایک رومال دیا کہ یہ اس کی طرف سے بابا صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ جب شرف الدین نے یہ تحفہ بابا صاحبؒ کے سامنے رکھا تو آپ نے فرمایا "خدا ایش آزادی دہد"۔ (خدائے تعالیٰ اُسے آزاد کرے)۔ بابا صاحبؒ کے الفاظ پر شرف الدین سوچ میں پڑ گئے اور بڑی سوچ بچار کے بعد آپ نے اس لونڈی کو آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ فوائد الفواد ص: ۱۸۸-۱۸۹۔

مشکل ترین کاموں کے لئے بہترین آدمیوں کا چناؤ کرتے۔ جب شیخ نظام الدین اولیاء اجودھن آپ کو سلام کرنے گئے تو اُس وقت آپ کی عمر نوّے برس کی تھی مگر آپ کے دماغی اور جسمانی اعضاء پوری طرح چاق و چوبند تھے۔ آپ کے اردگرد بہت سے مرید بیٹھے تھے جن میں سے بعض بوڑھے اور تجربہ کار تھے مگر آپ نے نئے آنیوالے ایک نوجوان کو اپنی جانشینی کے لئے چنا۔ کون اعتراض کرسکتا تھا کہ یہ چناؤ عین صواب نہ تھا۔

(بابا صاحبؒ نے اپنی طویل عمر انتہائی تنگدستی میں کاٹی میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہنے وہ ایک گرتے ہوتے مٹی کے مکان میں رہتے تھے مگر اپنے فقر پر نازاں تھے۔ اگر آپ چاہتے تو دولت و ثروت کی زندگی گذار سکتے تھے۔ حکام وقت جاگیریں دینے کے لئے ہر وقت حاضر تھے مگر باباصاحبؒ نے فاقہ مستی کو ترجیح دی جو کہ تصوّف کی اعلیٰ روایات کے مطابق تھی مگر یہ گوارا نہ کیا کہ حکام کے مزاجوں سے موافقت اور سیاسی خوشامد کرکے اپنے آپکو اپنے مرتبہ سے گرائیں۔ مسلسل فاقہ کشی کی وجہ سے بعض اوقات آپ کے بچوں کی حالت موت کے منہ تک پہنچ جاتی مگر باباصاحبؒ جن کے اعصاب فولاد کے بنے ہوتے تھے ایک چٹان کی طرح مضبوط رہتے اور طوفان اُن کے اردگرد ٹھاٹھیں مارتا ہوا گذر جاتا)

باباصاحبؒ کس قسم کا سماجی نظام قائم کرنا چاہتے تھے؟ آپ کے جماعت خانہ سے آپکے سماجی مقاصد کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ جماعت خانہ کے ہر فرد کو کام کرنا ہوتا تھا۔ اور اسکے چلانے میں اپنے حصے کی محنت کرنا ہوتی تھی۔ جب کبھی کھانا میسّر ہوتا تو ہر شخص کو برابر حصہ ملتا کسی کے لئے نہ خاص کھانا پکتا نہ کسی سے امتیازی سلوک ہوتا۔ جملہ درویش ایک بڑے کمرہ میں رہتے۔ مطالعہ کرتے، سوتے اور عبادت کرتے۔ جماعت خانہ میں کسی قسم کے امتیاز حتیٰ کہ تقویٰ کی بنا پر بھی تخصیص کی اجازت نہ تھی۔ اگر آسائش ہوتی تو سب کے لئے مشترک اور اگر تنگی ترشی ہوتی تو بھی سب کے لئے مشترک۔ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ یہ بلبن کا عہد تھا جب انسان اور انسان کے درمیان وحشت انگیز امتیاز برتا جاتا تھا۔ ترکی اُمراء عیش و عشرت

کی زندگی بسر کرتے تھے اور وسعت پذیر شہنشاہیت کے جملہ فوائد سے لطف اندوز ہوتے تھے جبکہ عامۃُ الناس کو دو وقت کی روٹی کے لئے بھی مسلسل محنت و مشقت کرنا پڑتی سلطان نے اپنے آپ کو اس قدر الگ تھلگ کر لیا ہوا تھا کہ اس سے ملاقات کرنا لانا تھا جوئے شیر کا[1] جیسا کہ حضرت امیر خسرو نے فرمایا[2] ؎

عرض وراۓ امکاں چہ خیال فاسد است ایں
ہوس جمالِ سلطان بدل گدا نشستہ

(سلطان کو گھٹیا اور غیر معروف نسب کے آدمیوں سے اس قدر نفرت تھی کہ اس نے ایسے تمام آدمیوں کو بے پروا ہو کر سرکاری ملازمتوں سے نکال دیا تھا[3] یہ طرزِ فکر بابا فرید صاحبؒ کے طرزِ فکر سے کس قدر مختلف تھا۔ بابا صاحبؒ کے لئے تمام انسان برابر تھے جو کہ ایک ہی مٹی سے بنے ہوئے تھے خواہ ان کی نسل، ملک، رنگ، اور مرتبہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ بابا صاحبؒ کا جماعت خانہ سلطنتِ دہلی کے اندر واقع تھا مگر وہ سلطنتِ دہلی کا حصہ نہ تھا۔ اس وقت تمام برِّ صغیر پاک و ہند میں جماعت خانہ ہی وہ واحد جگہ تھی جہاں شاہ و گدا کا ایک ہی طرح استقبال کیا جاتا تھا۔ درباری زندگی کی نجاست عبادت خانہ کی روحانی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی برنی ص : ۲۹-۳۳، دہلی کے ایک دولت مند سوداگر نے سلطان سے ملاقات کے عوض اپنی ساری دولت پیش کرنے کی پیشکش کی مگر اس کی درخواست نامنظور رہی۔

[2] یہ شعر غرۃ الکمال میں پایا جاتا ہے۔ (دیکھیں دیوان امیر خسرو ص : ۴۰۶) یہ شعر اس وقت کہا گیا جب کہ بلبن کی یاد ابھی شاعر کے ذہن میں تازہ تھی۔

[3] تاریخ فیروز شاہی، ص : ۳۶-۳۷، بلبن نے اپنے وزیر اعظم کو سرزنش کی اور حکم دیا کہ اس کے نسب کی تحقیق کی جائے کیونکہ اس نے ایک غیر معروف نسب والے شخص کی امداد صرف اس کے تجربہ اور قابلیت کی بنا پر کی تھی۔

سنجیدگی اور غیر طبقاتی فضا کو چھو کر بھی نہ گزری تھی۔ جنگ و جدل سے بھرپور دنیا میں جماعت خانہ اُنس و محبت کا ایک نخلستان تھا۔ بابا صاحب جو اس جماعت خانہ کے سربراہ تھے وہ نیچلی ذات کے لوگوں، مظلوموں، عاجزوں اور حقارت شدہ لوگوں کے لئے قوت کا ایک مینار تھے اور کشمکشِ حیات کے تھپیڑوں میں نہ صرف ان کی ہمت بندھاتے بلکہ اس سے نبرد آزما ہونے کا عزم بھی پیدا کرتے :

"اگرچہ تھکا دینے والی کشمکشِ حیات میں بدقسمتی کا مقدر نہیں معلوم ہی ہو اور تمہارا کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو پھر بھی مغموم ہو کر غرق ہونا قبول مت کرو۔"

بابا صاحبؒ نوعِ انسانی کی بے غرض خدمت، فقر و فاقہ اور انسان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے ذوق و شوق کی روایات کے پیشِ نظر تمام انسانوں کے لئے ہمیشہ ایک نمونۂ عمل رہیں گے۔ شیلے کے الفاظ میں :

"اُن کی تقدیر اور شہرت ابدالآباد تک ایک آوازِ بازگشت اور روشنی کا کام دیں گی۔"

ضمیمہ : ۱

گنجِ شکر کی وجہِ تسمیہ

فوائد الفواد میں جو کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے بابا صاحب کا حوالہ کم از کم ایک سو بار دیا ہے۔ حیرت ہے کہ آپ نے کسی جگہ بھی بابا صاحبؒ کو گنجِ شکر کے نام سے یاد نہیں کیا۔ بعد کے "تذکرے" اکثر بابا صاحبؒ کو گنجشکر کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس نام کی متعدد وجوہات بیان کرتے ہیں :

۱ : سیر الاولیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ بابا صاحبؒ کو گنج شکر یا شکر بار اس لئے کہتے ہیں کہ جب آپ نے مسلسل فاقہ کشی کرنے کے بعد بھوک سے تنگ آ کر چند سنگ ریزے منہ میں ڈال لیے تھے تو وہ شکر کی ڈلیاں بن گئے تھے۔

۲ : مولانا جمالی فرماتے ہیں کہ ایک روز بابا صاحبؒ اپنے مرشد کو ملنے گئے آپ نے لکڑی کا چپل پہن رکھا تھا اور سڑکوں پر بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو گیا تھا۔ آپ سات روز سے روزہ دار تھے اور بہت کمزور ہو گئے تھے۔ آپ کا پاؤں پھسل گیا اور آپ نیچے پر گر پڑے۔ کچھ کیچڑ آپ کے منہ میں چلا گیا اور فوراً شکر بن گیا۔ جب آپ مرشد کے مکان پہ پہنچے تو انھوں نے فرمایا :

"بابا فرید الدین مسعود ! بدیں پارہ گلی کہ در دہنت رسید شکر گشت عجب نیست کہ حضرت تبارک و تعالیٰ وجود ترا گنجشکر گردانیداست ہموارہ شیریں خواہی شد۔"

(بابا فرید الدین مسعود ! تھوڑا سا کیچڑ جو آپ کے منہ میں چلا گیا تو شکر بن گیا

کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی پوری ذات کو شکر کا خزانہ بنا کر اسے ہمیشہ کے لئے میٹھا بنا دے)۔

جمالی بیان کرتے ہیں کہ بابا صاحبؒ اپنے مرشد سے واپس لوٹے تو ہر جگہ لوگ آپ کو دیکھ کر کہتے: "دیکھو وہ شیخ فرید گنج شکر آ رہے ہیں"۔[1]

۳ : ایک روز ایک تاجر بابا صاحبؒ کو ملنے اجودھن آیا وہ اپنے ساتھ شکر لے جا رہا تھا۔ بابا صاحبؒ نے اس سے کچھ مانگا جس پر تاجر نے کہا کہ اس کے پاس شکر نہیں بلکہ نمک ہے۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا "نمک ہی ہو گا"۔ جب تاجر نے بوریاں کھولیں تو یہ دیکھ کر اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ان سب میں نمک بھرا ہوا ہے۔ وہ دوڑا دوڑا بابا صاحبؒ کی خدمت میں آیا۔ معافی مانگی اور درخواست کی کہ نمک پھر شکر بن جائے۔ آپ نے دعا کی اور نمک پھر شکر بن گیا اس کے بعد آپ شکر گنج مشہور ہو گئے۔ اس واقعہ کا حوالہ بیرم خاں خانِ خاناں نے اپنے مندرجہ ذیل شعر میں دیا ہے ؎

کانِ نمک جہان شکر شیخ بحر و بر
آں کو شکر نمک کند و از نمک شکر

(کانِ نمک جہان شکر شیخ بحر و بر جس نے شکر سے نمک بنایا اور پھر نمک سے شکر بنا دی)[2]

۴ : محمد غوثی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بابا صاحبؒ کچھ بنجاروں[3] کو ملے جو شکر

---

[1] سیر العارفین ص : ۴۷ ۔ ۴۸ ۔

[2] اخبار الاخیار ص : ۵۲ ۔ ۵۳ ۔

[3] لفظ بنجارہ 'بنج' (تاجر) یا شاید 'بنجی' (پھیری والے کی گٹھڑی) سے مشتق ہے۔ دیکھیں : پنجاب کاسٹس ص : ۲۵۴ ۔ ۲۵۵ نیز ریلیز آف نارتھ ویسٹرن پراونسز آف انڈیا، جلد اول، ص : ۵۲ ۔ ۵۶ ۔

سے جا رہے تھے۔ بابا صاحبؒ نے پوچھا کہ کیا لئے جا رہے ہو؟ ڈرتے ہوئے کہ کہیں بابا صاحب کچھ مانگ نہ لیں انہوں نے جواب دیا کہ 'نمک'۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا: "نمک ہی ہوگا"؛ اور بنجاروں کی شکر نمک بن گئی۔ یہ دیکھ کر بنجاروں کو بہت افسوس ہوا اور بابا صاحبؒ نے اسے پھر شکر میں تبدیل کر دیا۔[1]

۵ : بچپن میں بابا صاحبؒ کو شکر کا بہت شوق تھا۔ ایک دن آپ کی والدہ نے کہا: "اللہ تعالیٰ اُس بچے کو شکر دیتے ہیں جو صبح کی نماز باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں" اور خود انہوں نے رات کو شکر کی چھوٹی سی پڑیا بابا صاحبؒ کے سرہانے کے نیچے رکھنا شروع کر دیا۔ جب بابا صاحب صبح کی نماز ادا کرتے تو آپ کو وہ پڑیا سرہانے کے نیچے سے مل جاتی۔ جب بابا صاحبؒ بارہ برس کے ہو گئے تو آپ کی والدہ نے آپ کے سرہانے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھنا چھوڑ دیا لیکن پھر بھی بابا صاحبؒ کو خزانۂ قدرت سے شکر کی پڑیا مل جاتی لیکن ان کی والدہ کو اِس بات کا پتہ نہ چلا۔ ایک روز آپ کی والدہ نے پوچھا کہ فریدؒ کیا تمہیں شکر ملجاتی ہے؟ جب آپ نے جواب دیا کہ ہاں! تو آپ کی والدہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ آپ کی والدہ نے بڑی احتیاط سے تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ بابا صاحبؒ کو شکر کی پڑیا پردۂ غیب سے ملجاتی ہے۔[2]

وجہ کچھ بھی ہو آج بابا صاحبؒ گنجشکر کے نام سے مشہور و معروف ہیں اور اسی نام سے انہیں یاد کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں ہم نے انہیں شیخ نظام الدین اولیاؒ کے اتباع میں شیخ فریدؒ یا شیخ علاءالدین اجودھنی کے مطابق بابا فریدؒ لکھا ہے۔

---

[1] گلزارِ ابرار (مخطوطہ)۔

[2] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص: ۳۳۸۔

ضمیمہ : ب

جعلی ملفوظات کا تحقیقی جائزہ

مندرجہ ذیل تصانیف کی نسبت عموماً بابا صاحبؒ کی طرف کی جاتی ہے :

۱ : فوائد السالکین ، یہ خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکیؒ کے ملفوظات ہیں جن کو مبیّنہ طور پر بابا فریدؒ نے تالیف کیا ۔

۲ : اسرار الاولیاء ، یہ بابا فریدالدین رحمہُ اللہ کے ملفوظات ہیں جن کو مبیّنہ طور پر شیخ بدرالدین اسحٰقؒ نے تالیف کیا ۔

۳ : راحتُ القلوب ، یہ بابا صاحبؒ کے ملفوظات ہیں جن کو مبیّنہ طور پر شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے تالیف کیا ۔

ان تصانیف کے اصلی ہونے کے خلاف باطنی اور ظاہری دونوں قسم کی شہادتیں موجود ہیں ؛ پروفیسر محمد حبیب نے اپنے فکر انگیز انگریزی مقالہ " سلطانی عہد کے چشتی صوفیاء کی دستاویزات " میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ جملہ تصانیف جعلی ہیں اور چشتی صوفیاء کے حالاتِ زندگی اور اُن کے ارشادات کے بارے میں ان پر انحصار کرنا حق و انصاف سے بہت بعید ہے ۔

بروز بدھ ۱۵ محرم الحرام ۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء بروز بدھ امیر الحسن فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ ایک دوست حاضر تھا اس نے کہا : " ایک شخص نے مجھے اودھ میں ایک کتاب دکھائی اور کہا کہ یہ آپ کی لکھی ہوئی ہے " ! شیخ نظام الدینؒ نے جواب دیا : " اس نے غلط کہا ، میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی " (نقالت گفتہ است من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام ۔ ص : ۴۵) ۔ مذکورُ الصدر کی بنا پر راحت القلوب جعلی ہونے کی وجہ سے بآسانی مسترد کی جا سکتی ہے ۔

۲ : حامد قلندر نے "خیر المجالس" میں لکھا ہے : "ایک دوست نے کہا کہ شیخ عثمان ہرونیؒ کے ملفوظات میں ایک مشکل ہے اور وُہ یہ ہے ..." شیخ نظام الدین اولیاؒ نے جواب دیا کہ یہ ملفوظات حضرت کے نہیں ۔ مَیں نے بھی وہ مسوّدہ دیکھا ہے اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو حضرت کے شایانِ شان نہیں ہیں نہ شیخ الاسلام فریدالدینؒ نے نہ شیخ الاسلام قطب الدینؒ نے نہ چشتی بزرگان نے اور نہ کسی اور شیخ نے جو میرے سلسلہ میں مجھ سے قبل گذر چکا ہے کوئی کتاب لکھی :

"ایں ملفوظ ایشاں نیست ۔ ایں نسخہا بر من ہم رسیدہ است در آں بسیار الفاظ است کہ مناسب اقوال ایشاں نیست ... خدمت شیخ نظام الدین می فرمُود کہ من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام زیرا کہ خدمت شیخ الاسلام فریدالدین و شیخ الاسلام قطب الدین و خواجگانِ چشت قدس اللہ ارواحھم و از مشایخ شجرہ ما ہیچ شیخے تصنیف نہ کردہ اشت" خیر المجالس ص : ۵۲

یہ ہیں بیانات ان بزرگوں کے جو باباؒ فرید کی رُوحانی وراثت اور روایات کے حقیقی وارث ہیں ان کا یہ کہنا کہ یہ سب تصانیف جعلی ہیں، مذکورہ کو رد کر دینے کے لئے کافی ہے

۳ : سید محمد حُسینی گیسو درازؒ کی گفتگو سے مندرجہ ذیل اقتباس باباصاحب سے منسوب ملفوظات پر کافی سے زیادہ روشنی ڈالتا ہے :

"ملفوظے ازاں شیخ فریدالدین در اجودھن دیدم کہ آں را نسبت بہ مولانا بدرالدین اسحٰق می کنند ۔ سر بسر ہمہ افترا است ۔ می گویند جمع کردہ مولانا بدرالدین اسحٰق نیست"

(مَیں نے اجودھن میں شیخ فریدالدین کے ملفوظات کا ایک نُسخہ دیکھا تھا جو مُولانا بدرالدین اسحٰق کا تالیف شدہ بتایا جاتا تھا ۔ یہ محض جعل تھا ۔ یہ مُولانا بدرالدین اسحٰق کا تالیف شدہ نہ تھا ۔ جوامع الکلم ص : ۱۳۴)

اِس کے بعد اسرار الاولیاء کو ترجیح دینا بے معنی ہو جاتا ہے۔

۴ : شاہ عبدالعزیز مُحدّث دھلوی اس سارے لٹریچر کو ناقابلِ اعتبار گردانتے تھے۔ آپ کے ملفوظات میں ہے :

"کتاب فوائد الفواد نہایت معتبر است مگر دیگر ملفوظات مشتبہہ است۔"

(فوائد الفواد ایک نہایت قابلِ اعتبار کتاب ہے۔ مگر دیگر ملفوظات مشتبہہ ہیں)۔

اس بیرونی شہادت کے علاوہ ہمارے پاس اس لٹریچر کو رد کرنے کے لئے معقول اندرونی شہادت موجود ہے۔ ہر ایک تصنیف کا ہم علیحدہ علیحدہ جائزہ لیتے ہیں۔

فوائد السالکین : (۱) اس میں ۵۸۴ھ/۱۱۸۹ء میں پانچ دن کی گفتگو قلمبند کی گئی ہے اس کی تاریخ بے معنی ہے۔

(۲) بابا فرید اپنے آپ کو مسعود اجودھنی کہتے ہیں جو کہ پھر بے معنی ہے۔ آپ نے کئی سال بعد جا کر اجودھن میں رہائش اختیار کی۔

(۳) شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے کہلایا گیا ہے کہ جب وہ اور شیخ حامد خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو وہ خواجہ ابوبکر شبلیؒ کے ایک غلام سے ملے۔ شیخ شبلیؒ کی عمر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے وقت تک کم از کم اڑھائی تین سو سال ہونی چاہیئے۔

(۴) سلطان شمس الدین التمش کا رائے پتھورا پر حملہ کر کے اسے زندہ گرفتار کرنا بیان کیا گیا ہے۔

(۵) فوائد الفواد کی شہادت کی بنا پر ہمیں معلوم ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال سماع کے دوران ہوا تھا لیکن اس تالیف کے مطابق خواجہ صاحب سات یوم محوِ حیرت رہ کر ہوش میں آ گئے۔

ب : اسرار الاولیاء : (۱) اس میں ۱۲۳۳ء سے ۱۲۴۶ء تک کے عرصے سے متعلق ملفوظات ہیں اس وقت تک شیخ بدرالدین اسحٰق ابھی شیخ فرید سے ملے بھی نہ تھے۔

(۲) ملفوظات خود کلامی کی شکل میں موجود ہیں۔ حاضرینِ مجلس پتھر کی سلوں کی طرح بیٹھے رہتے ہیں۔ اصل ملفوظات مثلاً فوائد الفواد اور خیر المجالس ایک زندہ اور جیتی جاگتی مجلس کا تاثر پیدا کرتے ہیں۔ بزرگوں کے ارشادات کے دوران حاضرین مجلس کی طرف سے ذہین سوالات کئے جاتے ہیں۔ اسرار الاولیاء میں ساری کی ساری تقریر شیخ کی ہے اور جب وہ تقریر کر لیتے ہیں تو مجلس برخاست ہو جاتی ہے۔

(۳) بابا فریدالدینؒ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کو کہتوال میں ملے تھے لیکن ان ملفوظات کے مطابق بابا صاحب شیخ تبریزیؒ کو بغداد میں ملے تھے۔

(۴) اس کتاب میں جو ۱۲۴۶ء میں ختم کی گئی بابا فریدؒ کو اپنے چھوٹے بھائی کا یوں حوالہ دیتے دکھایا گیا ہے : "اس ہی خواہ کا ایک بھائی تھا جس کا نام نجیب الدین متوکل تھا۔" حالانکہ شیخ نجیب الدین متوکل بابا صاحبؒ سے چند ماہ پیشتر فوت ہوئے تھے۔

(۵) ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ بابا صاحبؒ بداؤں کبھی نہیں گئے لیکن اس کتاب میں آپ کا بداؤں جانا دکھایا گیا ہے جہاں وہ شیخ اصولی کو دعا دیتے ہیں جو بعد ازاں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے اُستاد بنے۔

(۶) شیخ بدرالدین غزنویؒ اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ دونوں کی بابا فرید صاحبؒ سے ملاقات کرائی جاتی ہے۔ حالانکہ شیخ بدرالدین غزنویؒ عرصۂ دراز سے فوت ہو چکے تھے جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ بابا صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔

ج : راحت القلوب : (۱) ہمیں دوسرے ہمعصر ماخذوں سے پتہ چلتا ہے کہ بابا فرید صاحبؒ نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو اس وقت خلافت نامہ دیا جب وہ آخری بار آپ سے ملنے گئے۔ ان ملفوظات میں بتایا گیا ہے کہ بابا فرید صاحبؒ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ

کہ پہلی ملاقات ہی میں برّ صغیر پاک و ہند کی پادشاہی کا مژدہ سُنایا تھا۔

(۲) شیخ بدرالدین غزنویؒ اور قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کا اکٹھے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی موجودگی میں بابا فرید صاحبؒ کے ہاں کچھ مجالس میں حاضر ہونا بتایا گیا ہے حالانکہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے اجودھن میں پہنچنے اور بابا فرید صاحبؒ سے بیعت ہونے سے بہت عرصہ قبل ہر دو بزرگ وفات پاچکے تھے۔

(۳) بابا فرید صاحبؒ کا شیخ ذوالنّون مصریؒ کے ایک شاگرد سے بدخشاں میں ملنا بیان کیا گیا ہے۔

(۴) ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ء کی بات چیت میں شیر خاں، شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ اور شیخ سیف الدین کی اموات کا ذکر کرتے دکھائے گئے ہیں حالانکہ شیر خاں ۱۲۶۴ء میں شیخ بہاؤ الدین زکریا ۱۲۶۳ء میں اور شیخ سیف الدین باخرزی ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ء میں فوت ہوئے تھے۔

ضمیمہ : ج

بابا فریدؒ اور گرو گرنتھ صاحب

گرو گرنتھ صاحب جس کی تالیف گورو ارجن دیو نے ۱۶۰۴ء میں کی، میں ایک باب "شلوک شیخ فرید کے" ہے جس میں شیخ فرید کے ۱۱۲ شلوک ہیں۔ ان شلوکوں کی تصنیف ایک متنازعہ امر ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ان شلوکوں کے مصنّف بابا فرید گنج شکرؒ ہیں دوسرے علماء اس کو بعید از قیاس سمجھتے ہیں اور ان شلوکوں کا مصنّف شیخ ابراہیم کو بتایا ہے جو بابا صاحبؒ کے اولاد میں سے تھے اور جنہوں نے بابا گرو نانک سے مل کر بات چیت بھی کی تھی۔ دیگر علماء کا خیال ہے کہ اس میں بابا فریدؒ اور شیخ ابراہیم کے شلوک ملجُل گئے ہیں۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ بابا فریدؒ کو شاعری سے لگاؤ تھا اور وہ شعر بھی کہتے تھے اور یہ بات بھی ناقابلِ تردید ہے کہ بابا صاحبؒ اپنے اردگرد لوگوں سے مقامی زبان میں بات چیت کیا کرتے ہوں گے۔ امیر خورد نے بھی بابا صاحبؒ کے ملتانی زبان میں ایک شعر کا حوالہ دیا ہے مگر بابا صاحبؒ کی ہمعصر تصانیف میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ بابا صاحبؒ نے شلوکوں کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ اور ان کے خلفاء نے بابا صاحبؒ کے بارے میں دلچسپ تفصیلات بیان کی ہیں خاص کر اُن کے ادبی ذوق اور اُن کی زندگی کے بارے میں۔ اگر بابا صاحبؒ نے واقعی اتنے شلوک کہے ہوتے تو شیخ نظام الدین اولیاؒ کا اُن کو نظر انداز کرنا ناممکن تھا۔ لہٰذا بیرونی شہادت کی بنا پر اس بارے میں کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش بیکار ہے۔ اس معاملہ سے متعلق فیصلہ اندرونی شہادت پر کرنا چاہیے۔

یہ شلوک ملتانی زبان میں ہیں مگر ان میں بعض عربی اور فارسی حروف والفاظ بھی آ گئے ہیں۔

مثلاً : گری وان (گریبان) لطیف ، عقل ، درویسی (درویشی) پر سلات (پلصراط) صُبح ، صوت ، مصلا ، عمل ، حال ، سُلطان ، روح ، رب ، سیطان (شیطان) پروردگار دیدار ، محبّت ، ملکُ الموت ، عمر ، نوبت اور دوجک (دوزخ) ۔

ان شلوکوں کا محور محبتِ الٰہی ، باطنی زندگی کی تطہیر ، رُوحانی ترقی کے لئے ریاضت و مجاہدہ کی قدر و قیمت ، انسانی زندگی کی فنائیت اور اسی قسم کے موضوعات ہیں ۔ مُوثر تشبیہات ، اِستعارے جو کہ اردگرد کے ماحول سے لئے گئے ہیں شلوکوں کو مزید مُوثر بنا دیتے ہیں وہ ایسے دل کا اُبال معلوم ہوتے ہیں جو محبّتِ الٰہی سے چھلک رہا ہو ۔ ان میں رُوحانی نظم و ضبط کے زاہدانہ پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہے ان کا مجموعی تاثر جس شیخ فرید کا تصوّر پیدا کرتا ہے وہ اِس تصوّر سے مماثل ہے جو جعلی ملفُوظات پیدا کرتے ہیں ۔

ان شلوکوں کا لسانی تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان میں جو امثال و محاورہ جات استعمال کئے گئے ہیں وُہ بابا صاحبؒ کے بہت بعد کے زمانے کے ہیں ۔ ان شلوکوں میں جو تخلص استعمال کیا گیا ہے وہ فرید ہے مگر بابا صاحبؒ جب کبھی اپنا حوالہ دیتے تو اپنے آپ کو مسعود کہتے فرید نہیں ۔

یہ بات قریباً قریباً یقینی ہے کہ یہ شلوک بابا صاحبؒ کے نہیں ہیں مگر اِس سے بھی انکار مشکل ہے کہ ان شلوکوں میں بابا صاحبؒ کے روایتی ارشادات بھی پائے جاتے ہیں نیز یہ آپ کی ریاضت و مُجاہدہ کے بارے میں عامّۃ النّاس میں مشہُور اور مُتداول واقعات کا حوالہ دیتے ہیں شلوک نمبر ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۴ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۶ ، ۲۷ ، ۲۸ ، ۳۳ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۱ ، ۴۳ ، ۴۴ ، ۴۷ ، ۵۰ ، ۵۱ ، ۵۴ ، ۶۱ ، ۷۰ ، ۷۱ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۸۴ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۹ ، ۱۰۱ ، ۱۰۲ ، ۱۰۳ ، ۱۱۱ ، ۱۱۲ اور ۱۱۶ میں ایسے حوالہ جات پائے جاتے ہیں جن کا کسی حد تک بابا صاحبؒ کے ارشادات اور ان کی ریاضت و مجاہدہ کے بارے میں روایات سے تعلق ظاہر ہوتا ہے ۔

غالباً شیخ ابراہیم جو کہ باباگورو نانک کے ہمعصر تھے ان شلوکوں کے اصل مصنّف ہیں اور اُنہوں نے اپنے بزرگ کے اقوال کو اپنے اَلفاظ میں ان شلوکوں کے ذریعے ادا کیا ہے ۔

ضمیمہ : د

باباصاحب رحمہ اللہ کی خانقاہ کے سجادہ نشین

۱ : شیخ بدرالدین سلیمان
۲ : شیخ علاؤالدین
۳ : شیخ معزالدین
۴ : شیخ فضل
۵ : شیخ منوّر
۶ : شیخ نورالدین
۷ : شیخ بہاؤالدین
۸ : شیخ محمد
۹ : شیخ احمد
۱۰ : شیخ عطاءاللہ
۱۱ : شیخ محمد
۱۲ : شیخ ابراہیم
۱۳ : شیخ تاج الدین محمود
۱۴ : شیخ فیض اللہ
۱۵ : شیخ ابراہیم
۱۶ : شیخ محمد
۱۷ : شیخ اشرف
۱۸ : شیخ محمد سعید
۱۹ : شیخ محمد یوسف
۲۰ : شیخ عبدالسبحان
۲۱ : شیخ غلام رسول
۲۲ : شیخ محمد یار
۲۳ : شیخ شرف الدین
۲۴ : شیخ اللہ جوایا

۲۵ : شیخ سید محمد

رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

۲۶ : دیوان غلام قطب الدین مدظلہٗ ۹۱

۲۷ : دیوان مودود مسعود چشتی مدظلہ
۲۸ دیوان حاجی محمد مدظلہ

Next 29 : دیوان احمد مسعود مزید مدظلہ

ضمیمہ : ر

بہشتی دروازہ

جس کمرہ میں بابا صاحب مدفون ہیں اُس کے دروازے دو ہیں، ایک شمال کو دوسرا مشرق کو۔ مشرقی دروازہ کو بہشتی دروازہ کہتے ہیں[1]۔ یہ دروازہ صرف محرم الحرام کی پانچ تاریخ کو کھولا جاتا ہے جب بیشمار زائرین، کیا ہندو کیا مسلمان مزار پر حاضری کے لئے آتے ہیں اور جو لوگ اس دروازہ سے گذر جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو عذاب جہنم سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ یہ دروازہ دو فٹ چوڑا ہے اور آدمی جھکے بغیر اس میں سے نہیں گذر سکتا جبکہ مزار والے کمرہ میں تیس آدمی اکٹھے بمشکل سما سکتے ہیں لیکن بابا صاحبؒ ان مواقع پر اپنے عقیدتمندوں کی اس طرح دیکھ بھال کرتے ہیں کہ آج تک کوئی حادثہ یا جانی نقصان نہیں ہُوا۔ جو لوگ سب سے پہلے دروازہ میں سے گذرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں بہشت میں اعلیٰ علیین میں جگہ ملے گی اس وجہ سے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تگ و دو میں ہجوم کا اندازہ بیان کرنے سے زیادہ تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ زائرین کا ہجوم بے پناہ ہوتا ہے اور جب لوگ بابا صاحبؒ کے

---

[1] یہاں مصنف سے سہو ہو گیا ہے مزار کے دو دروازے ہیں ایک مشرق کو جو کہ مزار کا اصل دروازہ ہے اور ایک جنوب کو جس کو بہشتی دروازہ کہتے ہیں اس میں سے جھک کر گذرنا پڑتا ہے۔ لوگ اس طرف سے ایک قطار میں گھستے ہیں اور بابا صاحبؒ کے مزار کی پائنتی کو بوسہ دیتے ہوئے یا ہاتھوں سے چھو کر مشرقی دروازہ سے باہر نکلتے جاتے ہیں۔ مزار کے اندر تیس آدمی بھی نہیں سما سکتے۔ اب مزار مبارک کے اندر شیشے کا نہایت عمدہ اور حسین کام ہوا ہوا ہے جو بڑا قابل دید ہے۔ (مترجم)۔

مزارِ مبارک کی بائیں جانب جبیں سائی کر کے مقدس دروازہ سے نکلتے ہیں تو ہر شو 'فرید' 'فرید' کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔

اِس روایت کا اصل مآخذ ڈھونڈنا از حد مشکل ہے کسی ہمعصر یا بعد کے مصنف نے بہشتی دروازہ کا ذکر نہیں کیا۔

ضمیمہ : س

کتابیات

ا : قدیم مآخذ :

۱ : احسن الاقوال : شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات جن کو ۷۳۸ھ / ۱۳۳۷ء میں حماد بن عماد کاشانی نے مدون کیا (مخطوطہ) ان ملفوظات کے متن سے بارے میں دیکھیں جرنل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جلد سوم حصہ اوّل ، کے ۔ اے نظامی کا مقالہ : " اے نوٹ آن احسن الاقوال " ص : ۴۰ - ۴۱ ۔

۲ : آئین اکبری : از علامہ ابو الفضل ، مدوّنہ : سید احمد خاں ۔ جس کا انگریزی ترجمہ بلوکمن اور جیرٹ نے کیا ۔ طبع شدہ : بب انڈیکا کلکتہ ۱۸۹۴ ۔

۳ : اخبار الاخیار : از شیخ عبد الحق محدث دہلوی ، طبع شدہ : مجتبائی پریس دہلی ، ۱۳۰۹ھ

۴ : اخبار الاصفیہ : از عبد الصمد بن افضل محمد ، تکمیل شدہ : ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۶ - ۱۶۰۷ء مخطوطہ ۔

۵ : انوار العارفین : از حافظ محمد حسین مراد آبادی ، مطبوعہ : نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء ۔

۶ : اسرار الاولیاء : (مبیّنہ) ملفوظات شیخ فرید ، مؤلفہ : شیخ بدر الدین اسحٰق ، مطبوعہ : نولکشور لکھنؤ ۔

۷ : اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید : از محمد بن منوّر ، مدوّنہ : احمد بہمن یار تہران ۱۹۳۴ء

۸ : عوارف المعارف : از شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ، عربی متن، مطبوعہ : قاہرہ، اردو ترجمہ : از مولوی ابوالحسن، مطبوعہ : نولکشور لکھنؤ ۱۹۲۶ء۔

۹ : بہجۃ الاسرار و معدن الانوار : از نورالدین شطنوفی، مطبوعہ : قاہرہ ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء۔

۱۰ : دیباچہ دیوان غرۃ الکمال : از امیر خسرو، شائع شدہ : مولوی سید یٰسین علی دہلی۔

۱۱ : دیوان امیر خسرو : مطبوعہ : نولکشور پریس لکھنؤ ۱۲۸۸ھ۔

۱۲ : دیوان حسن دہلوی : مُدوّنہ : مسعود علی محوی، مطبوعہ : ابراہیمیہ مشین پریس، حیدر آباد ۱۳۵۲ھ۔

۱۳ : دیوان جمال الدین ہانسوی : شائع شدہ : پیرجی رفیع الدین تحصیلدار دہلی، چشمہ فیض پریس، دہلی ۱۸۸۹ء۔

۱۴ : فوائد الفواد : ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاءؒ، مؤلفہ : امیر حسن سجزی، نولکشور، لکھنؤ ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء۔

۱۵ : فوائد السالکین : (مُبیّنہ) ملفوظات شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ، مؤلفہ شیخ فریدؒ، نولکشور، لکھنؤ۔

۱۶ : فتوح الغیب : از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، قاہرہ ۱۳۰۴ھ۔

۱۷ : فتوح السلاطین : از عصامی، مُدوّنہ : اے - ایم حسین، آگرہ ۱۹۳۸ء و مُدوّنہ ایم یوشع، مدراس ۱۹۴۸ء۔

۱۸ : گلزار ابرار : از محمد غوثی شطاری (مخطوطہ) اردو ترجمہ : اخبار الاخیار از مولوی فضل احمد، آگرہ ۱۳۲۶ھ۔

۱۹ : حبیب السیر : از غیاث الدین بن ہمام الدین عرف خواند میر، بمبئی ۱۸۵۷ء۔

۲۰ : حجۃ اللہ البالغہ : از شاہ ولی اللہ دہلوی، لاہور ۱۳۲۳ھ

۲۱ : اقتباس الانوار : از محمد اکرم براسوی، طبع لاہور ۱۸۹۵ء مخطوطہ، ذاتی ذخیرۂ کتب۔

۲۲ : جوامع الکلم : ملفوظات سید محمد گیسو دراز، مؤلفہ : سید محمد اکبر حسینی، انتظامی پریس، حیدر آباد۔

۲۳ : جواہر فریدی : از علی اصغر چشتی، فارسی متن لاہور ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء مخطوطہ، ذاتی ذخیرۂ کتب اُردو ترجمہ لاہور۔

۲۴ : کشف المحجوب : از شیخ علی ھجویری المعروف داتا گنج بخش، فارسی متن، مطبوعہ : گلزارِ ہند، سٹیم پریس لاہور انگریزی ترجمہ : از آر۔ اے نکلسن لنڈن ۱۹۳۶ء

۲۵ : خیر المجالس : ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی، مؤلفہ : مولانا حامد قلندر، مدونہ : کے۔ اے نظامی (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)۔

۲۶ : خزینۃ الاصفیاء : از حافظ غلام سرور، ثمر ہند پریس، لکھنؤ ۱۸۷۲ء

۲۷ : خلاصۃ التواریخ : از سجان رائے بھنڈاری، مدونہ : کے، بی ظفر حسن، جے۔ اینڈ سنز پریس دہلی ۱۹۱۸ء۔

۲۸ : کیمیائے سعادت : از امام غزالی لکھنؤ ۱۹۰۷ء۔

۲۹ : لطائف اشرفی : از مولانا نظام الدین یمنی، نصرت المطبع، دہلی ۱۲۹۵ھ

۳۰ : لوائح : از مولانا عبدالرحمٰن جامی، مترجمہ : ای۔ ایچ وِن فیلڈ اینڈ مرزا محمد قزوینی اورینٹیل ٹرانسلیشن فنڈ سیریز، رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۲۸ء۔

۳۱ : معارج الولایہ : از غلام معین الدین عبداللہ المعروف خلیفہ خویشگی چشتی

(دو جلدیں)، مخطوطہ، مصنف کے ذاتی ذخیرۂ کتب ہیں)۔

۳۲ : مجالس العشاق : از سلطان حسین میرزا، نولکشور ۱۸۹۷ء۔

۳۳ : مجمع الاولیاء : از میر علی اکبر اردستانی، مدوّنہ ۱۰۴۳ھ/۳۲-۱۶۳۳ء، مخطوطہ۔

۳۴ : مجموعہ ملفوظات خواجگانِ چشت : مترجمہ : مولانا غلام احمد بریاں، مسلم پریس، دہلی ۱۳۴۸ھ۔

۳۵ : ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز : مدوّنہ : قاضی بشیر الدین، مجتبائی پریس میرٹھ ۱۳۱۴ھ۔

۳۶ : مناقب المحبوبین : از مولانا نجم الدین، شرہند پریس لکھنؤ ۱۸۷۳ء۔

۳۷ : مطلوب الطالبین : از سید محمد بلاق چشتی، مخطوطہ، مصنف کے ذاتی ذخیرۂ کتب ہیں۔

۳۸ : مرآۃ الاسرار : از مولانا عبدالرحمٰن بن عبدالرسول چشتی، مصنف کے ذاتی ذخیرۂ کتب ہیں۔ (مخطوطہ)

۳۹ : مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ : از مولانا عزالدین محمود بن علی کاشانی، مدوّنہ : آغا جلال ہمائی، تہران۔

۴۰ : مخ المعانی : از امیر حسن سجزی (مخطوطہ در لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)۔

۴۱ : ملہمات : از شیخ جمال الدین ہانسوی، یوسفی پریس، الور ۱۳۰۶ھ۔

۴۲ : منتخب التواریخ : از عبدالقادر بدایونی، مدوّنہ : طبیعہ، این لیز مولوی کبیر الدین احمد اینڈ مولوی احمد علی، بب انڈیکا، کلکتہ ۱۸۶۹ء۔

۴۳ : مونس الارواح : از جہاں آرا بیگم، تکمیل شدہ ۱۰۴۹ھ/۴۰-۱۶۳۹ء قلمی

مصنف کے ذاتی ذخیرۂ کُتب میں۔

۴۴ : نفحاتُ الانس : از مولانا عبدالرحمٰن جامی، بمبئی ۱۲۸۴ھ۔

۴۵ : قول الجمیل : از شاہ ولی اللہ دہلوی، مطبع نظامی، کانپور ۱۲۹۱ھ۔

۴۶ : راحت القلوب : (مُبتینہ) ملفوظات شیخ فریدؒ، مؤلفہ شیخ نظام الدین اولیاء، نولکشور لکھنؤ۔

۴۷ : رَوضۃُ الاقطاب : از سید محمد بلاق چشتی، مطبوعہ : چرنجی لال محب ہند پریس، دہلی۔

۴۸ : رُحلہ ابن بطوطہ : عربی متن، قاہرہ ۱۹۲۸ھ اُردو ترجمہ : از کے۔ بی۔ محمد حسین، دہلی ۱۳۴۵ھ، انگریزی ترجمہ و تلخیص : از ایچ۔ اے آر گب لنڈن ۱۹۲۹ء، ترجمہ جلد دوم : از اے۔ ایم حسین بڑودہ ۱۹۵۳ء۔

۴۹ : رسالہ حال خانوادہ چشت : از مولانا تاج الدین خلف مولانا شہاب الدین امام، مخطوطہ ۱۱۰۸ھ مُصنّف کے ذاتی ذخیرۂ کُتب میں۔

۵۰ : رسالہ مطلوب فی عشق المحبوب : از امجد امیر ماہ۔ مخطوطہ، مصنّف کے ذاتی ذخیرۂ کُتب میں۔

۵۱ : سبع سنابل : از عبدالواحد ابراہیم، نظامی پریس، کانپور ۱۲۹۹ھ

۵۲ : سفینۃ الاولیاء : از دارا شکوہ مخطوطہ، مصنف کے ذاتی ذخیرہ کُتب میں۔

۵۳ : شجرۃ الانوار : از مولانا رحیم بخش فخری، مخطوطہ مُصنّف کے ذاتی ذخیرہ کتب میں۔

۵۴ : شیکا شو بھا ودایہ : سنسکرت متن، مُدوّنہ : ایس۔ سین کلکتہ۔

۵۵ : سیرت فیروز شاہی : مصنف نامعلوم، متوفیٰ ۷۷۲ھ، بانکی پور والے مخطوطہ کی نقل مسلم یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔

۵۶ : سیر الاقطاب : از اللہ دیا چشتی، نولکشور ۱۹۱۳ء۔

۵۷ : سیر العارفین : از مولانا فضل اللہ المعروف درویش جمالی، مطبوعہ : رضوی پریس دہلی ۱۳۱۱ھ، غیر مورخہ مخطوطہ مصنف کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں۔

۵۸ : سیر الاولیاء : از سید محمد بن مبارک کرمانی المعروف امیر خورد، شائع شدہ چرنجی لال محب ہند پریس، دہلی ۱۳۰۲ھ۔

۵۹ : طبقات ناصری : از منہاج السراج جرجانی، مدونہ : نساولیز، خادم حسین اور عبد الحی، ببلیوتھیکا انڈیکا ۱۸۶۴ء، انگریزی ترجمہ : از ایچ۔ جی۔ ریورٹی، ببلیوتھیکا انڈیکا ۱۸۹۷ء۔

۶۰ : تکملہ سیر الاولیاء : از خواجہ گل محمد احمد پوری، مطبوعہ : رضوی پریس دہلی ۱۳۱۲ھ، مخطوطہ مصنف کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں۔

۶۱ : تاریخ آل سبکتگین : از ابو الفضل بیہقی جلد اوّل، مدونہ : ڈاکٹر غنی جلد دوم مدونہ : آغا سعید نفیسی تہران۔

۶۲ : تاریخ فیروز شاہی : از ضیاء الدین برنی، مدونہ : سید احمد خان، ببلیوتھیکا انڈیکا کلکتہ ۱۸۶۲ء۔

۶۳ : تاریخ فیروز شاہی : از شمس سراج عفیف، مدونہ : مولوی عنایت حسین ببلیوتھیکا انڈیکا کلکتہ ۱۸۹۰ء۔

۶۴ : تاریخ گزیدہ : از حمد اللہ مستوفی، مدونہ : ای۔ جی۔ براؤن، گب میموریل سیریز لندن ۱۹۱۳ء۔

۶۵ : تاریخ محمدی : از محمد بیجا مدخانی۔ مخطوطہ کی ایک روٹو گراف نقل برٹش

میوزیم میں موجود ہے۔ اوراق : ۱۴۴ - ۱۴۶ -

۶۶ : تزک بابری : انگریزی ترجمہ : از جے۔ لیڈن و ڈبلیو ارسکائن ، نظر ثانی شدہ : از سر ایل۔ کنگ۔

۶۷ : تزک جہانگیری : مدوّنہ سید احمد خاں، علیگڑھ۔

۶۸ : زبدۃ المقامات : از خواجہ محمد ہاشم بدخشانی، نولکشور پریس، کانپور ۱۸۹۰ء۔

ب : جدید تصنیفات :

۶۹ : افغانستان اینڈ اٹس لیٹ امیر : شائع شدہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی فار انڈیا لنڈن اور مدراس ۱۹۰۲ء۔

۷۰ : اینشنٹ جیاگرافی آف انڈیا : از کنگھم، مدوّنہ سریندرا ناتھ موجمدار شاستری، کلکتہ ۱۹۲۴ء۔

۷۱ : ہسٹری آف انڈیا : از ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن، جلد دوم، طبع نظر ثانی شدہ از محمد حبیب، ایس۔ اے رشید اور کے۔ اے نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۲ء۔

۷۲ : فاؤنڈیشن آف مسلم رول ان انڈیا : از ڈاکٹر اے۔ بی۔ ایم حبیب اللہ شائع شدہ : شیخ محمد اشرف لاہور ۱۹۴۵ء۔

۷۳ : حضرت امیر خسرو آف دہلی : از پروفیسر محمد حبیب، تارا پور والا سنز اینڈ کمپنی، بمبئی ۱۹۲۷ء۔

۷۴ : حیات عبدالحق محدث دہلوی : از کے۔ اے نظامی، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۴ء۔

۷۵ : ہندو کاسٹس اینڈ سیکٹس : از جوگندرا ناتھ بھٹاچاریہ، کلکتہ ۱۸۹۶ء۔

۷۶ : ہسٹری آف دی عرب : از پی۔ کے ہتی۔ میکملن اینڈ کمپنی لندن ۱۹۵۱ء۔

۷۷ : اعلانِ سیادت فریدی : از سید رشید احمد رضوی، رضوی پریس امروہہ ۱۳۳۲ھ۔

۷۸ : لینڈز آف دی ایسٹرن کیلیفیٹ : از لی سٹرینج۔ کیمبرج ۱۹۳۰ء۔

۷۹ : میمائرز آن دی ہسٹری فوک لور اینڈ ڈسٹری بیوشن آف دی ریسز آف دی نارتھ ویسٹرن پراونسز آف انڈیا : از سر ایچ۔ ایلیٹ لندن ۱۸۶۹ء۔

۸۰ : پرشین لٹریچر : از سی۔ اے سٹورے جلد اوّل حصہ دوم لندن ۱۹۵۳ء

۸۱ : پنجاب کاسٹس : از سر ڈینزل ابسٹن لاہور ۱۹۱۶ء۔

۸۲ : رپورٹ آن اے لنگوارسٹک مشن ٹو افغانستان : از مارگینز سٹرن سٹاک ہالم ۱۹۳۵ء۔

۸۳ : سراج النسب : از محمد سراج الحق، مطبوعہ : ضیائے اسلام پریس قادیان ۱۳۱۳ھ۔

۸۴ : تاریخ مشایخ چشت : از کے۔ اے نظامی۔ ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۴ء۔

۸۵ : تاریخ تصوف در اسلام : از ڈاکٹر قاسم غنی تہران۔

۸۶ : دی کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو عریبک لٹریچر : از ڈاکٹر ایم جی زبید احمد دکھشٹے پریس آلہ آباد۔

۸۷ : دی کارفرز آف دی ہندوکش : از سر جارج سکاٹ رابرٹسن لندن ۱۹۰۰ء

۸۸ : دی لینڈ آف دی فائیو ریورز اینڈ سندھ : از ڈیوڈ راس لندن ۱۸۸۳ء۔

۸۹ : دی مجدد ز کنسیپشن آف توحید : از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، شیخ محمد اشرف لاہور ۱۹۴۰ء۔

۹۰ : دی سکھس اسٹیکس اینڈ ٹینٹس آف انڈیا : از جے۔ سی ادمن۔

۹۱ : دی صوفیز ورک ان دی ارلی ڈویلپمنٹ آف اردو لینگوئج : از ڈاکٹر مولوی عبدالحق ؛ انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۳۹ء۔

ج ؛ گزیٹیرز اور رپورٹیں :

۹۲ : پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹیرز : جلد ۱۸ اب ، منٹگمری ڈسٹرکٹ سٹیٹیکل ٹیبلز (لاہور ۱۹۱۳ء)۔ جلد ۱۶ ب فریدکوٹ سٹیٹ اینڈ فیروزپور ڈسٹرکٹ (لاہور ۱۹۱۳ء)۔

۹۳ : رپورٹ آن اے ٹور ان دی پنجاب : از الیگزینڈر کننگھم جلد ۱۴۔ آرکیولاجیکل سروے آف انڈیا کلکتہ ۱۸۸۲ء۔

۹۴ : دی جھنگ سیٹلمنٹ رپورٹ : از سٹیڈمین۔

د ؛ جرنلز وغیرہ :

۹۵ : انڈین اینٹی کویری جلد ۴۱۔

۹۶ : اسلامک کلچر جلد ۲۰ نمبر ۲ ، اپریل ۱۹۴۶ء۔

۹۷ : دی جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۶، ۱۸۳۷ء۔

۹۸ : جرنل آف کیپٹن سی۔ ایم ویڈز وائج فرام لدھیانہ ڈسٹمن کوٹ بائی دی ریور ستلج آن ہز مشن ٹو لاہور اینڈ بہاولپور : از لیفٹیننٹ ایف میکیسن۔ ص : ۱۶۹ ـ ۲۱۷ جلد ہفتم ۱۸۳۸ء۔

۹۹ : آن دی سیاہ پوشش کافرز ود سپیسی منز آف دیئر لینگویج اینڈ کاسٹیوم : از کیپٹن الیگزینڈر برنز ص : ۳۲۵ - ۳۳۳۔

۱۰۰ : دی اورینٹل کالج میگزین : ۱۹۳۸ ـ ۱۹۴۱ء مقالات بابت بابا فریدؒ

اورگرو گرنتھ، جلد ۲/۱۴ (فروری ۱۹۳۸ ص : ۷۵-۸۱ / ۳/۱۴، مئی
ص : ۲۵-۳۷ ؛ ۴/۱۴ اگست ۱۹۳۸ ص : ۸۸-۹۰ : ۱/۱۵ نومبر
ص : ۶۷-۸۴ : ۲/۱۵ فروری ۱۹۳۹ ص : ۴۴-۷۱ : مقالات بابت بابا فرید
شیخ ابراہیم اور فرید ثانی : از موہن سنگھ دیوانہ ؛ ۲/۱۷ فروری ۱۹۴۱ ص
۱۲۷؛ مقالہ بابت نسب نامہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ : از بلدیو سنگھ -

۱۰۱ : انسائیکلوپیڈیا آف اسلام : لیڈن ۱۹۱۳-۳۴ -

۱۰۲ : "ودیا پتھا کمیموریشن والیوم" مقالہ بابت ارلی اسلامک مسٹیسزم
از پروفیسر محمد حبیب -

کتاب	مصنف
شمائل رسولؐ	یوسف نبہانیؒ
سیرت رسولؐ	ساجد الرحمٰن
صحیفہ نور	عزیز حاصلپوری
طواسین	ابن حلاجؒ
کتاب اللمع	ابو نصر سراجؒ
فصوص الحکم	ابن العربیؒ
فتوح الغیب	عبد القادر جیلانیؒ
خلاصۃ المفاخر	امام یافعیؒ
کشف المحجوب	شیخ علی ہجویریؒ
تعرف	امام کلاباذیؒ
الاوراد	بہاؤ الدین زکریاؒ
آداب المریدین	ضیاء الدین سہروردیؒ
لوائح	عبد الرحمٰن جامیؒ
صد میدان	عبد اللہ انصاریؒ
انفاس العارفین	شاہ ولی اللہؒ
الطاف القدس	شاہ ولی اللہؒ
ہشت محفل	شاہ ابو المعالیؒ
مرآت العاشقین	شمس الدین سیالویؒ
مکتوبات	خواجہ معصوم سرہندیؒ
وصایا	شہاب الدین سہروردیؒ
ابدالیہ	یعقوب چرخیؒ
سیر الاولیاء	محمد مبارک کرمانیؒ
گلزار ابرار	محمد غوثی شطاریؒ
مناقب المحبوبین	نجم الدین سلیمانیؒ
حدیقۃ الاولیاء	غلام سرور لاہوری
خزینۃ الاصفیاء	غلام سرور لاہوری
مدینۃ الاولیاء	محمد دین کلیم
شیخ عبد القادر جیلانیؒ	فاروق القادری
شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ	نسیم چوہدری
سلطان الہندؒ	مفتی اجمیری
خواجہ فرید الدین مسعودؒ	خلیق نظامی
فرید الدین گنجشکرؒ	جعفر قاسمی
خواجہ سلیمان تونسویؒ	ڈاکٹر محمد حسین
ہو المعظمؒ	غلام نظام الدین
حسین بن منصور حلاجؒ	لوئی ماسی نون
مقامات سلطان باہوؒ	احمد سعید ہمدانی
فاضلی انوار الٰہی	فضل شاہ قطب عالمؒ
تصوف اسلام	عبد الماجد دریابادیؒ
دعوت ارواح	ارشد قادری
بیماری اور اس کا روحانی علاج	میاں ولی الدین
اقبال اور تصوف	ڈاکٹر محمد ریاض
اقبال اور ابن حلاج	ڈاکٹر محمد ریاض

احوال و آثار

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ

"دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فریدالدین گنج شکر" کا اردو ترجمہ

مصنف:

خلیق احمد نظامی

مترجم:

قاضی محمد حفیظ اللہ

مدیر:

محمد ارشد قریشی

المعارف گنج بخش روڈ لاہور